جون 2012

ماہنامہ

حنا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

مکمل ناول

انشاء نامہ

ناولٹ

انٹرویو

افسانے

سلسلے وار ناول

مستقل سلسلے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! جون 2012ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

ملک جل رہا ہے اور حکمران "نیرو کی طرح بانسری" بجا رہے ہیں، کراچی کے جو حالات ہیں وہ کسی سے چھپے نہیں، کراچی کے معاملات جن سیاسی پارٹیوں کے کنٹرول میں ہیں وہ حکومتی اتحاد کا حصہ ہیں، لیکن ان کے حکومت میں ہونے کے باوجود کراچی کے حالات دن بدن بگڑتے جا رہے ہیں، بلوچستان میں حالات روز بروز کشیدہ ہوتے جا رہے ہیں، راہ چلتے لوگوں کو اغواء کیا جا رہا ہے، مسخ شدہ لاشیں مل رہی ہیں اور خیبر پختون خواہ میں پرچم نہیں لہرایا جا سکتا، شدت پسندوں کے خلاف فوج کا آپریشن جاری ہے مگر شہروں میں کوئی سیکیورٹی نہیں ہے، بنوں جیل پر طالبان کے حملے نے واضح کر دیا ہے کہ ان کی طاقت اسی طرح قائم ہے اور حکومت کی رٹ ختم ہو چکی ہے، پنجاب میں لوگوں کو اپوزیشن کی حکومت ہونے کی سزا دی جا رہی ہے اور جان بوجھ کر بجلی اور گیس کی شدید لوڈ شیڈنگ کی جا رہی ہے جس سے صنعتی اور کاروباری سرگرمیاں ختم ہو رہی ہیں، لوگ بے روزگار ہو رہے ہیں، اغواء برائے تاوان کا کام ہر طرف زوروں پر ہے مگر حکمرانوں کو اپنے للوں تللوں سے فرصت نہیں ہے، صنعتیں دوسرے ملکوں میں منتقل ہو رہی ہیں لوگ روزگار کی تلاش میں ملک چھوڑنے پر مجبور ہو رہے ہیں مگر ہمارے عزت ماب وزیر اعظم فرماتے ہیں کہ جو یہاں تنگ ہے وہ ملک چھوڑ جائے، یہ ڈھٹائی کی انتہا ہے یہ شاید دنیا کا پہلا وزیر اعظم ہو گا جو کہ عوام کے مسائل حل کرنے میں ناکام ہو کر انہیں ملک چھوڑنے کا مشورہ دے رہا ہے، اسی لئے تو سب کہہ رہے ہیں کہ ملک جل رہا ہے اور حکمران بانسری بجا رہے ہیں، ہماری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یا اللہ ہمارے حکمرانوں کی قسمت میں ہدایت ہے تو انہیں ہدایت نصیب فرما، وگرنہ ہمیں ان سے نجات عطا فرما، آمین۔

<u>اس شمارے میں:</u>۔ عدنان صدیقی سے ملاقات، مصباح علی نارد، قرۃ العین رائے کے مکمل ناول، سندس جبیں کا ناولٹ، تحسین اختر، سعدیہ عابد، عیریہ شیر دل اور سمیرا گل کے افسانے، فوزیہ غزل اور ام مریم کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد

تنویر پھول

قریب ہے رگ جاں سے مگر دکھا نہ سکا
وہ دل میں آیا، سمجھ میں مگر سما نہ سکا

گناہ کا بوجھ ہے سر پر گرا ہوں سجدے میں
پڑا وہ بار مرے سر پہ کہ میں اٹھا نہ سکا

سمجھ میں آ نہیں سکتی حقیقت معبود
بشر تو اپنی بھی ہستی کا راز پا نہ سکا

بنائے سینکڑوں معبود یوں تو انساں نے
وہ برگ و غنچہ یا مور و مگس بنا نہ سکا

بشر کو تو نے نوازا، یہ فضل ہے تیرا
سروش منزل سدرہ سے آگے جا نہ سکا

ہے پھول سجدے میں، حالت سے اس کی تو واقف
بہائے اشک مگر حال دل سنا نہ سکا

☆☆☆

نعت

محمد زبیر

مہکتے چمن ہو، رسولؐ امیں ہو
سینے میں جن کے قرآن مبیں ہو

ابر کرم بھی ہو، بحر سخا بھی ہو
مہربان رب کا فضل مبیں ہو

فراست و حکمت میں ثانی نہیں ہے
کوئی بشر چاہے کتنا ذہیں ہو

ہو راحت جاں بھی پیام اماں بھی
دل کی تمنا ہو، دل کے قریں ہو

رسولؐ خدا ہیں، یہ پہچان ان کی
باتوں پہ جن کی سب کو یقیں ہو

سجے میں گر کر قیامت کے دن بھی
سب کو بخشش کا طالب نذیر مبیں ہو

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

سید اختر ناز

جب برائی زیادہ ہو جائے

ام المومنین زینب بنت حجش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیند سے جاگے اور فرمایا۔

''لا الہ الا اللہ خرابی ہے عرب کی اس آفت سے جو نزدیک ہے آج یاجوج اور ماجوج کی آڑ اتنی کھل گئی۔''

اور (راوی حدیث) سفیان نے دس کا ہندسہ بنایا، (یعنی انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی سے حلقہ بنایا)

میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہم تباہ ہو جائیں گے، ایسی حالت میں جب ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب برائی زیادہ ہو گی۔'' (یعنی فسق و فجور یا زنا یا اولاد زنا یا معاصی)

(صحیح مسلم)

فتنوں کا نزول

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے محلوں میں سے ایک محل پر چڑھے پھر فرمایا۔

''تم دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں؟ بے شک میں تمہارے گھروں میں فتنوں کی جگہیں اس طرح دیکھتا ہوں جیسے بارش کے گرنے کی جگہوں کو۔'' (یعنی بہت ہوں گے بوندوں کی طرح مراد جمل اور صفین اور فتنہ عثمان اور شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے سوا بہت سے فساد جو مسلمانوں میں ہوئے)

(صحیح مسلم)

فتنوں کا بیان

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا۔

''تم میں سے کس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتنوں کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے؟''

بعض لوگوں نے کہا کہ۔

''ہاں ہم نے سنا ہے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

''شاید تم فتنوں سے وہ فتنے سمجھے ہو جو آدمی کو اس کے گھر بار اور مال اور ہمسائے میں ہوتے ہیں۔''

تو انہوں نے کہا کہ۔

''ہاں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ''ان فتنوں کا کفارہ تو نماز اور روزے اور زکوۃ سے ہو جاتا ہے لیکن تم میں سے ان فتنوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس نے سنا ہے جو دریا کی موجوں کی طرح امڈ کر آئیں گے؟''

سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ

لوگ خاموش ہو گئے، میں نے کہا کہ میں نے سنا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

''تو نے سنا ہے تیرا باپ بہت اچھا تھا۔''

سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ۔

''فتنے دلوں پر ایسے آئیں گے ایک کے بعد ایک، ایک کے بعد ایک جیسے بوریئے کی تیلیاں ایک کے بعد ایک ہوتی ہیں پھر جس دل میں فتنہ رچ جائے گا اس میں ایک کالا داغ پیدا ہو گا اور جو دل اس کو نہ مانے گا تو اس میں ایک سفید نورانی دھبہ ہو گا یہاں تک کہ اسی طرح کالے اور سفید دھبے ہوتے ہوتے دو قسم کے دل ہو جائیں گے، ایک تو خالص سفید دل چکنے پتھر کی طرح جس کو کوئی فتنہ نقصان نہ پہنچائے گا جب تک کہ آسمان و زمین قائم رہیں، دوسرے کالا سفیدی مائل یا الٹے کوزے کی طرح جو نہ کسی اچھی بات کو اچھی سمجھے گا، نہ بری بات کو بری مگر وہی جو اس کے دل میں بیٹھ جائے۔''

سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ پھر میں نے سیدنا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث بیان کی کہ۔

''تمہارے اور اس فتنے کے درمیان میں ایک دروازہ ہے جو بند ہے مگر نزدیک ہے کہ وہ ٹوٹ جائے۔''

(صحیح مسلم)

شیطان کا فتنہ ڈالنا

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

''ابلیس اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے پھر اپنے لشکروں کو دنیا میں فساد کرنے کو بھیجتا ہے، پس اس سے مرتبہ میں زیادہ قریب وہ ہوتا ہے کہ جو بڑا فساد ڈالے، کوئی شیطان ان میں سے آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کام کیا، (یعنی فلاں شے چوری کرائی، فلاں کو شراب پلوائی) تو شیطان کہتا ہے کہ تو نے کچھ بھی نہیں کیا، پھر کوئی آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو نہ چھوڑا یہاں تک کہ اس میں اور اس کی بیوی میں جدائی کرا دی تو اس کو اپنے پاس کر لیتا ہے کہ ہاں تو نے بڑا کام کیا ہے۔'' اعمش نے کہا کہ۔

''اس کو چمٹا لیتا ہے۔''

(صحیح مسلم)

فتنے مشرق کی طرف سے ہوں گے

سیدنا سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے تھے۔

''اے عراق والو! میں تم سے چھوٹے گناہ نہیں پوچھتا، نہ اس کو پوچھتا ہوں جو کبیرہ گناہ کرتا ہو، میں نے اپنے والد سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے۔

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ فتنہ ادھر سے آگے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا جہاں شیطان کے دونوں سینگ نکلتے ہیں اور تم ایک دوسرے کی گردن مارتے ہو (حالانکہ مومن کی گردن مارنا کتنا بڑا گناہ ہے) اور موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی قوم کا ایک شخص مارا تھا اور وہ غلطی سے مارا تھا (نہ بہ نیت، قتل کیونکہ گھونسے سے آدمی نہیں مرتا) اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ۔

''تم نے ایک خون کیا پھر ہم نے تجھے غم

سے نجات دی اور تجھ کو آزمایا جیسا آزمایا تھا (طٰہٰ ۴۰)''

قیصر اور کسریٰ کے خزانے

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جب کسریٰ (ایران کا بادشاہ) مر گیا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر (روم کا بادشاہ) مر جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا، (اور یہ دونوں ملک مسلمان فتح کر لیں گے) قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ان دونوں کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کیے جائیں گے۔''

(صحیح مسلم)

امت کی تباہی

سیدنا ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو لپیٹ لیا (یعنی سب زمین کو لپیٹ کر میرے سامنے کر دیا) تو میں نے اس کا مشرق اور مغرب دیکھا اور میری حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین مجھے دکھلائی گئی اور مجھے دو خزانے ملے ایک سرخ اور سفید اور میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ میری امت کو عام قحط سے ہلاک نہ کرے اور ان پر کوئی غیر دشمن ایسا غالب نہ کرے کہ ان کا جتھا ٹوٹ جائے اور ان کی جڑ کٹ جائے، (یعنی بالکل نیست و نابود ہو جائیں)

میرے پروردگار نے فرمایا۔

''اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب میں کوئی حکم دیتا ہوں پھر وہ نہیں پلٹتا اور میں نے تیری یہ دعائیں قبول کیں اور تیری امت کو عام قحط سے ہلاک نہ کروں گا نہ ان پر کوئی غیر دشمن جو ان میں سے نہ ہو ایسا غالب کروں گا جو ان کی جڑ کاٹ دے، اگرچہ زمین کے تمام لوگ (مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے) اکٹھے ہو جائیں، (مگر ان کو تباہ نہ کر سکیں گے) یہاں تک کہ خود مسلمان ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قید کریں گے۔''

(صحیح مسلم)

تم اگلی امتوں کی راہوں پر چلو گے

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''البتہ تم اگلی امتوں کی راہوں (یعنی گناہوں میں اور دین کی مخالفت میں) پر چلو گے (نہ یہ کہ کفر اختیار کرو گے) بالشت برابر بالشت کے اور ہاتھ برابر ہاتھ کے، یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں گھسے تو تم بھی گھسو گے۔''

ہم نے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگلی امتوں سے مراد یہودی اور نصاریٰ ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ (اگر یہ نہیں تو) اور کون ہیں؟''

(صحیح مسلم)

قریش تباہ کرے گا

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''لوگوں کو قریش میں سے یہ خاندان (یعنی بنی امیہ) ہلاک کرے گا۔''

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

''پھر ہمیں کیا حکم ہوتا ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

''اگر لوگ ان سے الگ رہیں تو بہتر ہے۔''

(صحیح مسلم)

فتنے میں حصہ لینا

سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''بے شک کئی فتنے ہوں گے، خبردار ہو، وہاں کئی فتنے ہوں گے، بیٹھنے والا ان میں سے چلنے والے (لوگوں سے) سے بہتر ہوگا اور بھاگنے والے (لوگوں سے) چلنے والا بہتر ہوگا، خبردار رہو، جب فتنہ اور فساد اترے یا واقع ہو تو جس کے اونٹ ہوں، وہ اپنے اونٹوں میں جا ملے اور جس کی بکریاں ہوں وہ اپنی بکریوں میں جا ملے اور جس کی (کھیتی کی) زمین ہو، وہ اپنی زمین میں جا رہے۔''

ایک شخص نے کہا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جس کے اونٹ نہ ہوں اور نہ بکریاں اور نہ زمین ہو وہ کیا کرے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''وہ اپنی تلوار اٹھائے اور پتھر سے اس کی باڑھ کو کوٹ ڈالے، (یعنی لڑنے کی کوئی چیز باقی نہ رکھے جو لڑائی کا حوصلہ ہو) پھر اپنے بچاؤ میں جتنی ہو سکے جلدی کرے، الٰہی! میں نے تیرا حکم پہنچا دیا، الٰہی میں نے تیرا حکم پہنچا دیا، الٰہی میں نے تیرا حکم پہنچا دیا۔''

ایک شخص بولا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بتلائیے کہ اگر مجھ پر زبردستی کریں یہاں تک کہ مجھے دو صفوں میں سے یا دو گروہوں میں سے ایک لے جائیں پھر وہاں کوئی مجھے تلوار مارے یا تیر آئے اور مجھے قتل کرے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''وہ اپنا اور تیرا گناہ سمیٹ لے گا اور دوزخ میں جائے گا۔''

(صحیح مسلم)

مسلمانوں کی لڑائی

سیدنا احنف بن قیس کہتے ہیں۔

''میں اس ارادہ سے نکلا کہ اس شخص کا شریک ہوں گا (یعنی سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلے میں شریک ہوں گا) راہ میں مجھ سے سیدنا ابوبکر ملے کہنے لگے کہ۔

''اے احنف تم کہاں جاتے ہو؟''

میں نے کہا۔

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

''اے احنف! تم لوٹ جاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ جب دو مسلمان اپنی تلوار لے کر لڑیں تو مارنے والا اور جو مارا جائے دونوں جہنمی ہیں۔''

میں نے عرض کیا یا کسی اور نے کہا کہ۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قاتل تو جہنم میں جائے گا لیکن مقتول کیوں جائے گا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

''وہ بھی تو اپنے ساتھی کے قتل کا ارادہ رکھتا تھا۔''

(صحیح مسلم)

دو مسلمان گروہوں میں لڑائی

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ (مسلمانوں کے) دو بڑے بڑے گروہ لڑیں گے، ان میں بڑی لڑائی ہوگی اور دونوں کا دعویٰ ایک ہوگا۔'' (یعنی دونوں کا دین ایک ہوگا اور دونوں یہ دعویٰ کریں گے کہ ہم اللہ کے دین کے لئے لڑتے ہیں۔'')

(صحیح مسلم)

فتنہ کا بیان

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، دنیا فنا نہ ہوگی یہاں تک کہ آدمی قبر پر گزرے گا پھر اس پر لیٹے گا اور کہے گا کاش میں اس قبر والا ہوتا اور اس کے ساتھ دین نہ ہوگا مگر بلا......''

(صحیح مسلم)

ہرج کا بیان

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ہرج بہت ہوگا۔''

لوگوں نے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہرج کیا ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''قتل، قتل،'' (یعنی خون بہت ہوں گے)

(صحیح مسلم)

قاتل و مقتول کا بیان

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

''قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ دنیا ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ لوگوں پر ایک دن آئے گا کہ مارنے والا یہ نہ جانتا ہوگا کہ اس نے کیوں مارا اور جو مارا جائے گا وہ نہ جانے گا کہ کیوں مارا گیا؟''

لوگوں نے کہا۔

''یہ کیسے ہوگا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''کشت و خون ہوگا، قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں۔''

(صحیح مسلم)

زمین حجاز کی آگ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ ایک آگ حجاز کے ملک سے نکلے گی اور وہ بصرہ کے اونٹوں کی گردنوں کو روشن کر دے گی۔'' (یعنی اس کی روشنی ایسی تیز ہوگی کہ عرب سے شام تک پہنچے گی، حجاز مکہ اور مدینہ کا ملک اور بصرہ ایک شہر کا نام ہے)

(صحیح مسلم)

☆☆☆

انشائے نامہ

پھر دیکھ کچھ بھلائیں

ابن انشاء

کراچی والے کیا کھاتے ہیں، کیا پیتے ہیں، جب تک اس پر پردہ پڑا رہا، اچھا تھا لیکن اب جو پردہ اٹھنے لگا ہے تو نہ کچھ کھانے کو جی چاہتا ہے، نہ پینے کو جی چاہتا ہے، ہمارے دوست داؤد سجانی مشہور قد آور صحافی ہیں، کان پر قلم اور کندھے پر کیمرہ رکھ کر بیرونی بستیوں میں نکل جاتے ہیں، جہاں شہر بھر کے لئے دودھ تیار ہوتا ہے اور گوشت تیار ہوتا ہے، مذبح، بھینسوں کے باڑے شہر کے مضافات میں واقع ہیں، پرسوں انہوں نے سراغ لگایا، یہ ہم ٹی وی کے رونامہ پروگرام کے باتصویر حوالے سے لکھ رہے ہیں کہ جو بھینسیں بیمار اور قریب المرگ ہو جاتی ہیں، ان کا کیا کیا جاتا ہے، ان کی ویسے ہی تجہیز و تکفین کر دی جائے یا کوڑں کے لئے کہا۔

''ہاں صاحب! یہ بیمار بھینسوں کا گوشت ہے، شہر میں چھوڑ دیا جائے تو وہ بڑا قومی نقصان ہوگا، ان کو ذبح کر کے ان کا گوشت شہریوں کو سپلائی کر دیا جاتا ہے، داؤد سجانی نے پہلے تو میٹ انسپکٹر یا ہیلتھ آفیسر کو پکڑا اور ان کا انٹرویو لیا۔''

انہوں نے کہا۔

''صاحب بھلا ایسا کبھی ہو سکتا ہے؟''

''ہم بڑے چوکس لوگ ہیں، مہریں لئے پھرتے رہتے ہیں، کوئی شخص بیمار بھینس کو ذبح کر کے گوشت شہر نہیں بھیج سکتا۔''

داؤد سجانی نے اس کے فوراً بعد ایک ٹرک پکڑا اور اس کے ساتھ قصائی کو کھڑا کر کے انٹرویو لیا۔

''اسے کون کھاتا ہے؟'' بولے۔

''ہم تو دکانداروں کے ہاتھ اور ہوٹل والوں کے ہاتھ بیچتے ہیں، ہاتھوں ہاتھ بکتا ہے۔''

''کس بھاؤ؟'' انہوں نے فرمایا۔

''ہم دو، پونے دو روپے سیر دیتے ہیں، دکاندار آگے تین ساڑھے تین روپے سیر میں شہریوں کو کھلاتا ہے۔'' پوچھا۔

''اس سے لوگ بیمار نہیں ہوتے؟'' فرمایا۔

''ضرور ہوتے ہوں گے لیکن ڈاکٹر کس

مرض کی دوا ہیں؟"

یہی دودھ کے معاملے میں ہوا، پہلے ہیلتھ آفیسر سے انٹرویو لیا، انہوں نے فرمایا کہ ہمارے پاس بارہ کل وقتی اور اٹھائیس جز وقتی انسپکٹر ہیں، وہ برابر گشت کرتے رہتے ہیں اور دودھ والوں کو چیک کرتے رہتے ہیں، کیا مجال کہ کوئی خراب دودھ بیچ جائے، اب داؤد سبحانی نے دودھ بیچنے والے کو پکڑا، اس نے اس کی تصدیق کی کہا ہاں فرض شناس انسپکٹر گھومتے تو رہتے ہیں، بلکہ ہر دودھ فروش کو اپنے ایک پھیرے میں محلہ در محلہ دو سے تین بار مڈ بھیڑ ضرور ہوتی ہے، لیکن...... لیکن ان سب کے وظیفے ہم نے باندھ رکھے ہیں، زیادہ تر کو تو فی دودھ فروش دس روپے ماہانہ ملتا ہے، کوئی زیادہ سخت اور بد مزاج ہو تو پندرہ روپے مہینہ، دودھ بیچنے والے خوردہ فروش شہر میں کوئی پچیس ہزار ہیں، باقی حساب آپ لگا لیجئے۔

اب سوال آیا دودھ میں پانی کی ملاوٹ کا بلکہ وہ چیز تو ثابت ہے، اس کی مقدار، دودھ والا سچی بولنے پر تلا ہوا تھا، اس نے کہا۔

"جب بھینسوں سے دودھ خریدتے ہیں بیچ والے ٹھیکیدار جنہوں نے انجمن رفاہ عام بھینس کالونی کے نام سے ایک انجمن بھی بنا رکھی ہے، وہ سیر میں کم از کم پاؤ بھر دودھ ملاتے ہیں اور ان سے ہم خوردہ فروش کو پچانویں روپے من ملتا ہے، یعنی سوا دو اور اڑھائی روپے فی سیر کے درمیان، اب ہمیں آگے گاہکوں کے ہاتھ دو روپے سیر بیچنا ہوتا ہے، آپ خود ہی حساب لگائیے کہ اپنا گزارہ بھی اس میں سے نکالنا ہے، بس باقی پانی ہم ڈالتے ہیں۔"

داؤد سبحانی نے پوچھا۔

"آپ لوگ کتنا پانی ڈالتے ہیں؟"

دودھ والے نے کہا۔

شیر فروش نے اس بات کی سختی سے تردید کی کہ دودھ میں سارا پانی ہوتا ہے، اس نے کہا۔

"صاحب! کچھ نہ کچھ تو دودھ ہوتا ہی ہے، ورنہ رنگت سفید کیسے ہو؟"

اس انٹرویو کے بعد پھر ہیلتھ آفیسر صاحب سے رجوع کیا گیا، جناب آپ نے سن لیا، کہتی ہے تم کو خلق خدا غائبانہ کیا، اس پر وہ بات کو اکنامکس کی تھیوری میں لے گئے کہ جناب ضرورت زیادہ ہے، رسد کم ہے، علاج صرف ایک ہے کہ لوگ دودھ پینا بند کر دیں، ویسے ہی پروٹین وغیرہ کھا لیا کریں تاکہ بچوں کو دودھ ملا کرے، جب دودھ کی طلب کم ہوگی تو خالص ملے گا، جواب تو ٹھیک ہے لیکن وہ جو 38 انسپکٹر دودھ چیک کرتے اور وظیفے وصول کرتے پھر رہے ہیں، ان کا کیا ہوگا اور وہ فی الحال کس مرض کی دوا ہیں، اس کا جواب ہیلتھ آفیسر نہ دے سکے۔

یہ احوال کراچی کا، کراچی والے تو دودھ کے بغیر جی لیں گے، آخر دودھ پیتے بچے تھوڑا ہی ہیں، لاہور میں کیا ہوتا ہے، کم و بیش یہی ہوتا ہو گا، لاہور والے تو دودھ پیتے ہیں، لسی پیتے ہیں، کشمیری چائے میں دودھ ڈالتے ہیں اور بالائی بھی ڈالتے ہیں، ہاں کچھ بات بالائی کی بھی ہوتی کہ یہ سارے بھاؤ اور ملاوٹیں اپنی جگہ درمیان میں بلکہ شروع ہی میں دودھ کی کریم نکال کر الگ بیچ لی جاتی ہے، معلوم ہوا خود بھینس کالونی والوں نے اور ان کے رفاہ عام سوسائٹی نے بصرف زر کثیر بھینسوں کے باڑے ہی میں کریم نکالنے کی مشین لگا رکھی ہے، سچ تو یہ ہے کہ دودھ کی تخصیص نہیں، ہر معاملے میں یہی ہوتا ہے، ہر بات کی کریم شروع ہی میں نکال لی جاتی ہے، شہریوں تک پھوگ پہنچتا ہے۔

☆☆☆

عدنان صدیقی سے ملاقات

◇◇◇ کاشف گوریجہ ◇◇◇

شوبز کی دنیا میں ایسے بے شمار نوجوان فنکار آئے جنہوں نے اپنی صلاحیتوں سے اپنے ناظرین سے پزیرائی حاصل کی انہی نوجوان فنکاروں میں ایک نام عدنان صدیقی کا ہے۔ جنہوں نے ماڈلنگ کے شعبے سے اپنے کیریر کا آغاز کیا بعد ازاں انور مقصود کے لانگ پلے میں ایکٹنگ کر کے خوب داد پائی پھر فاطمہ ثریا بجیا کے ڈرامہ سیریل "عروسہ" میں مرکزی کردار ادا کر کے شہرت پائی۔ اس کے بعد پے در پے لاتعداد کمرشلز اور ڈرامہ میں اپنے فن کے جوہر دکھائے ان کا حالیہ ڈرامہ سیریل "جل پری" جو کہ جیو ٹی وی پر کافی شہرت کا حامل ہے۔ جس میں اُنہوں نے نہایت سنجیدہ پروفیسر رول کا ادا کیا۔ اور اس رول کے ساتھ مکمل انصاف کیا۔ شوبز کے علاوہ وہ کراچی کے ایک نہائت ہی پوش علاقہ میں ایک ہیر سیلون بھی چلا رہے ہیں۔ قارئین حنا کی دلچسپی کے لیے اُن سے ایک ملاقات حاضر خدمت ہے۔

◆ نام؟

☆ عدنان صدیقی۔

◆ تاریخ پیدائش؟

☆ 23 اکتوبر۔

◆ آپ کا سٹار؟

☆ میزان۔

◆ پسندیدہ رنگ؟
☆ نیلا رنگ پسند ہے۔
◆ آپ کا پسندیدہ اداکار؟
☆ بہت ہیں، ہمایوں سعید، یاسر نواز، ثانیہ سعید قابل ذکر ہیں۔
◆ بہن بھائی کتنے ہیں؟
☆ آٹھ بہن بھائی ہیں۔
◆ بہنیں کتنی اور بھائی کتنے؟
☆ تین بھائی اور پانچ بہنیں۔
◆ بہن بھائیوں میں آپ کا نمبر؟
☆ مجھ سے چھوٹی دو بہنیں ہیں اور بہن بھائیوں میں میرا نمبر چھٹا ہے۔
◆ بہن بھائیوں میں کبھی لڑائیاں ہوئیں؟
☆ بچپن میں بہت ہوتی تھیں خصوصاً چھوٹی بہنوں سے نوک جھوک چلتی ہی رہتی تھی۔
◆ کن معاملات میں لڑائیاں ہوتی تھیں؟
☆ ہر معاملے میں ہمارا مقابلہ ہوتا تھا، پڑھائی میں بھی کھیلوں میں لیکن اب صورت حال برعکس ہیں۔
◆ آپ کا بچپن کیسا گزرا؟
☆ شرارتوں سے بھرپور۔
◆ بچپن کے زمانے میں کوئی شخصیت جس سے متاثر ہوں؟
☆ میں شروع سے ہی اپنے ابا کو آئیڈیل سمجھتا ہوں۔ جس طرح وہ سیلف میڈ تھے اسی طرح ان کے اصولوں کو اپناتے ہوئے زندگی گزارنے کی کوشش کرتا ہوں۔
☆ ہاں اکثر شوٹنگ کے سلسلے میں یا سیر و تفریح کے سلسلے میں ملک سے باہر جانے کا اتفاق ہوا۔
◆ کبھی جھوٹ بولا؟
☆ شادی سے پہلے لڑکیوں سے بولتا تھا، اب بیوی سے بولتا ہوں۔
◆ کیا کبھی کوئی جھوٹ پکڑا گیا؟
☆ اکثر جھوٹ پکڑے جاتے ہیں آج تک مہارت نہیں ہوئی۔
◆ آپ کی ازدواجی زندگی کیسی گزر رہی ہے؟
☆ بہت اچھی۔
◆ آپ کی بیوی آپ کا خیال رکھتی ہیں؟
☆ میری بیوی میرا بہت خیال رکھتی ہے اور مجھ سے اُمید رکھتی ہے کے میں بھی اُس کا خیال رکھوں۔
◆ اپنی شاپنگ خود کرتے ہیں یا بیگم سے مشورہ کرتے ہیں؟
☆ مجھے جو کپڑے اچھے لگتے ہیں خرید لیتا ہوں مشورہ کرنے میں دیر ہو جاتی ہے۔
◆ کھانے میں کیسے کھانے پسند ہیں؟
☆ ہر طرح کے کھانے کھا لیتا ہوں، ہاں بینگن، کدو، ٹینڈے، وغیرہ سامنے ہوں تو بھوک مرجاتی ہے۔ مجھے ان سبزیوں کے نام ہی عجیب لگتے ہیں۔
◆ کوئی شرارت بچپن کی جو ابھی تک یاد ہو؟

◆ کتابوں میں دلچسپی رکھتے ہیں؟
☆ جی ہاں کتابوں میں خصوصی دلچسپی ہے اچھی کتابیں بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔
◆ کھیلوں میں دلچسپی رہی؟
☆ زمانہ طالب علمی میں تقریباً ہر کھیل میں دلچسپی تھی جیسے کہ کرکٹ، باسکٹ بال، ٹیبل ٹینس، وغیرہ۔
◆ کبھی سیاست سے دلچسپی رہی؟
☆ نہیں مجھے سیاست سے کبھی بھی دلچسپی نہیں رہی۔
◆ آپ کو موسیقی کا شوق بھی ہے؟
☆ اچھی موسیقی سننا اور گانا اچھا لگتا ہے۔
◆ سُنا ہے آپ میوزک آلات کو بخوبی استعمال کرنا جانتے ہیں؟
☆ مجھ میں میوزک انسٹرومنٹ بجانے کی قدرتی صلاحیت ہے۔ میں بانسری، ہارمونیم، کی بورڈ وغیرہ بجا لیتا ہوں۔
◆ ڈرامہ سیریل "عشق آتش" میں بانسری بھی آپ نے بجائی؟
☆ جی ہاں کافی حصوں میں بجائی مگر جہاں ماہر کی ضرورت محسوس ہوئی وہاں سلامت علی صاحب نے بجائی۔
◆ بانسری بجاتے ہوئے کیا محسوس کرتے ہیں؟
☆ خود کو بیگ پائیپر محسوس کرتا ہوں۔
◆ کبھی والدین سے فرمائش کی؟
جی ہاں بچپن میں سائیکل چلانے کا شوق تھا، محلے کے ہر بچے کے پاس سائیکل تھی سو ابا سے فرمائش کردی کہ سائیکل چاہیے۔
◆ کیا آپ کی فرمائش پوری ہوئی؟
☆ جی ہاں اُنہوں نے میری یہ فرمائش پوری کی۔
◆ آپ کی تربیت میں ابا کا ذیادہ کردار رہا یا والدہ کا؟
☆ میں جب سولہ برس کا تھا تو اماں انتقال کرگئی تھیں، اُس وقت اماں کے جانے کا احساس نہیں ہوا، مگر وقت کے ساتھ ساتھ والدہ کی کمی کا احساس ہوا کہ اُن کی زندگی میں زندگی کتنی منظم تھی، تربیت میں اماں کا کردار زیادہ ہے۔
◆ شوبز کی طرف کیسے آنا ہوا؟
☆ سب سے پہلے انور مقصود کا لانگ پلے کیا، میں تو ماڈلنگ میں ہی خوش تھا مگر اُن کے اصرار پر ایکٹنگ میں آیا اس کے بعد فاطمہ ثریا بجیا کے ڈراموں میں کام کیا۔
◆ کیا کبھی پرستاروں سے تنگ آئے؟
☆ (ہنستے ہوئے) میں تو کبھی تنگ نہیں آیا ہاں مگر گھر والے شروع میں تنگ آگئے تھے جب ہر دس منٹ بعد فون بجتا اور لوگ میرا پوچھتے تو ابا تنگ آکر کہتے کہ تم صدر پاکستان بن گئے ہو آخر لوگوں کو تمہارا نمبر کہاں سے ملتا ہے۔ بعد میں وہ بھی عادی ہو گئے۔
◆ آپ کے گھر والوں نے شوبز اختیار کرنے پر کبھی مخالفت کی؟
☆ کبھی نہیں۔

☆ بچپن میں کافی شرارتی تھا ایک دن اپنے کزن کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا تھا میرا ایک کزن چور بنا ہوا تھا اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی، میں چپکے سے پیچھے جا کر اُسے دھکا دیا۔ جس کی وجہ سے اُس کا سر پھٹ گیا۔

◈ کوئی ایسا واقعہ جس سے شرمندگی ہوئی ہو؟

☆ ایک بار میں اور طلعت حسین باپ بیٹے کی لڑائی کا سین کر رہے تھے دوران شوٹنگ میں اپنا موبائل بند کرنا بھول گیا، میرے موبائل پر فون آیا میں نے اپنا سین جاری رکھتے ہوئے کال اٹینڈ کی اور نہایت غصے میں کہا کہ آپ کو کتنی بار سمجھایا ہے کہ اس وقت فون نہ کیا کریں، یہ کہہ کر اپنا فون بند کر دیا۔ جب گھر پہنچا تو ابا نے کافی برہمی کا اظہار کیا کہ بڑوں کے ساتھ بات کرنے کی تمیز نہیں ہے، تب پتہ چلا کہ وہ ابا تھے، اس بات سے آج تک شرمندگی ہوتی ہے۔

◈ خوشی اور غمی زندگی کا حصہ ہیں، جب کبھی افسردہ ہوں تو کیا کرتے ہیں؟

☆ اکثر تنہائی میں دل اُداس ہو جاتا ہے، ان حالات میں جو لوگ ہم میں نہیں وہ یاد آتے ہیں، کبھی کبھی بانسری بجاتا ہوں یا بچوں سے کھیلتا ہوں۔

◈ کبھی دل بھر کر رونا آیا؟

☆ بچپن میں جب کلاس ون میں تھا تو فیل ہو گیا تھا، تب بہت رویا تھا، پھر کلاس تھری میں بھی فیل ہو کر بہت رویا، اور دعا کی کہ یا اللہ اب نہ فیل کرنا۔

◈ ہر انسان کی زندگی کا کوئی مقصد ہوتا ہے۔ آپ کی زندگی کا مقصد؟

☆ میری زندگی کا مقصد اتنا ہے کہ میں دنیا میں کچھ ایسا کر جاؤں کہ میرے مرنے کے بعد لوگ مجھے اچھے لفظوں میں یاد کریں۔

دستِ مسیحا

فوزیہ غزل

سترویں قسط کا خلاصہ

گاڑی اور موسم خراب ہونے پر شہریار، سنعیہ کو ریسٹ ہاؤس لے جاتا ہے وہاں عفنان علی خان سے رابطہ کرنے پر سنعیہ پر اس کی دھوکہ دہی کھلتی ہے تو ابتر ذہنی کیفیت غصے و ناراضگی میں وہ ریسٹ ہاؤس سے چلی جاتی ہے۔

اریبہ اور جویریہ شہباز کی سگریٹ نوشی کا جان کر متفکر ہوتی ہیں، جبکہ والدہ کی ہیجانی کیفیت بھی بدستور ہے جس پہ ڈاکٹر انہیں علاج میں جلد بازی نہ کرنے کے ساتھ نرمی، توجہ اور محبت سے والدہ کو سمجھنے کا درس دیتی ہے۔

کیتھرین تشکیل عادات کے تحت ماریا پہ زندگی کا مثبت پہلو اجاگر کرتی جینے کا مقصد روشن کرتی ہے اس کی شخصی کمزوریاں سامنے لاتی ہے، اریبہ یونیورسٹی سے واپسی پہ وہاج کے گھر جاتی ہے تو خالہ اور کزنز کی گفتگو میں ان کے گھر پہ تنقید، بے زاری اور لاتعلقی کا رویہ دکھ دیتا ہے۔

خالہ کے گھر کا رویہ اریبہ کو پریشانی و بے بسی دیتا ہے تو وہاج کی ترجیحات میں اپنے وجود کے کھونے کا ڈراسے اور خوفزدہ کرتا ہے۔

سنعیہ کی تلاش میں پریشان شہریار جب مایوسی کی انتہا پر ہوتا ہے، تو وہ مل جاتی ہے، شہریار کو سامنے پاکر اس کے ضبط کی ساری طنابیں ٹوٹ جاتی ہیں، شہریار غصے کے باوجود اس کی کیفیت کے پیش نظر بنا کچھ کہے واپس ریسٹ ہاؤس لے آتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

اٹھارویں قسط

اس کے ہاتھ میں گھر کے کچن کا کچھ ضروری سودا سلف تھا، سیاہ چادر اپنے گرد اچھی طرح لپیٹے وہ سامان والا بھاری شاپنگ بیگ پکڑے گلی کی نکڑ مڑنے لگی تھی جب اس کے کانوں میں تیز آواز پڑی تھی۔

''اوئے بے ایمانی کرتا ہے شاہ میں نے پھینکا تھا تیرے پاس کدھر سے آگیا۔'' جانی پہچانی آواز، بولنے کا انداز نا مانوس وہ بے ساختہ ہی دوپٹہ ذرا سامنہ کے آگے کر کے دو قدم پیچھے مڑی اور پلٹ کر نگاہیں دوڑائیں، گلی کے وسط میں بنے تھڑے پہ تاش کے پتے ہاتھ میں لئے بیٹھا وہ بلاشبہ شہباز ہی تھا جس نے سامنے والے صدیق مینجر کے لڑکے کا گریبان پکڑ رکھا تھا اور ارد گرد بیٹھے کئی اور آوارہ منش انہیں گتھم گتھا ہونے سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اریبہ کی نگاہیں جیسے اس منظر پہ جم سی گئی تھیں اسے کچھ دیر تو بالکل سکتہ سا ہو گیا تھا، پھر اس نے شاپنگ بیگ زمین پر رکھا اور یکدم آگے بڑھ کر شہباز کو بازو سے تھامتے ہوئے اپنی طرف کھینچا پھر لگا تار دو تین تھپڑ کھینچ کر اس کے چہرے پر مارے اور اسی طرح اسے بازو سے کھینچتی ہوئی گھر لے آئی داخلی دروازہ کھول کر اسے اندر دھکا دیتے ہوئے وہ آگے آئی تو پاؤں سے جوتی اتار لی جویریہ اور ربیعہ نے بہت حیرت اور اچنبھے سے اس صورتحال کو دیکھا تھا پھر اس سے بھی زیادہ حیرت اور اچنبھے کی بات ہوئی شہباز نے اچانک اریبہ کو مارنے کو اٹھایا ہوا بازو روک لیا تھا اور اسے پرے دھکیلا تھا، اریبہ اس جھٹکے کے لئے تیار نہ تھی، سو لڑھکتی ہوئی گری جویریہ نے اسے اٹھایا۔

''شہباز بی ہیو یور سیلف، آپی کتنی بڑی ہیں تم سے اور تم ان سے ہاتھا پائی کر رہے ہو۔'' وہ اب شہباز کو گھورتے ہوئے بولی۔

''بڑی ہیں تو ان سے کہو بڑی بن کر رہیں خوامخواہ تھانیدارنی بننے کی کوشش نہ کریں۔'' عجیب بدتمیز لہجہ تھا اور بدتمیز الفاظ جو اریبہ کو مزید طیش دلا گئے۔

''میں تمہیں جان سے مار دوں گی تم کیا سمجھتے ہو تم جو مرضی کرو آوارہ بنو، تمہیں کوئی روکے ٹوکے نہ، بے شک ابو مر گئے مگر میں ابھی زندہ ہوں تم لوگوں کے سر پہ تمہیں اپنی من مانی کرنے نہیں دوں گی۔'' وہ بپھرے ہوئے بولی۔

''اچھا جو تم من مانی کرتی ہو، آوارگیاں کرتی ہو وہاج کے ساتھ وہ سمجھتی ہو کسی کو نہیں معلوم، میں تو تاش کھیلتا یا سگریٹ پیتا ہوں، پڑھائی کے بہانے تم تو گھر والوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتی ہو۔'' اس نے انتہا کر دی بدتمیزی کی۔

''شہباز میں تمہارا سر پھاڑ دوں گی، دفع ہو جاؤ ادھر سے۔'' جویریہ بے ساختہ چیخی تھی۔

''جا رہا ہوں مگر سمجھا لینا اپنی تھانیدار بہن کو آئندہ بیچ گلی میں میرے سے پنگا لینے کی کوشش کی تو بنا لحاظ کیے چٹیا گھما دوں گا۔'' وہ تلخ لہجہ میں بولا۔

''شہباز اللہ سمجھے تمہیں، جاؤ مر جاؤ کہیں۔'' ربیعہ نے بھی گھر کا تو وہ ہاتھ کی انگلیوں سے بال سنوارتا گھر سے نکل گیا۔

اور اریبہ اس نے پلکیں تک نہیں جھپکائی تھیں، احساس توہین سے گویا قوت گویائی سلب ہو گئی

تھی، اس کے سپاٹ چہرے پر کسی بھی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔

یہ ماں جایا جس کی تعلیم، مستقبل اچھی تربیت کی فکر میں وہ اپنی تعلیم کو پس پشت ڈالے ملازمت کی خواہش میں ماری ماری پھرتی تھی، اس کی تشویش میں وہ راتوں کو سو نہیں پائی تھی، وہ تینوں بہنیں بھلے بھوکی رہتیں مگر ہر اچھا کھانا اسے دیتیں اس کی زندگی صحت سلامتی کے لئے دعا گو رہتیں اور وہ اسے کتنی بڑی گالی دے گیا تھا کہ تن من ایسا سلگا صرف سلگتا انگارہ بن گیا اور روح تپتے صحراؤں میں جلنے لگی اس نے اریبہ کو اپنی سگی بہن کو ایسی بدمزاجی و بدتمیزی جو اسے سن کر گئی۔

''بہت بدتمیز اور منہ پھاڑ ہو گیا ہے، یقین نہیں آتا یہ ایسی زبان و الفاظ بھی استعمال کر سکتا ہے۔'' جویریہ بے یقینی و دکھ سے بولی تو اریبہ نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔

''ہم اس کے لئے کتنی فکر مند رہتی ہیں اچھا کھانا، اچھے کپڑے، اچھی تعلیم ہر ممکن سہولت چاہتی ہیں اس کی خاطر اور یہ بہنوں کے ساتھ یوں بدزبان ہونے لگا ہے۔'' ربیعہ نے کہا، اریبہ کے سنجیدہ چہرے پر اب بھی کوئی تاثر نہ تھا وہ پتھر بنی سب کچھ سن رہی تھی۔

''وہاج بھائی کتنا کہتے تھے اسے قابو میں رکھو ورنہ نقصان اٹھائے گا یہ سب ہماری اپنی ڈھیل کا نتیجہ ہے جو یہ بگڑنے کے ساتھ اٹھ کر منہ کو آنے لگا ہے۔'' جویریہ نے کہا۔

''کیا ضرورت تھی آپ کو اس کمینے کے منہ لگنے کی گھر سے باہر، جب گھر آتا تو کھال ادھیڑ تیں۔'' ربیعہ دکھ سے اور کچھ غصہ سے بولی تو اس کے چہرے پر شدید کرب کے آثار نمودار ہو گئے پورا وجود پھوڑے کی مانند دکھنے لگا تھا۔

''ہاں کیا ضرورت تھی بھلا، دماغ خراب ہو گیا تھا ناں میرا اور دماغ کھسک جائے تو اچھا برا کب سوجھتا ہے میں بھی بھول چکی تھی کہ میرا اس پر کوئی زور نہیں وہ ماں جس کی ہم اولاد ہیں وہ پاگل ہو چکی ہے والد مر چکا ہے تو رشتے ناطے بھی مر گئے بس بدلحاظی و بدتمیزی رہ گئی اور میں ساری امیدیں ساری خواہشیں اس بے مہر سے وابستہ کیے ہوئے تھی اس گھر کی سلامتی و خوشی کا سوچتی تو یہ میرا مان بڑھانے لگتا تھا، یہ جو گھر کی عزت و حرمت بیچ بازار تھڑوں پر تاش کے پتوں اور افیون و چرس کے نشے میں بھری سگریٹوں پہ رولتا ہے، میں نے یہ کیوں نہ سمجھا کہ بدمعاش بھی کبھی عزتوں کے امین ہوئے ہیں یہ ہماری عزت کیسے کروا سکتا ہے جو خود عزت کو پھندنے لگا رہا ہے۔'' دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپے وہ بے اختیار رونے لگی تھی، ربیعہ اور جویریہ بے بسی سے ایک دوسری کو دیکھ کر رہ گئیں۔

''سچ ہی تو کہہ رہی وہ کب محفوظ تھیں ان کی عزتیں جن کا ساتھ کا پلا بھائی اٹھ کر بہنوں کی پاکیزگی سے آگاہ ہونے کے باوجود ان کے کردار پہ انگلی اٹھا دے ان کی زمانے کے لئے کیا حیثیت و ناموس تھی۔''

''میں نے کتنے خواب دیکھ ڈالے تھے، اس کے روشن مستقبل کے کتنی امیدیں وابستہ کر لی تھیں اور آج اس کے جملے کی نوعیت نے مجھے احساس دلایا کہ میں کیا حیثیت رکھتی ہوں اس کے نزدیک......'' آنسو اس کی آواز پہ غالب آ گئے تو اسے چپ ہونا پڑا۔

''گھر سے باہر قدم نکالتے ہوئے مجھے ہمیشہ ڈر رہتا تھا زمانے کی نظروں کا، لوگوں کے لہجوں

سے خائف ہوا کرتی تھی میں کہیں کوئی غلط مطلب نہ نکال لے میرے تلاش معاش یا حصول علم کے لئے اٹھے قدموں کو کوئی منفی لہجہ داغدار نہ کر دے مجھے کیا معلوم تھا میرے کردار و عفت پہ پہلا پتھر میرا اپنا بھائی اٹھا کر مارے گا۔'' اک نشتر سا اترا تھا رگ و پے میں احساس توہین سے لبریز وہ لہجہ یاد کرتے ہوئے اور دل رو دیا تھا اس بے وقعتی اور بے قدری پر آنکھیں بھر بھر آ رہی تھیں۔

''آپی پلیز کیوں خود کو ہلکان کرتی ہیں دماغ پھر گیا ہے اس وحشی کا پاگل ہو گیا ہے وہ تو، ہوش میں ہوتا تو اتنی بڑی بات کہتا۔'' جویریہ نے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے دل دہی کرنے کی کوشش کی۔

''یہ پاگل پن اور بے ہوشی مجھے کیوں نہیں نصیب ہوئی، میں کیوں پے در پے صدمات سہنے کے لئے حواس سلامت لئے پھرتی ہوں۔'' وہ رو دی۔

''یہ زندگی ہے اور اس میں بارہا ایسا ہوتا ہے کہ یہاں بہت سی قربانیاں دیتے ہوئے ہم بھلائی کے امیدوار ہوتے ہیں، وہاں برائی ملتی ہے روشنیاں اندھیروں میں تبدیل ہو جاتی ہیں مگر احساس و شعور کو ضبط کی پناہوں میں رکھنا ہی دانشمندی ہے وگرنہ سکھ کے موسم زندگی سے ایسے منہ موڑ لیتے ہیں جیسے سمندر کی لہریں ساحل تک آ کر مڑ جاتی ہیں۔'' جویریہ نے کہا تو وہ کچھ دیر اسے خاموشی سے دیکھتی رہی پھر ٹوٹے بکھرے لہجہ میں بولی۔

''پہلے کون سا خوشیوں کے ہنڈولے میں کھیل رہے ہیں سکھ تو بہت عرصہ ہوا ہم سے روٹھ چکے اب تو بس دکھ کی گنتی ہے جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔'' جویریہ اک آہ سی بھر کر اسے دیکھ کر رہ گئی۔

اترا تھا لمحہ بھر کو کوئی دکھ شعور میں
بول پائے نہ روئے پر اعصاب تھک گئے

☆☆☆

ہر انسان کی زندگی میں ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے جب وہ خود کو تلاشنے نکلتا ہے اور خود آگہی کی پرتیں پلٹتے ہوئے اخلاقی اقدار کی درجہ بندی انسان کی اپنی فطرت کرتی ہے اور وہ صرف اپنی فطرت کے ہاتھوں ہی مجبور ہوتا ہے، اچھائی اور برائی دونوں کے لئے سامنے والے کا رویہ جو بھی ہو جھیلنے والے کی اپنی حدود ہوتی ہیں، بات ساری شعور کی ہے احساس معمولی ہو یا بڑا اہم تو تب ہے کہ جب دل کو چھو جائے، کیتھرین ڈیور ماہر نفسیات تھی وہ جانتی تھی کہ روح میں ایسے اسرار پوشیدہ ہیں جنہیں کوئی مفروضہ کوئی قیاس آشکار نہیں کر سکتا، پھر بھی اس نے بڑی تندہی اور خلوص سے کوشش کی تھی کہ زندگی کی مقصدیت، منزل کا حصول اور اندرونی حساسیت کی گرہیں کھول کر زندگی سے ناراض اس لڑکی کو بھرپور انداز میں جینا سکھا دے، خوش و خرم اور نارمل زندگی جس میں اپنی زندگی اپنے مقاصد کو دلچسپی و توجہ سے سنبھالے اور اس میں توقع اور امید کے ساتھ اس کی ذہنی و جسمانی تسکین بڑی اہمیت رکھتی تھی، اگر انسان کسی بھی فیصلے پہ جانے سے پہلے اپنے آپ کو پرکھ لے تو آدھا کام آسان ہو جاتا ہے اور ناکامی یا غلطی کے چانس کم ہو جاتے ہیں۔

ماریا جوزف بھی اپنے آپ کو پرکھ رہی تھی اپنے مقصد اپنی زندگی کے لئے اپنی الجھنوں کو جانچ

رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔

''کیا واقعی یہ سچ ہے کہ میرے پیدا ہونے زندہ رکھے جانے کے پیچھے قدرت کا ہاتھ ہے کوئی طاقت کوئی قوت میرے ساتھ ہے جو مجھے کسی بڑے مقصد تک لے جانے میں معاون ہو رہی ہے اور احساس کمتری کے باعث میرے اپنے خیالات میری زندگی کو تاریک کر رہے ہیں، اپنے سے برتر لوگوں کے ساتھ بہت جارحانہ رویہ اور اپنے سے کم تر کو حقیر و معمولی سمجھنا میری ذہنی صحت کے لئے تباہ کن ثابت ہوا ہے اور اسی رویہ کے باعث میں اپنے مقصد میں ثابت قدم نہیں رہ سکی۔'' وہ آہستگی سے سیدھی ہوئی اور اپنی پشت پہ تکیہ رکھتے ہوئے بیٹھ گئی اور بلیک ٹی کا کپ اٹھا کر گھونٹ بھرا۔

''کیتھرین نے کہا تھا کہ اپنے سے وابستہ لوگوں کے ساتھ میرا رویہ غلط اور منفی تھا اور اپنے کمپلیکس کو میں نے مشکلات و مصائب سے فرار کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔''

''یہ سچ ہے مگر کیسے سب نے تو مجھے تنہا کیا، دکھ دیے اور......'' وہ اٹک سی گئی اپنے آپ سے جھوٹ بولنا یقیناً آسان نہ تھا وہ سب کو جھٹلا سکتی تھی مگر خود کو لمبے عرصے تک خود ترسی میں مبتلا رکھنا یا دھوکہ دینا قدرے مشکل تھا کہ ضمیر کا کوڑا سخت تھا۔

''اگر میرے والدین نے مجھے چھوڑ دیا مجھ سے لاتعلقی کا اظہار کیا تو میں نے کون سا ان کی اولاد ہونے کا حق ادا کیا، کون سی خوشی دی بلکہ میری ذات سے انہیں دھچکے ہی لگے اور سب سے بڑا صدمہ شاید میرا عیسائیت سے انکار تھا، یہ بھی شدید ہونے کے باوجود انہیں برداشت تھا چرچ سے رکنیت ختم کرانا تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا میں نے دونوں سے بدزبانی اور سخت کلامی کی تھی اگر میں نرم سبھاؤ اور حتی الامکان سہولت سے بات کرتی دھیمے الفاظ میں اپنا موقف ان تک پہنچاتی تو شاید نوبت ان کی سیپریشن تک نہ پہنچتی میری جارحانہ اقدام نے ہی ان کے رویے میں تلخی پیدا کر دی تھی جو طلاق پہ ختم ہوئی، پھر میرے کلاس فیلوز میرے اچھے دنوں کے فرینڈز جن میں مائیکل، مارتھا نے تو میرے تلاش حق کے مقصد میں ساتھ بھی دیا، جمی، للی اور ڈولی ناراضگی کے باوجود مجھے پرخلوص ہو کر ملتے رہے ان میں سے کسی نے بھی مجھے تنہا نہیں چھوڑا تھا میں نے ہی سب سے تعلق ختم کر دیا تھا۔''

''کتنے اچھے تھے سب میرے روڈ، بدلحاظ رویے کے باوجود ہر چیز بھلا کر ٹوٹ کر ملنے والے پھر مائیکل اسے محبت ہو گئی تھی مجھ سے، میرے ساتھ زندگی گزارنے کا خواہاں تھا وہ میں نے اس کے آرزو بھرے سپنوں پہ انکار اور خاموشی کی مہر ثبت کر دی تھی، میرے اس رویے کو کس طرح لیا ہو گا اس نے، رنج تکلیف، دکھ کچھ تو محسوس کیا ہو گا؟'' اس کے دل میں کھسک سی اٹھی تھی، مائیکل اسے بے طرح یاد آیا۔

''اور اس کا سبب میں تھی، میری ذات، جس نے محبت سے بڑھا ہوا ہاتھ جھٹک دیا محبت تو بڑی احتیاط سے سنبھالنے والی شے ہے میں نے اس سے منہ موڑ لیا کیوں؟ زندگی میں سب سے ضروری چیز شاید محبت ہی ہے اور ہم صرف اسی کو چھوڑ دیتے ہیں۔'' اس کی آنکھوں میں اضطرابی کیفیت ہلکورے لینے لگی تھی کچھ دیر بالکل خاموش یونہی خلا میں دیکھتے رہنے کے بعد اس کی نگاہوں

میں ایک اور چہرہ ابھرنے لگا لیڈی ایلون اسے بچپن سے لے کر نوجوانی کی عمر تک پالنے پوسنے والی، اس کی زندگی، اس کے آئیڈز، اس کی صحت کے لئے ہر پل فکر منداور دعا گو رہنے والی واحد ہمدرد جس نے نرمی وشفقت سے پروان چڑھایا تھا اسے اور وہ اس سے تلخ کلامی، بدتمیزی کی انتہا کردی، لیڈی ایلون جو انتہائی برے دنوں میں بھی اس کے ساتھ تھی، جب سب سے وہ کٹ چکی تھی تعلیم، مذہب، رشتے اور تعلقات ہر چیز کو خیر باد کہہ دیا تھا مگر ایسے کڑے وقت میں جبکہ اس کی ذہنی و جسمانی حالت بھی انتہائی مخدوش تھی، لیڈی ایلون نے تب بھی اسے سنبھالا اسے تنہا نہیں چھوڑا یہاں تک کہ اس نے خود اسے اپنی زندگی سے نکل جانے کا کہہ دیا، اس کا دل لمحہ بھر کو رکا تھا وہ وقت یاد کرکے۔

''کتنی دکھی تھی وہ، کیسا تحیر، بے یقینی دکھ اور رنج تھا اس کے چہرے پہ کتنی درد سے بھری آواز تھی، کتنا برا کیا تھا میں نے اس کے ساتھ۔''

''اس وقت اس لمحے مجھے یقیناً بد دعا دی ہوگی کہ اس کی اتنی خدمتوں اور اچھائیوں کے جواب اسے برائی ملی تھی۔''

''میں واقعی اپنے رویے میں غلط تھی اور اسی غلطی نے شاید میرے مقصد کو بھی مجھ سے دور کر دیا کہ دنیا تو دنیا میں تو جس کی تلاش میں سرگرداں تھی اس ذات برحق سے بھی نالاں و برگشتہ ہوتی رہی، میں جو انسانوں کو ناراض کرتی آئی تھی اپنے پالنے پیدا کرنے والے مالک تک کو ناراض کر دیا۔'' اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

''پھر کیتھرین جو مجھے جیل سے قتل کے الزام سے بری کروا کے اپنے گھر لائی میری اچھی راز دار دوست جس نے بنا کسی غرض کے مجھے زندگی کی طرف لانے کی کوشش کی اور میں نے کیا کیا؟''

پھر سے خودکشی، اپنے آپ کو تکلیف، اس کے لئے مصیبت، میرا گزرا ہر طرز عمل غلط تھا، میں نے جان بوجھ کر خود کو محرومیوں اور ناکامیوں کے سپرد کیا بنا خود کو سمجھائے غلطیوں پر غلطیاں کرتی گئی، بغیر خود کو پرکھے ہر ناکامی کا ذمہ دار معاشرے کو ٹھہرایا اپنے مقصد، اپنی زندگی، اپنی ترجیحات پہ غور وفکر کے بنا فیصلے لئے اور محرومی ولاچاری کا سہرا لوگوں کے سر رکھا اور خود اپنے ساتھ شاید کبھی مخلص رہی ہی نہیں اسی چیز نے نقصان دیا، سب سے بڑھ کر خود پہ یقین، اعتماد کی کمی جس نے ہر جگہ خوف اور وہم میں مبتلا کیا، ورنہ بقول کیتھرین کے دنیا بنانے والے نے کوئی بھی شے بے مقصد اور بے کار نہیں بنائی، اس نے تو سانپ کے زہر میں شفا رکھی ہے تو پھر یقیناً میرے ہونے کا بھی کوئی مقصد ہے اور اس مقصد کے حصول وبازیافت میں رسائی مثبت طرز فکر سے ہی ممکن ہے، اپنے کو کمتر محروم سمجھے بغیر دوسروں کو تلخی وترشی کا نشانہ بنائے بغیر خوشی وسکون تلاشنا ہے اور خود شناسی و مثبت طرز فکر ہی اچھی اور بامقصد زندگی کا سب سے کامیاب کلیہ ہے جس کو میں نظر انداز کیے ہوئے تھی اسی کا اثر موثر اور پاورفل ہے، اپنے آپ کو یقین دلانا ہے تو بس اتنا کہ۔

''میں خوش، صحت مند، مکمل مضبوط اور طاقتور، مجھے جوانی، خوبصورتی، آزادی وسکون کی دولت حاصل ہے اور اس کا استعمال مثبت طریقہ سے کرنا ہے بنا کسی سے جیلس ہوئے بغیر اپنی ناکامی کا ڈر رکھے، ماضی کو یاد کرکے اس کی تکلیف سے مستقبل کو برباد نہیں کرتا بلکہ وسیع القلبی کا مظاہرہ کرکے زندگی کو بدلنا ہے اپنے مقصد کو پانا ہے اپنے آپ کو دریافت کرنا ہے اور اس کے بعد یقیناً سکون خوشی اور اطمینان قلب میری زندگی کا حصہ بن جائے گا۔'' اس نے خود کو احتساب کے کٹہرے سے گزارتے ہوئے اپنی غلطیوں، ناکامیوں کا اعتراف کرنے کے ساتھ نئے عزم، تازہ ولولہ سے اپنی تمام تر جسمانی تازگی اور ذہنی طمانیت کے ساتھ زندگی کے مدمقابل ہونے کا فیصلہ کیا تھا اور جب عزم پختہ اور ارادے سچے ہوں تو منزل دور نہیں رہتی وہ بھی یقیناً اپنی منزل تک پہنچنے والی تھی۔

وہی دن رات کا دورانیہ ہے
وہی کار جہاں ہے اور میں ہوں
وہی جائے نماز عشق میری
وہی میری اذاں ہے اور میں ہوں
نہ جانے کون تھک جائے پہلے
میری عمر رواں ہے اور میں ہوں

☆☆☆

کچھ دیر پریشان نگاہوں سے وہ سفید کین کی خالی کرسی کو دیکھتی رہی پھر ڈھیلے قدم اٹھاتی کمرے میں چلی آئی، شہریار شاید واش روم میں تھا وہ بیڈ کے کنارے بیٹھ کر اس کے رویے کو سوچنے لگی۔

شہریار یقیناً بہت اپ سیٹ تھا اس کی تلاش میں کہ سعیہ کی بیوقوفی نے ٹینشن کری ایٹ کردی تھی اور معذرت بلاشبہ اس ڈسٹربنس کا ازالہ نہیں کرسکتی تھی جو وہ جھیل چکا تھا اور اس صورت حال کو فیس کرنا سعیہ کے لئے آسان نہ تھا اپنی حرکت پر کچھ تو اسے کہنا ہی تھا سو اس کے باہر آتے ہی بولی۔

''میں ایسے ہی غصے میں یہاں سے نکل گئی تھی مجھے معلوم نہیں تھا کہ موسم یکدم اتنا طوفانی ہو جائے گا پھر راستے کا بھی تو علم نہ تھا مجھے واپس کیسے آتی خود سے۔'' معذرت خواہانہ لہجہ آخر میں وضاحتی ہوگیا تھا۔

وہ کچھ نہیں بولا تھا آرام سے گریبان کے بٹن بند کرتا بیڈ کے دوسرے کنارے پہ ٹک گیا، سعیہ نے لب کچلتے ہوئے اس کو کن اکھیوں سے دیکھا پھر بولی۔

''بارش اتنی تیز تھی کچھ دکھائی بھی نہ دیتا تھا ورنہ میں پلٹ جاتی۔''

''شٹ اپ۔'' شہریار یکدم ساری مروت ولحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے بولا۔

''شرم نہیں آتی تمہیں اس طرح کی وضاحتیں دیتے ہوئے اپنی غلطی پر، تم ایک لڑکی ہو سعیہ علی خان جس طرح انجان جگہ تم اچانک بنا بتائے نکلی تھیں اگر تم نہ ملتیں یا تمہیں کچھ ہو جاتا تو میرے لئے کتنی مشکل ہوتی اور تمہارے مما، پپا وہ اس صورت حال کو کیسے برداشت کرتے، لوگ کیا سمجھتے، کیا کہتے حالات کیا رخ اختیار کرلیتے تمہیں یہ بات سمجھنی چاہیے تھی۔''

''میں جانتی ہوں لڑکی کی عزت کتنی نازک ہوتی ہے۔''

''اسی لئے اپنا جھنڈا لگوانے نکلی تھیں۔'' شہریار نے مزید سننا دشوار ہوا تو ترخ کر بولا، سنعیہ کو بے اختیار رونا آنے لگا اس کی درشتگی پر۔

''مجھے اگر مما پپا کا خیال اور اپنی عزت عزیز نہ ہوتی تو کبھی تمہیں ڈھونڈنے کی کوشش نہ کرتا بلکہ تمہارے جیسی بد دماغ لڑکی کو مرکھپ جانے دیتا۔'' وہ اس قدر کھر درے لہجے میں بولا کہ سنعیہ کے آنسو تواتر سے بہنے لگے، وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہ کیسے ڈرامے کر رہا تھا اس کے ساتھ حقیقت کو جان کر ہی وہ ریسٹ ہاؤس سے اٹھ کر چل پڑی تھی مگر برا ہوا آنسوؤں کا جو بنا رکے بہتے آ رہے تھے اور وہ بول بھی نہ پا رہی تھی۔

''کیا جواب دیتا میں تمہارے گھر، دوستوں یا پولیس کو، کیسی کہانیاں بنتیں اور لوگ کیا کہتے مگر تمہیں کیا پرواہ تمہارا شوق تو پورا ہو گیا ناں مجھے پریشان کرنے کا۔'' ایسا تلخ اور ترش لہجہ کو وہ بھیگے لہجے میں بول ہی پڑی۔

''تو نہ آتے میرے پیچھے اگر بعد میں جتانا تھا پھر اتنے بچے تو آپ بھی نہیں کہ اپنی غلطی کا پتا ہو نہ میرے وہاں سے نکلنے کا، اب دکھاوے کے جو لاوا اگل رہے ہیں یہ خیر خواہی نہ ہی کریں تو اچھا ہے، کوئی شوق نہیں ہے مجھے تمہاری خیر خواہی کا، وہ تو اک مجبوری ہے جس کا خیال ہے ورنہ تمہاری خاطر خود کو مشکل میں ڈالنا یا اپنی زندگی کا امتحان بنانے کا کوئی مراق نہیں اٹھا مجھے۔'' بے زاری و سرد مہری سے کہتا وہ کتنی بے اعتنائی دکھا گیا تھا پل بھر میں، سنعیہ کے اندر چھن سے بہت کچھ ٹوٹا تھا اب سے کچھ دیر پہلے تک وہ اس شخص پہ کتنا مان اور فخر کرنے لگی تھی، انتہائی مشکل کی گھڑی میں اسے پوری شدت سے پکارا تھا اور اچانک سامنے پا کر کیسی بے اختیار ہوئی تھی کہ وہ خود سے قریب، بے حد اپنا محسوس ہوا تھا مگر توجہ اور کرم کا وہ لمحہ سراب تھا وہ اس کے لئے مجبوری تھی جس کا وہ پاس رکھ رہا تھا اور سنعیہ کو یہ حقیقت خود شہریار کے منہ سے سن کر کیسا شاک پہنچا تھا، کتنی تکلیف محسوس ہوئی تھی۔

وہ خواب لمحوں کے تعاقب میں ڈرتے محبت، محبت اور صرف محبت کا راگ الاپتا شہریار کہیں جھلکا سوچ کے افق پر تو آنکھیں ٹوٹ کر برسیں۔

تو کیا وہ سب جھوٹ تھا، فریب تھا، مما پپا کی نگاہ میں بہت سعادت مند بننے کا ڈرامہ اور اب حقیقت کا یہ لمحہ کتنا حیران کن اور اذیتناک تھا، خود کو مجبوری یا احسان سمجھنا الگ بات تھی مگر یہ اپنے ہی سامنے خود شہریار کے منہ سے سننا، وہ جیسے بار بار ٹوٹ کر بکھر رہی تھی۔

''کتنی بیوقوف تھی میں، کیسا گداز محسوس کرنے لگی تھی اس شخص کے لئے پل بھر میں، غلط اور بے سمت راستے پہ پاؤں دھرنے سے قبل ہی چیخ دی گئی، میں نے اسے اپنی محبت میں فکر مند اور تشویش زدہ سمجھا تھا جبکہ وہ اسے ان معاملات سے سروکار ہی کب تھا۔'' سو وہ لحاظ کیوں کرتی وہ بھی ترخ کر بولی۔

''مجبوری ہوں تو کیوں خود پہ لادے پھرتے ہیں، میرے اعصاب بھی تکلیف زدہ کیے ہیں، کیوں سکون کا سانس نہیں لینے دیتے مجھے بھی تکلیف میں مبتلا کیا ہوا ہے۔''

''اچھا تمہیں بھی تکلیف ہوتی ہے نئی خبر ہے میرے لئے۔'' وہ استہزائیہ انداز میں بولا تھا۔

''This is a not fair مسٹر شہریار مجھے یہ گھٹیا ڈرامے اچھے نہیں لگتے، سب کے سامنے فرمانبرداری کا ڈرامہ رچانا اور در پردہ یہ گیم کھیلنا، مجھے یہ بزدلوں والے کام سخت ناپسند ہیں۔'' وہ درشتی سے بولی۔

''تم تو بہت بہادر ہو تمہاری حوصلہ مندی اور بہادری بھی دیکھ لی ہے میں نے، ایسا بھی بزدل تھیں کہ جنگل میں جا کر رونے لگوں درختوں سے لپٹ لپٹ کر۔'' وہ صاف اسے سنا رہا تھا بلکہ کھلا طنز کر رہا تھا جو سنعیہ کو بری طرح چبھا۔

''شاید اسی بہادری کے زعم میں تم منہ اٹھا کے چل پڑی تھیں۔'' وہ پھر بولا تو سنعیہ کو یوں لگا جیسے دل جلتا کوئلہ بن گیا ہو، اس کے دل میں بہت سی باتیں آئی تھیں کہنے کے لئے بہت کچھ سنانا چاہتی تھی، وہ اسے مگر یوں اس اجنبی جگہ نہیں جبکہ وہ تنہا بھی تھی اور مکمل طور پر اس شخص کے رحم و کرم پر بھی، جو بہت بڑا ایکٹر تھا، ماڈلز کے شوٹ لیتے لیتے اپنا امیج بنانے کا فن بھی بہت اچھی طرح پورا کر چکا تھا، سو وہ لب بھینچتے ہوئے خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی، چائے بھی پھر ویسے پڑی ٹھنڈی ہو گئی سنعیہ نے اسے ہاتھ تک نہ لگایا تھا اور وہ خود ملازم سے چائے دوبارہ بنوا کر پی رہا تھا، جب آدھی چائے پورے بسکٹ اور دونوں انڈے ختم کر چکا تو ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر دیکھتے ہوئے بولا۔

''آ جاؤ مجھے معلوم ہے، تم نے صبح کا ناشتہ کیا ہوا ہے اور تمہیں بھوک لگ رہی ہے۔'' اب وہ ایسی ندیدی بھی نہ تھی کہ محض ایک بار کہہ دینے سے بھی اٹھ کر لگ جاتی، آخر انا بھی کوئی چیز ہوتی ہے اور وہ سب کچھ بالائے طاق رکھ سکتی تھی مگر انا ہرگز نہیں کن اکھیوں سے اسے دیکھا تھا جو بڑے سکون اور آرام سے بقیہ چائے بھی پی رہا تھا، وہ خون کے گھونٹ پیتی اپنی بھوک کو بہلاتی اٹھ کر کمرے میں موجود واحد ونڈو کے پاس آ کھڑی ہوئی اور باہر کا منظر دیکھنے لگی، یہاں موسلا دھار بارش ابھی تک پورے زوروں پر تھی، جبکہ شہریار فارغ ہو کر بیڈ پر دراز ہو چکا تھا اور کمبل کھول کر اپنے اوپر اوڑھ لیا کچھ دیر بعد کمرے میں اس کے ہلکے ہلکے خراٹے گونجنے لگے تو سنعیہ نے چونک کر پیچھے دیکھا، وہ بڑے اطمینان سے کمرے میں موجود واحد بیڈ پر محو خواب تھا اور بارش زوروں پر بھی تو گھر سے بھی فی الحال گاڑی کا آنا ممکن نہ تھا، شام خاصی گہری پھیل گئی تھی شاید عشاء کی اذانیں ہونے لگی تھیں۔

اسے یہ معلوم نہ تھا وہ کہاں سوئے گی؟ خفگی ناراضگی یا غصہ اپنی جگہ مگر ایسی سنگدلی اسے اس بے مہر شخص سے ایسی امید ہرگز نہ تھی وہ ہر بار اسے سمجھنے غلطی کر جاتی تھی، ہر موقع پر غلط اندازے لگاتی تھی اور ہر بار صورتحال اس کے برعکس نکلتی تھی پھر بھی ہر بار نئے سرے سے اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے پہلے سے زیادہ تکلیف ہوتی تھی، اب بھی بارش کی بوندوں کے ساتھ اس کی آنکھیں بھی بہہ رہی تھیں کتنا شدید رونا آ رہا تھا اپنی بے وقعتی و بے قدری پہ۔

ادھوری محبت کا اقتباس ہوں
درد، درد بدن کا زخمی لباس ہوں
بخشے گا مجھے سارے عذاب وہ!
جانتا ہے کہ میں اذیت شناس ہوں

☆☆☆

کہتے ہیں خواہش ضرورت بن جائے تو تکمیل کے کئی ناجائز راستے کھل جاتے ہیں، برائی اور برے اعمال دیمک کی طرح ہوتے ہیں، یہ ظاہر کچھ نہیں بدلتا مگر اندر سے سب مٹی کی طرح ہو جاتا ہے لوگ کہتے ہیں کے دیمک رزق حرام پہ پلتی ہے، یہی اس کی غذا ہے یہی کھانے والے کی سزا ہے، مگر انہیں تو حرام سے کوسوں دور رکھا گیا تھا، ان کی پرورش تو زرق حلال پہ ہوئی تھی پھر برائی ان کے گھر کی کیسے راہ پا گئی؟

یہ ایسا سوال تھا جس نے الجھا کے اس کا ذہن شل کر دیا تھا مگر جواب ندارد زندگی اس کی خواہشات کے بالکل برعکس نکلی تھی اس نے تو زندگی کی رنگوں، خوابوں کی چمک سے بھرپور ایک خوشنما تتلی سمجھا تھا مگر یہ دکھوں کا پنڈورا بکس نکلی تھی اور صدمہ تو یہ تھا کہ یہ پنڈورا بکس اس کے اپنے گھر میں کھلا تھا آ کر اور کھلتے ہی سارے دکھ اسے چمٹ گئے، اب ان دکھوں سے فرار کا کوئی راستہ نہیں ملتا تھا، ابو اور معاذ کی وفات کے بعد امی کا پاگل ہونا بھی اس نے بڑے صبر سے قبول کیا تھا، غیروں کے ساتھ اپنوں کے بدلتے اجنبی رویوں کو بھی اس نے برداشت کے ساتھ دیکھا تھا پھر خالہ کے گھر کی اجنبی باتیں، بیگانگی و تلخی پر بھی خود کو تاویلوں سے سمجھا لیا تھا مگر شہباز کا بگڑنا پھر بدتمیزانہ رویہ یہ سب الگ سا دکھ دے رہا تھا، شاید اس لئے کہ اس نے اتنی بدحالی کے بعد ایسی پراگندگی کا تصور نہیں کیا تھا پھر شہباز تو بہت سلجھا ہوا، نرم انداز گفتگو رکھنے والا لڑکا تھا مگر بری صحبت نے اس کی ساری شخصی خوبیوں پر پانی پھر دیا تھا، اس کے والد سمجھایا کرتے تھے بری صحبت کوئلے کی مانند ہے جو دیکھنے میں بے ضرر ہوتا ہے چھونے پہ ہاتھ جلا دیتا ہے اور دنیا کی مثال سانپ کی مانند ہے جو چھونے پہ نرم اور اندر زہر سے بھری ہوتی ہے اور ان دونوں چیزوں نے آج اپنے ہاتھوں اس گھر کا مستقبل تباہ کر دیا تھا۔

شہباز جوئے کی لت میں پڑ چکا تھا اور اسی بات کے پیچھے گھریلو اشیا بیچنا شروع کر دی تھیں، اس کی حرکتوں پہ اریبہ اور جویریہ کے ساتھ ربیعہ نے بھی کڑی نظر رکھنی شروع کر دی مگر گھر سے باہر تو وہ اس کے ساتھ نہیں پھر سکتی تھیں، ایک دن پھر اس کی تاش میں کھیلتے ہوئے کسی سے جھڑپ ہو گئی اور اس نے سر پھاڑ دیا تھا ایک لڑکے کا، وہ کچھ کھاتے پیتے گھر کا لڑکا تھا ان لوگوں نے پرچہ کٹوا دیا چوری کا اور وہ حوالات چلا گیا۔

اریبہ اس کی رہائی کے سلسلے میں فی الحال خاموش تھی ایک تو وہاج کا احسان لینا گوارہ نہ تھا دوسرا ثمن ہما کی باتوں کا اثر تازہ تھا پھر اس کا ذاتی خیال تھا کہ کچھ دن جیل میں رہے گا تو آئندہ سدھر جائے گا، ویسے بھی اس کے پاس کون سا خزانہ تھا جو ضمانتوں پر خرچ کرتی، ایسی صورتحال میں خاموشی بہتر تھی سو وہ اس سے کام چلا رہی تھی۔

نجمہ بیگم کی حالت ہنوز وہی تھی ڈاکٹر نے کہہ دیا تھا پیار اور نرمی سے کام لو، محبت سے پیش آنے کے ساتھ اس کا پاگل پن برداشت کرو، مگر حقیقت میں یہ سب کرنا بہت مشکل تھا کسی کا پاگل پن جھیلنا چاہے وہ ماں ہی کیوں نہ ہو، کتنا ضبط طلب اور اذیت ناک ہوتا ہے یہ صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کے گھر میں ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں۔

شاذونادر ہی ایسا ہوتا تھا کہ وہ کوئی بات ہوش کی کر لیں وگرنہ ان پہ غصے وخلل کا ایسا ہیجان طاری ہوتا تھا اکثر کہ چہرہ سرخ ہو جاتا آنکھوں کی پتلیاں کشادہ ہونے کے ساتھ ان میں خون اتر آتا بھنویں تن جاتیں پھر طیش میں انہیں خود پر کنٹرول نہیں رہتا تھا، جو چیز جو شخص سامنے ہوتا اسے تباہ و برباد کر دینے والی کیفیت ہوتی، خوفزدہ و بیزار ہونے کے باوجود تینوں بہنیں ماں کو سنبھالنے کی پوری تگ و دو کرتیں، ان کے جسم اسی کھینچا تانی میں پسینہ پسینہ ہو جاتے، بلکہ اکثر ان میں سے کوئی نہ کوئی نجمہ کے ہیجان کا نشانہ بن کر زخمی ہو جاتی۔

نجمہ بھی اس ہیجانی و اعصابی خلل کے باعث طویل بیماری، کمزور صحت اور قوت ہاضمہ کی شکایتوں کے ساتھ خون کے زیادہ دباؤ (ہائی بلڈ پریشر) کا شکار ہو گئی تھی اور جس شے یا انسان کو وہ نقصان پہنچانا چاہتی تھیں جب تک اسے تباہ نہ کر دیتیں یا بالواسطہ طریقے سے اسے ہٹا نہ لیا جاتا یہ نفسیاتی غصے و ہیجان کی کیفیت برقرار رہتی اور پاگل پن یا ہیجانی دورے کے اسباب لاشعوری ہوں تو وہ فرد کی ذات کے لئے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔

اریبہ پریشانی میں گھری ایک بار پھر ذہنی امراض کی ماہر ڈاکٹر انعم کے روبرو تھی، ساتھ ربیعہ تھی جسے ہیجانی اشتعال کی حالت میں نجمہ نے زخمی کر دیا تھا اور وہ ٹانگ اور پاؤں پہ چوٹ کھانے کے باعث لنگڑا کر چل رہی تھی۔

ڈاکٹر نے پوری توجہ سے ان سے نجمہ بیگم کی موجودہ کیس ہسیڑی سنی پھر کچھ پرسوچ انداز میں انہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

''پاگل پن فرد کی مشتعل یا برانگیختہ حالت کا نام ہے، ہیجان خیر دورہ احساس کا ابال ہے جیسا کہ فرد خود اسے محسوس کرتا ہے، جو مریض پہ فوری امڈ آتی ہیں ذہنی کیفیت کو عمومی وعضوی خرابیوں کا شکار کر دیتی ہیں، یہ کیفیت غیر متوقع اور فوری طور پر طاری ہوتی ہے لیکن اس کا اثر کافی عرصہ تک رہتا ہے، مطلب اس ساری گفتگو کا یہ ہے کہ آپ کی مدر کے ہیجان کے پہلو نہ تو اتنی جلد جج کیے جا سکتے ہیں نہ فرسٹ ٹرائل سے ہی آپ یہ امید باندھ سکتی ہیں کہ یہ چند سیشن کے بعد ہی تندرست ہو جائے گی، کیونکہ ان کی جسمانی قوتیں بہت زیادہ ڈیڈ ہو چکی ہیں اور یہ ایک شعوری حقیقت ہے کہ عضویاتی، ذہنی یا بصری وسماعتی فعالتیں جو کسی شخص کو ایک ہی مرتبہ عطا کی جاتی ہیں انہیں بہتر نہیں بنایا جا سکتا اور ان میں تبدیلی کی توقع رکھنا فضول ہے، لیکن جدید ماہرین کے نزدیک ہر تغیر پذیر عمل میں اصلاح کی گنجائش موجود ہوتی ہے اور ہم محنت و کوشش سے خاطر خواہ نتائج حاصل کر سکتے ہیں اور محنت و کوشش بھی ایک طویل، دقت آمیز اور صبر آزما کام کیونکہ پاگل پن ٹھیک ہونے میں بھی سالوں لگ سکتے ہیں۔'' ڈاکٹر کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

''مگر ہم انہیں اولاد ہو کر مینٹل ہاسپٹل کیسے چھوڑ سکتے ہیں وہاں تو ان کا ذہنی توازن مزید بگڑے گا یہ اور بھی پاگل ہو جائیں گی۔'' اریبہ کا لہجہ نم اور آنکھیں اضطراب کا شکار ہوئیں۔

''تو اب یہ کون سا ہوش وحواس میں ہیں بلکہ ان کا رویہ وحالت آپ لوگوں کی صحت اور استعداد کار پر بھی اثر ڈالے گا اور چڑچڑے ہونے کے ساتھ الجھن، پریشانی، آپ سب کا مسئلہ بن سکتی ہے، آپ سوچ لیں جو بہتر سمجھیں کریں میں نے ایک ہمدردانہ اور میڈیکلی نقطہ نظر اسے ان

کی رپورٹس کے مدنظر صائب رائے دی ہے آگے جو آپ کی مرضی۔'' ڈاکٹر نے بات ختم کرتے ہوئے گویا انہیں جانے کا عندیہ دیا تھا، اریبہ عجیب پریشانی و الجھن زدہ کیفیت میں گھری اٹھ گئی۔

☆☆☆

کیتھرین کی آنکھ کھلی تو ماریا بستر پر موجود نہیں تھی بلکہ کچن سے آتی کھٹر پٹر کی آوازیں بتا رہی تھیں کہ وہ کچھ کنگ میں مصروف ہے، کیتھرین نے اٹھ کر کچن میں جھانکا تو وہ ایپرن باندھے کوکنگ رینج کے سامنے کھڑی کچھ بنا رہی تھی۔

''ہیلو ماریا گڈ مارننگ۔'' کیتھرین نے کہا تو وہ جواباً خوشدلی سے ''گڈ ٹو'' کہتی بھرپور انداز میں مسکرا رہی تھی اس کی بشاشت سے کیتھی کو باآسانی اندازہ ہو گیا کہ وہ بہت حد تک اسٹریس فیز سے دور نکل آئی ہے۔

''میں نے سوچا روز تم ناشتے میں کچھ نہ کچھ پکا کے کھلاتی ہو کیوں نہ آج میں ٹرائی کروں، اگرچہ میں تمہاری طرح بہت ماہر کک نہیں ہوں مگر پھر بھی مجھے یقین ہے تم جیسا اچھا نہیں تو برا بھی نہیں بناؤنگی۔''

''اچھا چیلنج ہے اور میں یہ نہیں کہونگی کہ ابھی تم ٹھیک نہیں ہوئیں یا تمہیں یہ کام نہیں کرنا چاہیے تھا بلکہ خود کو بیمار محروم یا مجبور محسوس کرنے سے بہتر زندگی کو لطف سے برتنا ہے اور صبح کی خوشگواری پورے دن کے موڈ پر اثر انداز ہوتی ہے۔'' کیتھی بولی۔

''بالکل اور میں اب بالکل بھی خود سے معاشرے سے یا لوگوں سے بدظن نہیں کیونکہ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ دوسروں کے خیالات و جذبات، ترجیحات اور پسند ناپسند کو مدنظر نہ رکھنا ہی بگاڑ کا سبب ہے پھر میں جان چکی ہوں میری شخصیت میں قدرے جارحیت اور شدت پسندی تھی جس نے مجھے متوازن شخصیت بننے ہی نہیں دیا، جبکہ خوشی صحت اور کامیابی میرے اپنے اختیار میں تھی۔'' ماریا نے کہا۔

''زندگی ہمیں ڈپریسڈ کرتی ہے تو قدرت تبدیلی کا موقع فراہم کرتی ہے اور تمہاری خوش قسمتی سے تمہیں یہ موقع ملتا رہا جسے اپنے کمپلیکس کے باعث تم گنواتی رہیں، اب اس موقع کو تھام لو ہوسکتا ہے یہ آخری چانس ہو۔''

''اور میرا خیال ہے زندگی کی طرح کھانے کا چانس بھی مس نہیں کرنا چاہیے تو کیا خیال ہے پھر بریک فاسٹ ہو جائے۔'' ماریا نے اسے دیکھا۔

''یقیناً کھانا اور سونا یہ دو ایسی چیزیں ہیں جن کے لئے میں ہر وقت تیار رہتی ہوں۔'' وہ مسکراتی ہوئی ڈائننگ ٹیبل تک آئی اور ماریا کی تیار کردہ ڈرم اسٹکس پہ سویا ساس لگا کے کھانے لگی۔

''واؤ اچھا ذائقہ ہے ماہر کک نہ ہونے کے باوجود تم کسی کو بھی یہ بنا کھلا کر داد وصول کرسکتی ہو۔'' کیتھرین نے بے ساختہ توصیفی انداز میں کہا تو وہ مسکرا دی۔

''ایسے ہی کچھ نہ کچھ کرتی اور مسکراتی رہا کرو تمہاری شخصیت اور رویے میں توازن خود بخود قائم ہو جائے گا پھر شعوری طور پر کوشش کرو کسی کے کام آسکو جس قدر ہو سکے دوسروں کی مدد کا جذبہ اپنے اندر رکھو تم لاشعوری طور پر خوشی، اطمینان، پرسکون ذہن جیسی نعمتیں حاصل کرلوگی اور ڈپریشن

تمہیں چھو کر بھی نہیں گزرے گا۔''

''مدد، دوسروں کے کام آنا، اسے یاد آیا کہ زندگی میں شاید ہی وہ کسی کے کام آئی ہو، یا کبھی کسی ضرورتمند کی مدد کی ہو، اسے بہت یاد کرنے پر بھی اپنی کوئی ایسی نیکی یاد نہیں آئی اگر وہ مر جاتی یا کسی حادثاتی موت کا شکار ہو جاتی تو اس کے دامن میں ایک بھی نیکی نہیں تھی جس کی بنا پر وہ اپنی بخشش یا خدا کی مہربانی کی امید رکھتی، کیا تھا اس کے پاس نہ کوئی اچھائی نہ بھلائی کسی کی مدد کا جذبہ کسی کی ضرورت پوری کرنے کا خیال اس نے اس بارے میں کبھی سوچا بھی نہ تھا بلکہ وہ تو بھکاریوں کو بھی کچھ دیے بنا یونہی گزر جاتی تھی، انہیں کچھ دینا اسے فضول لگا کرتا تھا، اس وقت اسے احساس ہو رہا تھا کتنی تہی دست تھی وہ اس معاملے میں، اس کے پاس یہ چیز تھی ہی نہیں اور اس کا سب سے کمزور اخلاقی پہلو تھا۔'' کیتھرین اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو پڑھ رہی تھی اسی لئے رسان سے بولی۔

''منفی آزادی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں اسی لئے تم سے کہا تھا جب اپنی ناکامیوں پہ دوسروں کو موردالزام ٹھہراؤ تو دیکھ لیں کہ کہیں غلطی آپ سے تو نہیں ہوئی ہے۔''

''میں نے بھلے کسی کی مدد نہ کی ہو مگر کبھی کوئی برا کام بھی انجام نہیں دیا جیسے کیا یہ میری نیکیاں نہیں۔''

''نہیں یہ تمہاری فطرت یا عادت تھی تم لاشعوری طور پہ سیلف کنٹرول گرل تھیں جبکہ نیکی ایسی چیز ہے جو ہر شخص کے اندر ہوتی ہے اسے بڑھانا اپنی صلاحیت یا اپنی طاقت ہے جو تم منفی طرز عمل میں پڑھ کر ضائع کرتی رہیں، لیکن یہ زندگی کا ڈی اینڈ نہیں ہے کسی وقت تمہیں، اب ایسا لگے کہ زندگی تمہارے کنٹرول سے باہر ہو رہی ہے تو کچھ وقت روحانی معاملات پر توجہ دینے میں گزار دو اور یہ کام صرف لمبی لمبی عبادات میں ہی نہیں بلکہ مراقبہ یا یوگا سے بھی لیا جاسکتا ہے۔''

''کیا تم یوگا یا مراقبہ سے متعلق مجھے معلومات دے سکتی ہو۔''

''ضرور دیتی مگر اس وقت میرے پاس ٹائم کم ہے اور شاید ایک دو دن تک یہاں موجود نہ ہوں تو تمہیں پرابلم ہوسکتا ہے کیونکہ میرے خیال میں تمہاری مینڈلی اور فزیکلی فیٹنس کچھ ویک ہے اور تم تنہا نہیں رہ سکتیں۔''

''تمہیں کہاں جانا ہے۔'' ماریا نے چونک کر پوچھا۔

''آئم سوری ماریا میں تم سے ذکر کرنا بھول گئی کچھ نئی تحقیقات و آئیڈیاز اپنے شعبے و پروفیشن سے متعلق شیئر کرنے اور کچھ نئے انفارمیشن سورسز کے سلسلے میں ایک غیر سرکاری وفد کے ساتھ تین ماہ کے ٹور پہ جا رہی ہوں۔'' کیتھی کچھ شرمندہ سی بولی۔

''کہاں، مطلب کس جگہ جانا ہے اور وہاں تم مجھے ساتھ نہیں لے جاسکتیں۔'' ماریا نے کچھ بیقرار اور التجائیہ انداز میں پوچھا۔

''ہمیں چین، ہندوستان اور پاکستان جانا ہے، تینوں ملکوں میں ہمارا ایک ایک ماہ کا Stay ہے جو کہ تحقیق دریافت پہ سیمینارز طویل ہونے یا سیر و تفریح کے شوق میں کچھ لمبا بھی ہوسکتا ہے، تو ایسے میں اتنا عرصہ تمہیں ساتھ رکھنا آسان نہیں ویسے بھی میری مصروفیت کے باعث تمہیں تنہا اور

بوریت کا سامنا رہے گا۔"

"نو پرابلم کیتھی! میں مختلف نوع کی تہذیبوں، مذاہب کے متعلق جاننے کی بے حد شائق ہوں، تم اپنا کام کرنا میں اپنی ایڈونچرنیس کے ساتھ خود انجوائے کرلوں گی۔" اس کا انداز بدستور ملتجی تھا، جس نے کیتھرین کو الجھن کا شکار کردیا تھا۔

"مذاہب اور تہذیبوں پہ ریسرچ تو تم پہلے بھی کرچکی ہو اور خاصی نروس نیس کا شکار رہی ہو اس حوالے سے سو یہ کام ابھی رہنے دو پھر انڈیا شاید تم نے ذکر کیا تھا تم وہاں پہلے جا چکی ہو۔"

"کیتھی آئی نو، لیکن میں اس بار وہاں صرف ہندوستانی ہسٹریکل مغلیہ تہذیب دیکھنا چاہوں گی کیونکہ پہلے میں صرف چند دن کے لئے گئی تھی اور کوئی تاریخی عمارت یا سیاحتی ویو خاص کر تاج محل تک نہ دیکھ سکی تھی، میں صرف ذہن فریش کرنے خود کو زندگی کو دریافت کرنا چاہتی ہوں میرا مقصد صرف اتنا ہے کچھ عرصہ صرف زندگی کو زندگی سمجھ کر جیوں، اپنے ذہن کو ہر پریشان خیالی سے آزاد کرکے خوشی، سکون اطمینان اور فرصت سے وقت گزار کر دیکھوں۔" کیتھی نے کچھ دیر اسے دیکھا پھر پرسوچ انداز میں کہا۔

"مجھے اپنے وفد کے انچارج سے بات کرنا ہوگی ان کی پرمیشن کے بعد ہی تم جا سکو گی لیکن شرط وہی کہ مقصد صرف سیر وتفریح یا سیاحت نو ٹینشن نو پرابلم۔" کیتھی نے باور کرایا۔

"تم فکر مت کرو، اس سلسلے میں مکمل اطمینان رہے گا میری طرف سے۔"

"اٹس او کے، پھر میں بات کرتی ہوں۔" کیتھی نے اٹھتے ہوئے کہا تو ماریا کے چہرے پر خوشی کا تاثر پھیلا تھا۔

☆☆☆

شہریار سونے سے قبل کمرے کی مین لائٹ آف کرچکا تھا، اس وقت زیرو پاور کا نائٹ بلب روشن تھا جس کی نیلگوں روشنی میں وہ لب دانتوں تلے کچلتے ہوئے اِدھر اُدھر نگاہ ڈال رہی تھی مگر اس واحد بیڈ کے سوا کمرے میں یا تو ایک کونے میں دیوار کے ساتھ چار اسٹائلش سی کرسیاں لگی تھیں، شیشے کا گول میز تھا یا نیچے ٹھنڈے فرش پر بچھی چٹائی اور بغیر کسی کپڑے بستر کے وہ خالی چٹائی پر تو نہیں سو سکتی تھی وہ بھی اتنے ٹھنڈے موسم میں، جبکہ ٹھنڈ اور بارش میں بہت دیر تک بھیگتے ہونے کے باعث وہ سردی سے بری طرح ٹھٹھر رہی تھی اور سر درد سے پھٹا جا رہا تھا فلو کے ساتھ بار بار چھینکیں آرہی تھیں، مگر سامنے بیڈ پر پڑے سنگدل شخص کو کوئی پروا نہ تھی اس کی حالت وطبیعت کی اس کو یونہی محسوس ہو رہا تھا یہ غلطی تو سراسر شہریار کی تھی ہاں بیوقوفی اس نے کی تھی پھر سزا وہ اکیلی کیوں سہے۔

ایک دفعہ تو جی چاہا اس سنگدل بندے کو جھنجھوڑ کر اٹھا دے، اونچا اونچا بولے، اسے خوب کوسے، برا بھلا کہے اتنا واویلا کرے کہ دکھ کی ساری کھسک آنسوؤں کی راہ نکل جائے، مگر اس کی پوزیشن اس بات کی متقاضی نہ تھی، پراگندہ سوچوں سے چھٹکارہ پانے کے لئے وہ کتنی دیر کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہلتی رہی تھک گئی تو نڈھال سی نیچے بیٹھ گئی، جانے کتنی دیر وہ پتھر کے مجسمے کی مانند ساکت وجامد سی بیٹھی رہی، پھر بے تحاشا غصے اور ضد کے انداز میں نیچے سو گئی مگر نہ نیچے گرم کپڑا نہ

اوپر کچھ چادر لحاف اس پہ کپکپی طاری ہونے لگی جسم بھی تپ رہا تھا اور درد سے کنپٹیاں پھٹی جا رہی تھی کچھ کھایا بھی نہ تھا کمزوری، نقاہت اور سردی ایک ساتھ حملہ آور ہوئی تھیں جسم سارا درد سے چور تھا ساتھ بخار ہو رہا تھا، خود کو آہ نکلنے کی کوشش سے باز رکھتی وہ بار بار کروٹیں بدل رہی تھی اور ہر بار آنکھ اٹھا کر دیکھ لیتی کہ شاید اس کی آنکھ کھل جائے وہ اس عالم میں اسے ٹھنڈے فرش پر لیٹے دیکھ کر اوپر سونے دے مگر وہ بھی شاید افیم کھا کے سویا تھا اب تک اس کی طرف سے رخ پھیرے ایک ہی پوزیشن میں لیٹا تھا۔

ضبط سے بے حال ہوتی برداشت ختم کرتے درد سے چور وہ جو سکڑی سمٹی لیٹی تھی اٹھ بیٹھی اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اپنا سر کی کنپٹیاں دبانے لگی ہلکی کراہ بھی اس کے منہ سے نکل رہی تھی بے چینی وبیقراری کا ایسا عالم تھا کہ وہ ساتھ روئے جا رہی تھی اور وقفے وقفے سے سسکیاں ابھریں تو آرام وسکون سے سویا شہریار ایکدم سے اٹھا تھا اور اپنے اردگرد دیکھا تو نیچے فرش پر سر گھٹنوں میں دیے وہ اپنی ٹانگیں دبا رہی تھی ساتھ رو بھی رہی تھی۔

"شاید یہ ٹھیک نہیں بارش میں بھیگنے سے۔" شہریار نے سوچا۔

سنعیہ کو زور سے چھینک آئی تھی اس نے ہائے اللہ کہتے ہوئے ایک ہاتھ سے سر کو پکڑا تھا اور دوسرے ہاتھ سے ڈوپٹے کا پلو پکڑتے ہوئے ناک صاف کیا تھا، کہ پھر لگاتار دو تین چھینکیں آگئیں، وہ اٹھنے لگا تھا کہ دماغ نے تنبیہ کی۔

"اس کی بدمزاجی وبیوقوفی نے آج کتنی کوفت کا شکار کیا تھا، اچھا ہے یونہی تڑپے کچھ تو سزا ملے بددماغی کی۔" وہ کروٹ پھیر کر پہلے کی سی طمانیت سے سونے لگا مگر اب سونا اتنا آسان نہ تھا جبکہ وہ جو اس کی رگ جاں سے قریب تر تھی اس بے حد عزیز تھی ایسے کراہ رہی تھی، تکلیف سے کہ وہ بے قرار ہو کر بار بار اس کی طرف دیکھ رہا تھا، ساتھ خود کو بے پرواہ ظاہر کرنے کی بھی کوشش کر رہا تھا، کہ آخر اتنی جلد خود کو شکستہ کرنا اس کی مردانہ انا کو بھی گوارہ نہ تھا، سو وہ خود کو بے حس رکھنے کی تگ ودو کرتا رہا۔

پھر وہ اسی طرح کراہتی شاید سو چکی تھی وہیں سکڑی سمٹی کانپتی اور شہریار سے کمبل اوڑھ کر سونا دشوار ہوگیا تھا وہ اتنی ٹھنڈ میں نیچے پڑی تھی بنا کسی لحاف کے پھر اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہ تھی، شہریار کو یوں لگا تھا اس کے بستر پر کانٹے اُگ آئے ہیں، وہ لاکھ دماغ کی تاویلیں سنتا پر دل تو اسی کا تھا ناں جو دشمن جاں تھی وہی درد کا درماں بھی تو تھی، ذہن متفکر ہو کر اسی کو سوچ رہا تھا۔

"کیا کروں، یہ کمبل اٹھا کر اس پہ ڈال دوں یا اسے اٹھا کر بیڈ پہ لٹا دوں، یونہی پڑے رہنے سے کہیں زیادہ بیمار نہ ہو جائے۔" وہ ایک بار پھر اٹھ بیٹھا اور اسی پل وہ بھی اٹھی تھی بری طرح چھینکتی اور کراہتی ہوئی۔

"اگر میں نے اسے کمبل دیا تو یہ سمجھے گی میں اس کی پرواہ کر رہا ہوں اور اس جیسی بدمزاج لڑکی کو یہ اہمیت بالکل نہیں دینی۔" وہ پھر سے خود کو سمجھانے لگا۔

"ہو...... آ...... آ...... خاہ۔" شہریار کی ساری حسیات جیسے پل میں چوکنا ہوگئیں، وہ کمبل پرے پھینکتا اس کے قریب آیا۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں، سو کیوں نہیں رہی ہو۔" لہجہ قدرے بیزار تھا۔
سعیہ نے پل کی پل نگاہیں اٹھا کر اپنے سے چند قدم کے فاصلے پہ کھڑے ظالم شخص کو دیکھا اور دوسرے ہی پل پھر سے قے کر دی۔

"او مائی گاڈ!" شہریار جھلایا ہوا مڑا اور کمرے کی مین لائیٹس آن کر دیں پھر ذرا سا جھک کر شانے اور بازو سے پکڑتے ہوئے اسے اٹھایا تھا مگر وہ اٹھ نہیں پا رہی تھی بس آنکھوں سے آنسو اور منہ سے کراہیں نکل رہی تھیں، اب وہ سچ مچ متفکر سا ہوا اور اس کا چہرہ تھپکتے ہوئے کہا۔

"سعیہ اٹھو واش بیسن تک چلو منہ دھو کر کلی کر لو اور پانی کے چند گھونٹ پی لو۔"

"مجھ سے نہیں اٹھا جا رہا بہت درد ہو رہا ہے میری ٹانگوں میں اور سر میں بھی ایسے لگ رہا ہے دماغ کی نسیں پھٹنے والی ہیں۔" وہ لرزتے لہجہ میں بولی، شہریار پریشانی سے لمحہ بھر کو لب بھینچ گیا ساتھ ٹائم دیکھا ابھی پونی رات پڑی تھی۔

"اس کی بگڑتی حالت کا ذمہ دار میں ہوں، اس نے تو اپنے غصے وضد میں جو کرنا تھا کیا میں بھی کچھ اچھا نہیں پیش آیا ایسا نہ ہو لینے کے دینے پڑ جائیں۔" وہ ساری انا و خفگی کو پس پشت ڈالتا اسے سہارا دے کر کھڑا کرنے لگا پھر ٹشو باکس سے ٹشو نکال کر اس کے ہونٹ اور ہاتھ صاف کیے، اسی طرح سہارا دیے اسے بیڈ پہ لا کر بٹھاتے ہوئے بیڈ کراؤن کے ساتھ ٹیک لگا کے اس کی ٹانگیں اوپر کیں اور کمبل اس کے گرد اچھی طرح لپیٹ دیا گیس کا سلنڈر جلا کر بیڈ کے قریب کیا پھر دودھ کا ڈبہ کھول کر ایک برتن میں ڈالا اسے نیم گرم کر کے تھوڑے بسکٹ پلیٹ میں ڈالے اور دودھ کا ایک کپ اسے پکڑایا تھا، جو اس نے پکڑنے سے انکار کر دیا۔

وہ دودھ کا مگ ہاتھ میں پکڑے چند لمحے اس کے چہرے کو دیکھتا رہا جو پیلا پڑ رہا تھا، تیز بخار، فلو، جسم میں درد، بارش میں بھیگنا، ٹھنڈے فرش پر بغیر لحاف کے سونا، اور کچھ نہ کھانا یہ سارے اجزاء مل کر اسے سب کچھ بھلانے پہ مجبور کر رہے تھے وہ کیا تھی اس کے ساتھ کیا کر رہی تھی، اسے کیسے ستایا تھا وہ سب بھلائے حتی الامکان نرمی سے بولا۔

"سعیہ تمہاری طبیعت بہت خراب ہے اور آدھی رات کو ڈاکٹر کا ملنا یہاں آنا مشکل ہے تم یہ تھوڑے بسکٹس کھا لو اور دودھ پی لو تو میں تمہیں درد اور بخار کی ٹیبلٹس دیتا ہوں انشا اللہ صبح تک بہت افاقہ ہو جائے گا۔"

"آپ صرف دوا دے دیں میں پانی سے لے لوں گی۔" اس کے نم لہجے میں ضد کا عنصر شامل تھا جو شہریار کو تپا سا گیا۔

"سعیہ بیوقوف مت بنو اپنی حالت دیکھو یہ نخرے دیکھانے کا ٹائم نہیں کیوں مرنے پر تلی ہو۔"

"اچھا ہے مر جاؤں ایسی زندگی جینے سے تو مر جانا بہتر ہے۔" وہ بڑبڑائی اگرچہ اپنی غیر ہوتی حالت کا اچھی طرح احساس تھا مگر اس کے اندر چھپی انا پسند ضدی لڑکی کروٹ لے رہی تھی۔

"چلو مر جانا مگر کچھ کھا لو کم از کم مجھے افسوس نہ ہو کہ بھوکی پیاسی مر گئیں؟"

"دیکھا آپ ہیں ہی بہت ظالم انسان یعنی میرے مرنے کا کوئی غم نہیں، صرف اپنا ڈر ہے

کوئی یہ نہ کہہ دے بھوکی پیاسی مار دیا۔" وہ پھر بھڑکی۔

"دنیا داری بھی کوئی چیز ہے دکھاوے کو انسان کو بہت کچھ نہ چاہتے ہوئے بھی کرنا پڑتا ہے کیا کروں آخر۔" وہ کاندھے اچکاتے ہوئے بولا۔

"کوئی ضرورت نہیں دنیا داری نبھانے یا دکھاوے دکھانے کی۔" وہ چیخی۔

"جواب دہ تو مجھے ہونا ہے سب کے سامنے، کاغذی سہی ہو تو تم میری بیوی، مجبوری ہے۔" وہ دونوں بازو سینے پہ لپیٹتا ہوا کتنے آرام سے بولا تھا۔

"اتار پھینکیں یہ مجبوری کا چولا، کس نے کہا ہے مجبوری کو سر پر لاد کر رکھیں۔" وہ جیسے پھٹ پڑی غم و غصے سے۔

"اتار ہی تو نہیں سکتا کہ کوئی احسان فراموش نہ کہہ دے۔" وہ آرام سے بولتا، سعیہ کا سکون درہم برہم کر گیا اس کا سارا وجود جیسے احساس توہین سے سلگنے لگا، دکھ سا دکھ تھا اس لمحے اس کے اندر جو اتر کر سارے جسم میں پھیل گیا۔

کیا تھا یہ شخص، مکار، دھوکے باز، فراڈیا کچھ اور کتنے روپ تھے اس کے، کتنے چہرے تھے جو اس نے تہہ در تہہ نقاب چڑھا کے رکھے تھے، کیا حقیقت تھی اس کی کون سا روپ اصلی تھا، کون سا چہرہ صحیح تصویر پیش کرتا تھا اس کے مکروہ ارادوں کی اور یہ حقیقت کسی اور پہ کیوں نہ منکشف ہو رہی تھی یا وہ منکشف ہونے ہی نہ دیتا تھا فرمانبرداری، سعادتمندی کا ڈھونگ رچاتا وہ اس سے محبت کے نام پہ ڈرامہ کھیلتا سب کی آنکھوں میں دھول جھونکتا تھا، جبکہ در پردہ رہی مجبوری احسان کا کلیہ

"نہیں شہریار نہیں میں تمہارا یہ ڈرامہ کامیاب نہیں ہونے دونگی، خود کو کسی احسان یا مجبوری کا طوق ہرگز نہیں بننے دے سکتی، تمہارا اصل چہرہ میں بے نقاب کرونگی اور تمہارا "اچھے بچے" والا امیج سب کے سامنے تباہ کر دونگی۔" آنکھوں میں جل تھل کے ساتھ اس کے دل و دماغ پر ضد بھی حاوی ہو رہی تھی۔

اب کیوں اس دن کی فکر کرو
جب دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا
اور سارے غم مٹ جائیں گے
تم خوف و خطر سے در گزر رو
جو ہونا ہے سو ہونا ہے
گر ہنسنا ہے تو ہنسنا ہے
گر رونا ہے تو رونا ہے
تم اپنی کرنی کر گزر رو
جو ہوگا دیکھا جائے گا

☆☆☆

وہ اپنے کپڑے پریس کر رہی تھی جب جویریہ نے اسے وہاج کے آنے کا بتایا، اریبہ نے ایک لمبا سا سانس لے کر چند لمحے سوچتی نگاہوں سے جویریہ کو دیکھا پھر جلدی جلدی کپڑوں پہ استری

مکمل کر کے انہیں ہینگ کرنے لگی۔

''میں چائے بناتی ہوں آپ آ جائیں۔'' جویریہ اسے کہہ کر نکلی، اسی وقت وہاج اندر چلا آیا سنجیدگی سے سلام کر کے وہ چیئر پہ بیٹھ چکا تھا، کپڑوں والا ہینگر وارڈ روب میں لٹکاتے ہوئے اریبہ نے ذرا کی ذرا دیکھا وہ خلاف معمول بہت خاموش تھا، اسے کچھ کچھ اندازہ تھا وہ کیا کہنے آیا ہوگا، ابھی صبح ہی تو خالہ اور ثمن ہو کر گئی تھیں شہباز کی تھانے روانگی کا سن کر افسوس کے ساتھ در پردہ بہت کچھ جتا بھی گئی تھیں۔

ان کا خیال تھا کہ گھریلو اخراجات کے ساتھ یہ ایک اضافی خرچ تھا جو وہاج پہ پڑ چکا تھا۔

''بس اب یہی سننا تھا اس گھر کے حوالے سے پہلے روپے کی خرد برد کا معاملہ پھر نجمہ کی پاگل پن میں لوگوں کا سر پھاڑنے والی حرکتیں اور اب نشئی جواری ہونے کے ساتھ ساتھ چوری کا الزام ایک معاملہ نپٹتا نہیں کہ دوسرا کھڑا ہو جاتا ہے۔'' خالہ نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔

''اب ضمانت بھی ہزاروں میں ہوگی اور وہاج بھائی تو پہلے اخراجات کے انبار تلے دبے ہوئے ہیں۔'' ثمن بھی دبے لفظوں میں بولی تو اریبہ نے چونک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

''تو اور کیا، دیکھو بیٹی خدا لگتی کہوں گی ماں اور خالہ میں کوئی فرق نہیں ہوتا اور تم تینوں میری اپنی بچیاں ہو مجھ سے بڑھ کر تمہارا دکھ کسی کو نہ ہوگا مگر اب معاملہ روپے دو روپے والا نہیں ہے، اپنی عزت بے عزتی کو ہم چھڑوا بھی لیں تو کیا ضمانت ہے کہ وہ کل کلاں کو ایسا کام دوبارہ نہیں کرے گا، نری پیسے کی بربادی، میں تو کہتی ہوں چار دن رہنے دو حوالات میں، پولیس کی چھترول ہوگی تو دماغ ٹھکانے آ جائے گا۔''

''جی میرا بھی خیال ہے کہ ایسا ہی کریں۔'' اریبہ دھیرے سے بولی۔

''بے عزتی سی بے عزتی ہے ارے شہر میں کسی کو منہ دکھانے لائق نہیں رہے، بس مولا برا وقت نہ لائے کسی پر، کیسا اچھا وقت گزر رہا تھا سب خواب کا زمانہ لگتا ہے۔'' خالہ دلسوزی سے بولیں۔

''اریبہ تم کیا کر رہی ہو آج کل۔'' ثمن نے اسے مخاطب کیا جو گم بیٹھی تھی۔

''وقت کا کیا دیکھ رہی ہوں کہ وہ ہمارے ساتھ کیا کر رہا ہے۔'' وہ تلخی سے بولی پھر سر جھٹکے ہوئے کہا تھا۔

''کوشش کر رہی ہوں جاب کے لئے دیکھو کیا بنتا ہے۔''

''اچھی بات ہے ایک تو ذہن مصروف ہو کر ٹینشن سے بچے گا پھر تمہارا گزارہ بھی آسانی سے ہو پائے گا۔'' وہ خوش ہو کر بولی تھی۔

''اب ہم لوگوں کو دیکھو ابو کی وفات کے بعد بھائی کی بھی پریشانی تھی وہ بھی جاب لیس تھے صرف امی کی سلائی پر گزارہ ہونا مشکل تھا تو ہم بہنوں نے ٹیوشنز لے کر اپنے گھر کا بوجھ اٹھایا تھا، ویسے بھی گھریلو ضرورت یا معاشی تنگدستی کی بناء پر عورت کا اپنے لئے کام کرنا محنت سے کوئی عیب، گناہ نہیں پھر جلد یا بدیر بوجھ تمہی کو اٹھانا ہے۔''

''مجھے اس بات کا احساس بخوبی ہے اور میں کوشش کر رہی ہوں جاب کے لئے مگر ابھی کچھ،

نہیں رہا خیر اللہ مالک ہے کوئی سبیل بن ہی جائے گی۔''

''ارادہ ہو تو سب ہو جاتا ہے ورنہ......'' ثمن نے بات ادھوری چھوڑی تو اریبہ نے چونک کر دیکھا کیا سنانا چاہ رہی تھی وہ؟ ایسا کیا تھا اس کے ادھورے فقرے میں جو بن کہے بھی چبھ گیا۔

''میرا مطلب ہے انسان نیک ارادہ رکھے تو اللہ سب کر دیتا ہے، وہ کہتے ہیں نا جیسی نیت ویسی مراد۔'' ثمن اس کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھ کر بات سنبھالنے کو بولی، مگر اریبہ کے چہرے پہ جو یاسیت لہرائی تھی وہ چھپا ہی نہ سکی اور اس وقت بھی اس کا چہرہ الجھی کیفیت کا غماز تھا، جس سے نکلتی وہ سر جھٹک کر بولی۔

''بہت دنوں بعد آئے ہو، آفس میں مصروفیت زیادہ رہنے لگی ہے کیا؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لبوں سے شکوہ پھسل پڑا تھا۔

''میں نہیں آیا تو تم نے کون سا بلا لیا تھا۔'' وہاج بھی گلہ کر گیا۔

''زندگی جب بھی دکھ دیتی ہے میرا دھیان سب سے پہلے صرف تم تک جاتا ہے کہ تم اس وقت میرے واحد ہمدرد ہو میں تم سے چاہے کئی دن رابطہ نہ کروں مگر دل سے یاد کا اور آنکھوں سے خواب کا سانسوں سے چاہت کا جو رشتہ ہے وہ نہیں ٹوٹتا۔'' وہ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہ پائی بس سوچ کر رہ گئی۔

''اب کہاں گم ہو چکی ہو، ایک تو یہ بار بار سوچوں کے سمندر میں غوطہ کھانے والی جو نئی بیماری تم نے پال لی ہے بہت بری ہے، خود کو حاضر رکھا کرو۔'' وہاج چڑ کر بولا۔

''آئم سوری۔'' وہ خجل سی ہوئی۔

''خاک بار دو سوری کو گھنٹہ بھر سے تم نے دو باتیں نہیں کہیں اور میں کتنا خوش آیا تھا تم سے ملنے کا تصور لے کر مگر یہاں آ کر ایک تو شہباز کا سن کر موڈ بگڑ گیا دوسرا تم عجب مذاق کر رہی ہو۔'' وہ جھلایا ہوا بولا۔

''اچھا یہ چائے پی لو، میں کچھ نہیں سوچتی تم بولو کیا کہنا ہے۔'' وہ نرمی سے ہنستی بولی۔

''شہباز نے جو کیا بہت برا کیا، میں اسی لئے کہتا تھا اس پہ نظر رکھو اب ایک دفعہ اس پہ چوری کا الزام جھوٹا سہی لگ گیا نا تو سمجھ لو پکا چور کہلائے گا کل کو محلے میں ہوا سے بھی کسی کی شے اڑ کر ادھر ادھر ہو گئی الزام اسی پہ آئے گا۔''

''کیا کرتی اور کیا کروں گھریلو حالات امی کی حالت ایسے میں کہاں کہاں دھیان دوں اور وہ تنا بدتمیز ہو گیا ہے سیدھے طریقے سے بولتا تک نہیں سمجھاتی کیسے؟''

''گھر میں کنٹرول کے لئے کسی کا خوف دبدبہ ضروری ہے، جو تم میں بالکل نہیں۔''

''میں بہت نرم مزاج ہوں پھر اپنے گھر کے لئے سخت ہونا مجھے آتا ہی نہیں۔'' اس نے بے سے اعتراف کیا تو وہاج نے کچھ دیر اس کو دیکھا جس کی خوبصورتی غربت میں بھی چمک رہی

''میں صبح اس کی ضمانت کرواتا ہوں پھر اس کے لئے کرنا کیا ہے اصل مسئلہ تو یہ ہے، بری میں قدم رکھنے کے بعد اس کا پھر سے تعلیم کے لئے متوجہ ہونا ایک ناممکن سا پراسس ہے، ابھی

اٹھارہ سال کا بھی نہیں ہوا کہیں کام پہ بھی نہیں لگ سکتا۔" وہاج کا تجزیہ بالکل درست تھا وہ کچھ بول نہیں پائی بس آنکھوں کی سرخی بڑھ گئی ایکدم۔

"خیر یہ سب سوچنا اور لائحہ عمل تیار کرنا میرا ہیڈک ہے تم اپنے چھوٹے سے دماغ کو زحمت مت دینے لگ جانا اٹھو تمہیں گھما کے لاتا ہوں تمہارا موڈ فریش ہو۔" وہ یکدم خود پہ بشاشت کا لبادہ اوڑھتا ہوا بولا تو اٹھنے سے پہلے اس نے انکار کرنا چاہا اور وہاج جیسے اس کا ارادہ بھانپ چکا تھا فوراً بولا۔

"پلیز اریبہ انکار کر کے میرا موڈ خراب نہ کرنا تمہارے پاس میں صرف خوش ہونے زندگی محسوس کرنے کو آتا ہوں۔" دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں پھنسائے بولتا ہوا وہ اسے کتنا اچھا لگا تھا اور وہ اسے ناراض کرنے کا رسک نہیں لے سکتی تھی، پہلے کون سی خوشیاں تھیں جو ایک سکھ میسر تھا وہاج حسن کی توجہ و محبت کا وہ اس سے منہ موڑنے کو ہرگز تیار نہ تھی، اپنا پسندیدہ کلر کا قدرے اچھا لباس پہنتے ہوئے اس نے لمبے سیاہ بالوں کو فولڈ کر کے کیچر لگا لیا کہ وہاج کو اس کے کھلے بالوں پہ کسی کی نظر پڑنا گوارہ نہ تھا اور وہ اس کی پسند ناپسند کو مدنظر رکھا کرتی تھی۔

جویریہ کو بتا کر وہ اس کے پیچھے قدم اٹھاتی یونہی بیرونی دروازہ عبور کرنے لگی تو اس کی سماعتوں میں کوئی زہریلا سا لہجہ گونجا تھا اور رگوں میں کوئی طاقتور بم پھٹا تھا اور ہر طرف آنکھیں آگ آئی تھیں۔

"اچھا جو تم من مانی کرتی ہو، آوارہ گردیاں کرتی ہو وہاج کے ساتھ، وہ سمجھتی ہو کسی کو نہیں معلوم۔" اس کے مسکراتے لب بھینچ گئے اور قدم رک گئے چہرے پہ بلا کی سنجیدگی در آئی۔

"آؤ رک کیوں گئی ہو؟" وہاج مسکراتے ہوئے بولا۔

"تم جاؤ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"

"شٹ اپ اریبہ، میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں جلدی آ جاؤ۔" وہ بائیک پہ بیٹھ کر سٹارٹ کرنے لگا۔

"آئم سوری وہاج یہ مذاق نہیں ہے واقعی تمہارے ساتھ نہیں جانا چاہتی۔" وہ اسی سنجیدگی سے بولی تو وہاج کا چہرہ لمحہ بھر میں سرخ ہوا تھا غصہ، ذلالت، شرمندگی کیا کچھ محسوس ہوا تھا وہ بے حد اشتعال میں بائیک کا ٹرن لیتا لمحہ بھر میں وہاں سے چلا گیا اور اریبہ خالی رہ جانے والی جگہ کو نم آنکھوں سے دیکھتی دروازے کے کھلے پٹ کا سہارا لے کر بیٹھتی چلی گئی۔

☆☆☆

زندگی کی ڈور میں کامیاب ہونے کے لئے اعتماد ضروری ہے اور وہ کامیاب زندگی جینا چاہتی تھی، اپنی زندگی میں آنے والی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو کشید کرتے ہوئے بڑی خوشیوں کے لئے راہ ہموار کرنا چاہتی تھی، دنیا کو حقیقی انداز سے دیکھتی، اپنی مخفی صلاحیتوں کو پہچانتی، اپنا احساس محرومی ختم کر کے خود کو محسوسات کی دنیا میں چاق و چوبند، خوش بناتی اپنی زندگی میں مثبت تبدیلیاں لانے کے لئے کوشاں تھی۔

ہلکی ہلکی سنو فال اور بہت زیادہ آئسنگ ائیر نے موسم منفرد بنا رکھا تھا اپنے بلیک لانگ کوٹ

کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے سر پر بڑا خوبصورت ہیٹ ترچھا کر کے رکھے اور کورٹ شوز پہنے وہ موسم کی انفرادیت کا لطف اٹھانے نکل کھڑی ہوئی، سرد موسم کے باوجود خوبصورت پرندے کسی نہ کسی برف سے ڈھکی شاخ پہ بیٹھے نظر آ رہے تھے اس نے اک مسکراہٹ ان پرندوں کی طرف اچھالتے ہوئے گویا انہیں گڈ مارننگ کا پیغام دیا تھا، اس کی طرح بہت سی حسینائیں اور منچلے نوجوان سنو فال کا لطف اٹھاتے سڑکوں پہ گھوم رہے تھے، خوشگوار موڈ لئے وہ چہل قدمی کے انداز میں جا رہی تھی کہ ایک نیگرو بھکارن نے اس کا راستہ روکا تھا وہ اپنے بچہ کو اٹھائے دودھ کا خشک ڈبہ لینے کے لئے بھیک مانگ رہی تھی، وہ بھکاریوں کو کچھ دینا ہمیشہ روپے اور نیکی کا ضیاع سمجھتی تھی اس کا خیال تھا جس کی آنکھیں اور ہاتھ پاؤں سلامت ہیں وہ لینے یا مانگنے کا مستحق نہیں نہ بخشش ایسے شخص کو لگتی ہے، اس کی اس بات پہ ایک بار اس کی کلاس فیلو للی نے ٹوکا تھا۔

"تم اگلے بندے کے حق پہ نہیں اپنی نیت پہ بھروسہ رکھا کرو جو خدا کے نام پہ دھوکہ دے اس سے دھوکہ کھا لینا چاہیے، یہ اپنے عروج اور سامنے والے کے زوال کا معاملہ بن جاتا ہے۔"

"آہ للی میری بیسٹ فرینڈ کہاں ہو تم، پلیز کم ان مائی لائف، دیکھو اپنے دوستوں کے بغیر میں کتنی ادھوری اور اکیلی ہوں۔" اس نے بے ساختہ للی کو یاد کیا تھا اور خلاف معمول اپنی جیب سے دو سکے برآمد کر کے بھکاری عورت کے ہاتھ پر رکھ دیئے، "یہ شاید زندگی میں میری پہلی نیکی ہے۔" اپنے اس عمل کو اس نے خود ہی انجوائے کیا تھا۔

بلند و بالا عمارات کے بوون سٹریٹ میں قدرے چھپے ٹرن بل ہاؤس سے گزرتی وہ ذرا کی یہ ایک دلچسپ جگہ ہے گورنمنٹ بلڈنگ لکڑی کی بنی ہوئی لمبی عمارت ہے، یہ دنیا کی دوسری بڑی لکڑی کی بنی ہوئی عمارت ہے اس کی طرز تعمیر و آرائش ویوا سے بہت فیسی نیٹ کرتے تھے، یہاں پر آج کل وکٹوریہ لاء سول ہے، اولڈ سینٹ پال پارلیمنٹ بلڈنگ کے قریب ہی ایک بوڑھا ہسپانوی بیٹھا تھا ملکی و غیر ملکی ادب کی کلیکشن لئے کتابیں شروع سے اس کا کریز تھیں کالج لائف میں اکثر فٹ پاتھ پہ بیٹھے بک سیلرز سے وہ شیکسپیئر کے اوتھیلو، شیلے اور کیٹس کے اوڈس کے علاوہ کلاسیکل وچ والے ناول پر لیا کرتی تھی۔

وہی شوق بوڑھے ہسپانوی کو دیکھتے ہوئے پھر سے اٹھ آیا تھا گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھ کر وہ مختلف کتابیں اٹھا کر دیکھنے لگی، اولڈ کلاسک رائٹرز میں چارلس ڈکنز، ہمینگوے، پرل ایس بک، ڈیفنی ڈی موریر اور سمرسٹ ماہم وغیرہ کا کلیکشن موجود تھا، ممتاز مفتی ان لو، کلیات رابرٹ فراسٹ جیسی شاہکار کتابیں بھی تھیں، اس نے چند کتابیں نکالیں اور بوڑھے ہسپانوی سے ان کی پرائس لیس پہ بات کرنے لگی، بوڑھا ہسپانوی کتابوں کو ترتیب سے رکھتے ہوئے ساتھ اسے کتابوں کی نادر و نایاب کوالٹی کے ساتھ قیمت کم نہ کرنے کا مژدہ سنا رہا تھا، جبکہ کتابیں اسے پسند آ چکی تھیں اور وہ انہیں لینے کی خواہشمند تھی مگر مناسب قیمت پر۔

بوڑھے ہسپانوی کے خشک اور قطعی انداز سیلز مینی سے مایوس ہو کر جب وہ اٹھی اسی پل اسکی نگاہ سائیڈ پر رکھی تحقیقاتی موضوعات کی بکس پر چلیں گئی، اس فہرست میں سب سے اوپر تقابلی ادیان پھر عیسائیت اور یہودیت، بدھ مت، پارسی ازم، جین مت اور اسلام سے متعلق لکھی ہوئی کچھ غیر مسلم

ادیبوں کی تصانیف تھیں جن کا اسلام کے بارے میں مطالعہ، ریسرچ تحقیق سالوں کی محنت، مشاہدے کا نچوڑ ان کتابوں میں موجود تھا، ماریا نے فیصلہ کرنے میں صرف چند منٹ لگائے تھے، پھر اس نے تقابلی ادیان کے ساتھ بدھ مت، پارسی ازم، سکھ مت اور اسلام سے متعلق تحقیقی و معلوماتی مواد پہ مبنی تصانیف خرید لیں۔

کتابیں لیے وہ گھر واپس لوٹی تو کیتھرین گھر پہ موجود تھی اور ہنستی مسکراتی ماریا کو دیکھ کر اس کے ہونٹ بے اختیار پھیلے۔

''واؤ، بہت اچھی اور خوبصورت لگ رہی ہو اسی طرح رہا کرو خوش اور فریش، اتنی پیاری ہو کر خوامخواہ حلیہ بگاڑے رکھتی ہو۔''

''اپنے آپ کو سنوارنا کیسے برا لگتا ہے سنگھار تو ویسے بھی عورت کی جان ہے، مگر مجھے اپنی جان سے زیادہ تمہاری پوزیشن کا خیال ہے، میری وجہ سے ڈاؤن نہ ہو جائے۔'' اس کا انداز سراسر شرارتی تھا جس سے کیتھرین جی بھر کر محظوظ ہوئی۔

''تم میری فکر چھوڑو بس خود کو توجہ دو اور زندگی جواب میں تمہیں توجہ دے گی۔''

''تمہارا فارمولہ میں نے سمجھو گھول کر پی لیا ہے، آج سے میرا مشن یہی ہے مثبت انداز فکر اپنائے مایوسی محرومی ناکامی اور احساس کمتری کو دور بھگایئے۔''

''اچھی بات ہے زندگی انجوائے کرنے والی چیز ہے، خوشی غم اتار چڑھاؤ کامیابی ناکامی زندگی کا حصہ ہیں انہیں پوری زندگی سمجھ لینا یا ہار دکھ کو خود پہ طاری کر کے بیٹھ رہنا سب سے بڑی بیوقوفی ہے، توازن میں ہی زندگی کا مزا اور حسن ترتیب ہے۔''

''الس او کے ڈیئر مگر اس توازن کا فائدہ۔'' اس نے بڑے اسٹائل سے پوچھا۔

''فرسٹریشن، ٹینشن اسٹریس سے بچاؤ اور ایسی بیماریوں کا شکار لوگ عام لوگوں کی طرح سماجی کامیابیوں کے لئے کوشش نہیں کرتے پھر بغیر کسی وجہ کے حوصلہ ہار دیتے ہیں۔''

''اور مجھے حوصلہ ہارنا نہیں جیتنا ہے۔''

''بالکل حوصلے سے ہی زندگی بھرپور بنتی ہے یہ حقیقت ہے کہ احساس کمتری کا علاج ایک انتہائی مشکل کام ہے کیونکہ اس احساس کی ابتدا تمہارے اندر بالکل بچپن سے ہوئی اور وہ نقوش جو بچپن میں ثبت ہوں گہرے ہوتے ہیں اور انہیں دور کرنا مشکل ہوتا ہے، لیکن اگر وہ نقوش دور نہ کیے جائیں تب بھی ان کو خود سے پیدا کردہ خوشگوار خیالات اور احساسات سے کمزور بنایا جا سکتا ہے اس طرح وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ احساس کمتری کے جذبے کو اسی رویے سے ختم کر کے ایک خوشگوار اور خوبصورتی زندگی گزاری جا سکتی ہے۔''

''جیسے میں گزارنے جا رہی ہوں۔'' وہ مسکرائی۔

''آف کورس اور اسی خوشی میں ایک اور خوشخبری شامل کر لو میں نے اپنے وفد کے انچارج سے بات کر لی ہے، تم ہمارے ساتھ جا رہی ہو۔''

''واقعی، اوہ مائی پلیژر۔'' وہ خوشی سے کیتھرین سے لپٹ گئی۔

''Thanks my sweet heart تم واقعی بہت اچھی ہو۔''

''Most wellcome مگر ایک شرط ہے جانے کی۔''

''تم بولو میں ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔'' وہ بخوشی بولی۔

''نمبر ایک تم اپنے ذاتی خرچہ پر وفد کے ہمراہ ہو گی مطلب تمہارا شمار بطور رکن ہو گا مگر آمد و رفت کا سارا خرچ تم اپنے طور پر کرو گی، نمبر دو تمہیں گھومنے پھرنے کچھ بھی کرنے یا کہیں ٹھہرنے کے لئے باقاعدہ وفد کے انچارج کو اطلاع دینا ہو گی علاوہ ازیں ان دو شرائط کے تم ہر تعاون میں ہم کو مخلص پاؤ گی یہ دونوں شرائط بھی کچھ تحفظات اور زیادہ تر تمہاری کسٹڈی کے سلسلہ میں ہیں امید ہے تم یہ نکتہ سمجھ گئی ہو گی۔'' وہ مسکرائی۔

''I con understand no tention۔''

''بس تو پھر ٹھیک ہے ہم کچھ ضروری ڈریسز خریدیں گے وہاں کے موسم کے حساب سے اور اپنی ضروری پیکنگ کل پہ رکھتے ہیں پرسوں روانگی ہے، تم جو بھی مارکیٹ سے لینا چاہو اور جو کچھ ساتھ لے جانا ہے اس کی لسٹ بناؤ پھر اپنی شاپنگ اور پیکنگ مکمل کریں۔''

''او کے، میں لسٹ بنا لوں پھر۔''

''پہلے کھانا کھا لیں یہ کام بعد میں کرنا مجھے بہت بھوک لگی ہے۔'' کیتھی نے کہا۔

''Ok as you wish۔'' وہ کچن میں جا کر کھانا گرم کرنے لگی۔

(باقی آئندہ ماہ)

اگر چہ خود کو سب سے دور کرنے اور تنہا ہونے میں سراسر قصور اس کا اپنا تھا، مگر پھر بھی اسے اس طرح روتے دیکھ کر بھابھی کو اس پہ ڈھیروں ترس آیا تھا۔

''کیا بات ہے رابیل! تم ٹھیک تو ہو نا؟ آج میں ڈیڈ کی طرف گئی تھی وہ بھی تمہارا پوچھ رہے تھے کہہ رہے تھے تم کچھ دنوں سے آفس بھی نہیں آ رہی ہو۔'' بھابھی نے وہیں صوفے پہ اس کے برابر بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بہت پیار سے پوچھا تھا اگر چہ کچھ دیر پہلے تک اس کے بارے میں ان کا اپنا خیال یہ تھا

''ہاں ٹھیک ہوں اور آفس اس لئے نہیں جا رہی ہوں کہ میں نے جاب چھوڑ دی ہے، میں نے شاذل کو فون پہ بتا دیا تھا، اس نے انکل کو بتایا نہیں ہوگا۔''

''جاب چھوڑ دی، کیا مطلب؟'' بھابھی نے حیران نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''چھوڑ دی، مطلب اب میں آفس نہیں جایا کروں گی، اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے۔'' بھابھی کے پوچھنے پہ اس نے کافی بگڑے ہوئے تیوروں سے جواب دیا تو بھابھی اس کا جواب سن کر چپ چاپ اس کا چہرہ دیکھنے لگیں تھیں، کیونکہ انہیں بہت اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے کس طرح سب کی مخالفت مول لے کر یہ جاب شروع کی تھی، تب اس نے کسی کی پرواہ نہ کی تھی، بابا جان کے غصے نہ ہی اماں جان کی ناراضگی کی اور نہ ہی کسی اور کے محبت بھرے دل کی، بھابھی کا دل تو کیا کہ کہیں دیں ''اب یہ سب چھوڑ دیا نہ کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔'' مگر وہ یہ بات صرف دل میں ہی سوچ سکیں کہا کچھ نہیں کیونکہ اس کے اداس اداس چہرے کو دیکھ کر انہیں شاید اس پہ ترس آ گیا تھا، وہ یہ جان گئیں تھیں کہ پچھتاؤں کے ناگ اب اسے بھی ڈسنا شروع ہو گئے تھے اور جو خود پچھتانے لگیں انہیں پھر کوئی بھی بات نہیں جتانی چاہیے وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہیں پھر اٹھ کر جانے لگیں جب اس نے پوچھا۔

''بھابھی! اب بابا جان کی طبیعت کیسی ہے؟'' اس کی بات سن کر بھابھی نے جاتے جاتے پلٹ کر اسے دیکھا تھا مگر وہ ان کی طرف دیکھنے کے بجائے سامنے دیوار پہ لگے کلاک کو دیکھ رہی تھی۔

''اب پہلے سے قدرے بہتر ہیں، ڈاکٹر کے پاس جا ہی نہیں رہے تھے آج بھی علیان زبردستی لے کر گئے ہیں۔'' بھابھی کہتے ہوئے دوبارہ اس کے برابر بیٹھ گئیں، پھر کچھ توقف سے بولیں۔

''رابیل ایک بات کہوں، مائنڈ تو نہیں کرو گی۔'' اس نے بھابھی کی طرف دیکھتے ہوئے سر کو نفی میں ہلا دیا۔

''تم بابا جان کے سامنے مت جایا کرو، تمہیں سامنے دیکھ کر ان کی طبیعت اور بھی خراب ہو جاتی ہے، آج صبح بھی تمہیں ان کے کمرے میں نہیں جانا چاہیے تھا۔'' کچھ پل خاموشی سے اسے دیکھنے کے بعد بھابھی نے بہت آہستہ آواز میں اس سے کہا تھا، بھابھی کی بات سن کر اس کے چہرے پہ ایک تاریک سا سایہ لہرا گیا تھا، کتنی ہی دیر اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا تھا، وہ خالی خالی نظروں سے بھابھی کا چہرہ دیکھنے گئی، وہ صبح بابا جان کی طبیعت کا پوچھنے کے لئے ان کے کمرے میں گئی تھی انہیں پچھلے دو ہفتوں سے ٹمپریچر تھا، ایک بار بھی ان کے پاس نہ گئی تھی کیونکہ اسے سامنے پا کر وہ جس طرح نفرت سے منہ موڑ لیتے

کہ ان سے جا کر ان کا حال پوچھ لے، آج صبح بھی اپنی تمام ہمتیں جمع کرتے ہوئے وہ ان کے کمرے میں گئی تھی، بابا جان جو بیڈ پہ نیم دراز علیان بھائی سے کوئی بات کر رہے تھے اسے دیکھ بے حد نفرت سے بولے تھے۔

''علیان اسے باہر نکالو، اس کی جرأت کیسے ہوئی ہے میرے کمرے میں آنے کی۔'' ان کے لہجے میں اس کے لئے نفرت ہی نفرت تھی، اس کے قدم ان کے کمرے کے وسط میں ہی ساکت ہو گئے تھے، پھر وہ چپ چاپ واپس آ گئی، اس وقت بھی صبح کا منظر پوری جزئیات سے اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم گیا تو ایک بار پھر آنسو اس کی آنکھوں سے برسنے لگے مگر اس بار اس نے انہیں چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

''بھابھی! بابا جان میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں، پلیز بتائیں نہ کیوں کرنے لگے ہیں وہ مجھ سے اتنی نفرت؟ میں نے اس سے یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ یہ گھر چھوڑ کر چلا جائے، وہ یہ گھر خود چھوڑ کے گیا ہے۔'' اس نے روتے ہوئے دونا بھابھی سے کہا تھا یا خود کو فریب دیا تھا۔

''رابیل خدا کے لئے بس کر دو اب اور چپ ہو جاؤ، ضروری نہیں ہے کہ ہم زبان سے ہی کسی کو کچھ کہیں ہمارا رویہ بھی مقابل پہ بہت کچھ دیتا ہے اور تمہارا رویہ اس کے ساتھ جو تھا وہ میں بھی جانتی ہوں اور بابا جان بھی؟ اس لئے اب اس طرح مت رویا کرو، بلکہ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے کہ تم تو یہ سب ہی چاہتی تھی۔'' اس کے رونے پہ بھابھی نے گھور کر اسے دیکھا تھا بھابی غصے سے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کمرے سے نکل گئیں جبکہ رابیل گھٹنوں پہ سر رکھ کر سے رونے لگی تھی اور پھر پچھلی بہت سی راتوں کی طرح یہ ساری رات بھی اس نے روتے ہوئے اپنے رب سے اس شخص کی واپسی کی دعائیں کرتے ہوئے گزار دی تھی، ایک وقت وہ بھی تھا جب وہ اپنی زندگی سے اس کے نکل جانے کی دعائیں کرتی تھی، اب وہ چلا گیا تھا تو جیسے زندگی میں کچھ بچا ہی نہ تھا۔

☆☆☆

عبدالرحمان بخاری کی دو اولادیں تھیں بیٹا اسجد رحمان بخاری اور بیٹی فاطمہ بخاری، جس وقت عبدالرحمان بخاری کا انتقال ہوا اس وقت اسجد رحمان بخاری نہ صرف شادی شدہ تھے بلکہ ان کا پانچ سال کا بیٹا، علیان بھی تھا، اسجد بخاری سے چھوٹی فاطمہ اس وقت یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھی، فاطمہ کو یونیورسٹی میں ملتان سے تعلق رکھنے والے اپنے کلاس فیلو حسن ملک سے محبت ہو گی حسن ملک اس سے شادی کرنا چاہتا تھا مگر اس کے فادر جو بہت بڑے جاگیردار تھے وہ فاطمہ بخاری کو اپنی بہو بنانے سے انکار کر دیتے ہیں وہ اپنے بیٹے کی شادی اپنی بھتیجی عاصمہ ملک سے کرنا چاہتے ہیں، ان کے انکار کے بعد حسن ملک خود ہی اپنا پرپوزل لے کر بخاری ہاؤس آتا ہے مگر اسجد بخاری یہ کہتے ہوئے انکار کر دیتے ہیں کہ وہ اس وقت تک فاطمہ کی شادی حسن ملک سے نہیں کریں گے جب تک حسن کے فادر خود رشتہ لے کے نہیں آتے، ان کے انکار پہ فاطمہ ناراض ہو کر حسن ملک سے کورٹ میرج کر لیتی ہے۔

اسجد بخاری، فاطمہ سے اپنا ہر تعلق ختم کر لیتے ہیں، فاطمہ کے جانے کے ایک سال بعد اسجد بخاری کی بیگم بلقیس بخاری نے ایک بیٹی کو جنم دیا تو اسجد بخاری جنہیں پہلے بیٹی کی بہت خواہش تھی رابیل کی پیدائش پہ کسی قسم کی خوشی کا اظہار نہیں کرتے، کیونکہ فاطمہ نے جو کچھ کیا تھا اس کے بعد تو انہیں لفظ بیٹی سے ہی چڑ ہو جاتی

ہے، رابیل ابھی اڑھائی سال کی ہی ہوتی ہے جب فاطمہ بخاری اپنے چھ ماہ کے بیٹے احمر حسن کو لے کر بخاری ہاؤس واپس آ گئیں مگر وہ اس فاطمہ سے یکسر مختلف ہوتی ہے جو فاطمہ کچھ عرصہ قبل یہ گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی وہ تو صرف ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ تھی حسن ملک نے اسے طلاق دے کر دوسری شادی کر لی تھی، اپنی زندگی کے برباد ہونے کا دکھ فاطمہ کو اندر ہی اندر ختم کر گیا اور بخاری ہاؤس واپس آنے کے چھ ماہ بعد ہی فاطمہ بخاری کا انتقال ہو گیا، فاطمہ کے بعد اسجد بخاری اور بلقیس بخاری احمر حسن کو اپنے بچوں علیان اور رابیل سے بھی زیادہ پیار سے اس کی پرورش کرتے ہیں۔

اسجد بخاری کی تو اس میں جان ہوتی ہے وقت اسی طرح گزرتا ہے اور مونا بھابھی جب بیاہ کر اس گھر میں آئیں ہیں تو انہیں بھی مسکراتی آنکھوں والا شریر سا احمر حسن اپنے چھوٹے بھائیوں کی طرح عزیز ہو جاتا ہے، رابیل کی بھی خود سے دو سال چھوٹے احمر سے بہت دوستی ہوتی ہے کہ بلکہ اسے تو احمر، علیان بھائی سے بھی زیادہ عزیز ہوتا ہے۔

☆☆☆

''نا بھئی نا بہت ہو گیا اب میں تو نہیں کھیل رہی۔'' وہ چاروں اس وقت لاؤنج میں بیٹھے کارڈز کھیل رہے تھے، مسلسل چار دفعہ ہارنے کے بعد مونا بھابھی کی برداشت جواب دے گئی تو وہ اٹھنے لگی مگر علیان بھائی جو نہ صرف اس وقت کھیل میں ان بلکہ لائف پارٹنر بھی تھے انہوں نے جیسے تیسے کر کے ان کو دوبارہ کھیلنے پہ آمادہ کر ہی لیا۔

''ارے بیگم! بس آخری بار، ہار ایک دفعہ تو انہیں ہار لینے دو ورنہ مجھے تو رات کو سکون سے نیند بھی نہیں آئے گی، پلیز بس ایک بار اور کھیل لو۔'' مگر جب پانچویں مرتبہ بھی ہار ان دونوں کا مقدر بنی تو بھابھی تلملا کر اٹھ کھڑی ہوئیں، تو رابیل اور احمر نے علیان بھائی کا خوب ریکارڈ لگایا۔

''میری توبہ جو نیکسٹ ٹائم میں آپ کی ساتھی بنی، آج کے بعد ہم پارٹنر بدلیں گے آپ اور رابیل ہوں گے میں اور احمر۔'' بھابھی کا تو غصہ ہی کم نہ ہو رہا تھا سو انہوں نے علیان بھائی کو پارٹنر بنانے سے ہی انکار کر دیا۔

''ارے واہ یہ کیا بات ہوئی؟ احمر میرے ساتھ ہی کھیلے گا، کیوں احمر جانی۔'' مونا بھابھی کی پارٹنر بدلنے والی بات رابیل کو بالکل بھی پسند نہ آئی تو وہ چیخ اٹھی کیونکہ وہ دونوں تو علیان بھائی اور بھابھی کی نظروں سے بچ بچا کر ایک دوسرے کو اپنے اپنے کارڈز دکھا دیا کرتے تھے اور ان کی مسلسل جیت کی وجہ بھی یہی گر تھا اور ان مسلسل کامیابی کے اس راز کو بیچارے بھائی اور بھابھی آج تک نہ پا سکے تھے۔

''بالکل، بھئی میں تو اپنا پارٹنر نہیں بدلوں گا۔'' احمر کو بھی بھابھی کی بات پسند نہ آئی تھی، رابیل کے دائیں طرف صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھتے ہوئے اس نے بھی دہائی دی تو مونا بھابھی اس کو گھورنے لگیں۔

''ویسے بھابھی اس میں بیچارے بھائی کا کیا قصور ہے انہیں آپ کو دیکھنے سے فرصت ملے تو ہی وہ کارڈز ملائیں۔'' احمر نے شرارتی نگاہ سے بھابھی کی طرف دیکھتے ہوئے ان پہ چوٹ کی تو رابیل اور علیان بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس دیئے جس پہ بیچاری مونا بھابھی نے شرما کر وہاں سے کھسکنے میں ہی عافیت سمجھی۔

''بڑی تیز چیز ہے تو تو یار! میں تو ایویں معصوم سمجھتا ہوں، پر اس میں تیرا بھی کو

قصور نہیں ہے رابیل کی شاگردی میں رہو گے تو ایسا تو ہو گا ہی۔'' علیان بھائی رابیل کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا تو رابیل جو نیچے کارپٹ پہ صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی، احمر کے کندھے کے گرد بازو حمائل کرے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''جی نہیں میرا بھائی تو اتنا معصوم ہے کیوں احمر جانی۔'' خود سے دو سال چھوٹے احمر کو وہ ہمیشہ پیار سے احمر جانی ہی کہا کرتی تھی، رابیل کی بات پہ وہ اس کے کندھے پہ سر رکھ کر علیان بھائی کا منہ چڑانے لگا، مگر جب اس کی نظر اپنے کمرے سے نکلتے بابا جان پہ پڑی تو وہ بوکھلا کر سیدھا ہوا تھا۔

''اوہ مارے گئے یار بابا جان۔'' مگر اس سے پہلے کہ وہ زمین پہ بکھرے کارڈز سمیٹتے بابا جان ان کے سر پہ پہنچ چکے تھے۔

''تم لوگ ابھی تک سوئے نہیں۔'' بابا جان نے کڑے تیوروں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ٹائم دیکھا ہے اس وقت، بارہ بجنے کو ہیں اور تم علیان کب سدھرو گے، دو بچوں کے باپ بن گئے ہو مگر حرکتیں وہی رہی، روزانہ آفس دیر سے پہنچتے ہو۔'' بابا جان کی توپوں کا رخ علیان بھائی کی طرف دیکھ کر احمر اور رابیل دل ہی دل میں آل تو جلال تو ورد کرتے ہوئے اپنے بچنے کی دعائیں کرنے لگے، کیونکہ اس وقت بابا جان بہت غصے میں تھے بابا جان کو دیر تک جاگنے سے چڑ تھی۔

''اور تم احمر صاحب، اب بچے نہیں رہے ہو کہ ایک ہی بات بار بار بتانا پڑے، صبح آوازیں دے دے کر تھک جاتا ہوں میں مگر مجال ہے جو تم سے مس بھی ہوں۔'' بابا جان کی توپوں کا رخ اب علیان بھائی سے احمر کی طرف منتقل ہو چکا تھا، تو احمر کے ساتھ کھڑی رابیل کی ٹانگیں کانپنے لگیں کہ اب بابا جان کا اگلا ٹارگٹ وہ تھی اور پھر ایسا ہی ہوا۔

''ہاں تو رابیل بی بی! کوئی کا کام کہہ دیں تو فوراً پڑھائی یاد آ جاتی ہے مگر ان فضولیات کے لئے تو آپ کے پاس بہت وقت ہے۔'' بابا جان نیچے کارپٹ پہ بکھرے کارڈز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انتہائی غصے سے گویا ہوئے تو رابیل کا جھکا ہوا سر کچھ اور جھک گیا، بابا جان کا رویہ ہمیشہ سے اس کے ساتھ سخت رہا تھا۔

''چلو اٹھاؤ یہ سب اور دفعہ ہو جاؤ اپنے اپنے کمروں میں۔'' بابا جان یہ کہہ کر کمرے میں چلے گئے تو ان تینوں نے اپنا رکا ہوا سانس بحال کیا۔

''تھینکس گاڈ یار بچت ہو گئی ورنہ میرا تو خیال تھا کہ آج ڈانٹ کے ساتھ ایک دو تھپڑوں کا اضافہ ہوا کہ ہوا، ویسے علیان بھائی آج بابا جان کا موڈ اتنا خراب کیوں ہے؟'' بابا جان کے جانے کے بعد رابیل نے علیان سے بابا کے خراب موڈ کی وجہ پوچھی تو وہ کندھے اچکا کے رہ گئے۔

''مجھے کیا پتہ ویسے ان کا موڈ خوشگوار کب ہوتا ہے میں تو ہمیشہ سے ایسا ہی دیکھتے ہوئے آیا ہوں انہیں۔'' علیان بھائی کے جواب پہ وہ مسکرا دی تھی، جبکہ احمر نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر دیا تو علیان بھائی نے اسے فوراً منع کیا تھا۔

''اوئے یار کیا ابھی جو بے عزتی ہوئی ہے وہ کم ہے جو تم اور کروانے کا بندوبست کر رہے ہو۔'' علیان بھائی کے کہنے پہ وہ ٹی وی آف کرنے لگا مگر رابیل نے روک دیا کیونکہ سٹار گولڈ پہ اس کی فیورٹ فلم چل رہی تھی، رابیل تو مووی دیکھنے لگی مگر علیان بھائی اٹھ کر چلے گئے، احمر بھی

بیٹھا رہا کیونکہ یہ مووی اس کو بھی بہت پسند تھی، ابھی انہیں مووی دیکھتے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری تھی جب بابا جان کی آواز دوبارہ سنائی دی وہ احمر کو بلا رہے تھے۔

''کیا مصیبت ہے میں تو کل سے الگ بیڈ روم میں سویا کروں گا، تھوڑی سی دیر ہو جائے تو آوازیں دینے لگتے ہیں۔'' وہ جلتا بھنتا ریموٹ پھینک کر کھڑا ہو گیا، بابا جان اس کے کمرے میں سویا کرتے تھے کیونکہ اس کو بچپن سے استھما کا مرض تھا، سوتے میں اکثر اس کا سانس اکھڑ جاتا تھا جس کی وجہ سے اکثر دیر سے سونے پہ ڈانٹ پڑ جاتی تھی، جیسا کہ ابھی ہوا تھا، رابیل اس کا سوجا ہوا چہرہ دیکھ کر مسکرا دی اس کی مسکراہٹ نے جلتی پہ تیل کا کام کیا تھا۔

''آپ کیوں ہنس رہی ہیں میں جا کے بتاتا ہوں بابا جان کو کہ رابیل آپی مووی دیکھ رہی ہیں، وہ دھمکی دیتے ہوئے کمرے میں چلا گیا تو رابیل کتنی ہی دیر تک ہنستی رہی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس نے صرف دھمکی دی ہے ایسا کرے گا کبھی نہیں۔''

احمر انتہائی خراب موڈ کے ساتھ جا کے بابا جان کہ دوسری سائیڈ پہ ان کی طرف کروٹ بدل کر لیٹ گیا تو بابا جان سمجھ گئے کہ وہ ناراض ہے کیونکہ وہ جب بھی ناراض ہوتا تھا ایسے ہی کرتا تھا، ورنہ عام حالات میں تو وہ کتنی دیر تک بابا جان سے باتیں کرتا رہتا تھا کہ انہیں ٹوک کر کہنا پڑتا تھا کہ اب سو جاؤ۔

''لگتا ہے میرا بیٹا مجھ سے ناراض ہو گیا ہے۔'' انہوں نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اس کا رخ اپنی جانب کیا تو اس کا پھولا ہوا چہرہ دیکھ کر مسکرا دیتے۔

''تم جانتے ہو نا وہاں لاؤنج میں اتنی ٹھنڈ میں بیٹھنے سے تمہاری طبیعت خراب ہو سکتی ہے، ابھی پچھلے ہفتے تمہاری جو حالت ہوئی تھی وہ تمہیں یاد تو ہو گی ہی، خدانخواستہ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں......'' اس سے آگے ان کی آواز بھرا گئی تو احمر نے ایکدم ان کے گرد بازو پھیلا دیا۔

''اوہو بابا جان آپ بھی نہ بس کچھ نہیں ہو گا مجھے۔''

''تمہیں کچھ ہونا بھی نہیں چاہیے، میں اپنی بہن کو تو کھو چکا ہوں یار مگر تمہیں کھونے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔'' بابا جان نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے اسے ساتھ لگا لیا۔

☆☆☆

رابیل کی دوست سیماب کا برتھ ڈے تھا اس نے سب دوستوں کو پارٹی میں انوائیٹ کیا تھا سیماب رابیل کی بیسٹ فرینڈ تھی اس لئے وہ صبح سے ہی پریشان تھی کہ بابا جان سے کیسے اجازت لی جائے کیونکہ بابا جان کو رات کو لڑکیوں کا گھر سے نکلنا بالکل بھی پسند نہ تھا، اس وقت بھی وہ مسکین سی صورت بنائے اماں جان کو منا رہی تھی۔

''اماں جان پلیز مان جائیں نا قسم سے بس ایک گھنٹے میں واپس آ جاؤں گی اپنی اکلوتی بیٹی کا کچھ تو احساس کر لیں۔'' اس نے مسکین سے لہجے میں اماں سے التجا کی۔

''نا بی بی نا! یہ چکر کسی اور کو دینا تمہارے ایک گھنٹے کا مطلب میں اچھی طرح جانتی ہوں، سہیلیوں میں بیٹھ کر تو تمہیں کچھ بھی یاد نہیں رہتا، ندا کی بہن کی مہندی میں بھی تم ایک گھنٹے کا کہہ کر گئی تھی اور آدھی رات کو واپس آئی تھیں تمہارے باپ سے میری عزت افزائی جو ہوئی تھی آج تک یاد ہے مجھے۔'' اماں نے اس کی کسی بھی التجا کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے کورا جواب دیا تو اماں کی

طرف سے مایوس ہو کر وہ مونا بھابھی کے پاس چلی آئی جو سعد اور طوبیٰ کو سلانے کی کوشش میں مصروف تھیں اس نے اپنا مسئلہ ان کے سامنے پیش کیا، پہلے تو انہوں نے بھی صاف انکار کر دیا مگر پھر اس کی منت سماجت پہ انہوں نے کسی نہ کسی طرح بابا جان سے اجازت لے ہی دی۔

''سنو ایک گھنٹے کا مطلب ایک گھنٹہ ہی ہوتا ہے، میں نے بابا جان سے جھوٹ بولا ہے کہ تمہیں اپنی فرینڈز سے نوٹس لینے ہیں کیونکہ کل تمہارا بہت اہم ٹیسٹ ہے، اس لئے پلیز اب میری لاج رکھنا اور جلدی آ جانا ورنہ آج کے بعد پھر مجھ سے کسی بھی قسم کی فیور کی امید مت رکھنا۔'' بھابھی نے اسے جلدی آنے کی وارننگ دی۔

''اوہ مائی سویٹ بھابھی، صدا سکھی رہو۔'' اس نے جھٹ پٹ سے بھابھی کے سرخ و سفید گال چوم ڈالے اور باہر کو بھاگی مگر جب نظر لاؤنج میں ٹی وی دیکھتے احمر پہ پڑی تو اس نے سوچا کہ اسے بھی ساتھ لے لے کیونکہ نو بج چکے تھے باہر اچھا خاصا اندھیرا چھا چکا تھا اور ویسے بھی بابا جان کو لڑکیوں کا رات کو گھر سے نکلنا ناپسند تھا تو اکیلے تو نکلنا تو سخت ناپسند، سو اس نے احمر کو بھی ساتھ لے لیا، ان کا سارا گروپ آیا ہوا تھا، وہ سب سے لیٹ پہنچی تھی، سیماب جواب بھی سمجھ رہی تھی کہ شاید وہ نہیں آئے گی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی جبکہ دوسری طرف زین عباس چوہدری کی بڑی بڑی روشن آنکھیں اسے دیکھ کر مزید روشن ہو گئیں تھیں، سب سے باتوں کے دوران اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا تھا جب گھڑی پہ نظر پڑی تو گیارہ بج چکے تھے۔

''اوہ مائی گاڈ۔'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔

''اچھا سیماب اب مجھے اجازت دو ایکچوئیلی اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' اس نے اماں کی خرابی طبیعت کا بہانہ بنایا جانتی تھی کہ ویسے تو سیماب جانے نہیں دے گی سیماب سے اجازت لے کر اس نے احمر کی تلاش میں نگاہ دوڑائی تو وہ جو کچھ دیر قبل شاذل سے باتوں میں مگن تھا اب وہاں نہ تھا اس نے شاذل سے پوچھا تو اس نے بھی لاعلمی کا اظہار ''ابھی تو یہیں تھا شاید واش روم گیا ہو'' وہ وہی شاذل کے پاس کھڑی ہو کر باتیں کرنے لگی، شاذل صرف اس کا کلاس فیلو ہی نہ تھا بلکہ اس کے بابا کے دوست ظہیر بخاری کا بیٹا اور اس کی پیاری سی مونا بھابھی کا بھائی بھی تھا۔

''کہاں چلا گیا ہے؟'' کچھ دیر شاذل سے باتیں کرنے کے بعد اس نے اردگرد نگاہ دوڑائی احمر کہیں بھی نظر نہ آیا تو اسے اچھی خاصی تشویش نے گھیر لیا، وہ اسے ڈھونڈتی باہر پورچ میں نکل آئی، وہ وہاں بھی نہ تھا۔

''گاڑی بھی وہیں کھڑی تھی تو پھر کہاں جا سکتا ہے۔'' وہ حقیقتاً پریشان ہو گئی تھی شاذل بھی اس کے پیچھے چلا آیا، اسی نے اس سے کہا تھا کہ وہ احمر کے موبائل پہ کال کر کے پوچھ لے کہ وہ کہاں ہے، اس نے فوراً بیگ سے موبائل نکال کر احمر کے نمبر پہ رنگ کیا دوسری طرف سے وہ اٹھا ہی نہ رہا تھا تو اس نے جھنجھلا کر موبائل آف کر دیا۔

''بیل جا رہی ہے مگر وہ اٹھا نہیں رہا۔'' اب تو وہ تقریباً رو دینے کو تھی، اب تو بابا جان سے بے عزتی ہونا لازم تھا۔

''ڈونٹ بی نروس یار! وہ کوئی بچہ تو نہیں جو تم ایسے پریشان ہو رہی کہ وہ گم ہو جائے گا، بی ایس سی کا سٹوڈنٹ ہے۔'' شاذل نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

''تم یہی ٹھہرو میں اندر سے ایک بار پھر دیکھ کر آتا ہوں۔'' شاذل کے کہنے پہ وہ دل ہی دل میں احمر کو ڈھیروں گالیوں سے نوازتے ہوئے وہیں پلر سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے جونہی اس کی نظر سامنے لان میں سیمنٹ کے بینچ پر بیٹھے احمر پر پڑی غصے کی ایک تیز لہر نے اسے سرتا پا جکڑا تھا، وہ غصے میں بھری تیز تیز چلتے ہوئے اس تک پہنچی تھی اس کا ارادہ احمر کی اچھی خاصی کلاس لینے کا تھا۔

''احمر کے بچے یہاں کیا کررہے ہو میں اتنی دیر سے تمہیں ڈھونڈ......'' تیز تیز بولتے ہوئے جب اس کی نظر احمر پہ پڑی جو کھانسنے کے ساتھ ساتھ اپنے ہاتھ سے سینے کو مسل رہا تھا تو وہ اپنی بات مکمل کیے بغیر تقریباً دوڑتی ہوئی اس تک پہنچی تھی۔

''احمر تم...... تم ٹھیک تو ہو نا۔'' اس نے کندھے سے پکڑ کر احمر کو سیدھا کیا تو اس کے خطرناک حد زرد چہرے اور نیلے ہونٹ دیکھ کر اسے اپنی ٹانگوں سے جان نکلتی محسوس ہوئی تھی کھانستے ہوئے اس کے گلے سے وہی مخصوص سی آوازیں آرہیں تھیں جو استھما کے اٹیک کے دوران آتی تھیں۔

''احمر تمہارا ان ہیلر کہاں ہے۔'' احمر سے پوچھنے کے ساتھ ساتھ ہی اس نے کانپتے ہاتھوں سے اس کی جیکٹ کی جیبیں ٹٹول کر ان ہیلر تلاش کرنا شروع کردیا، مگر ان ہیلر ہوتا تو ملتا، بے بسی کے احساس سے اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے، ایک بار پھر اس نے احمر کو جھنجھوڑتے ہوئے ان ہیلر کا پوچھا تھا مگر وہ جواب دینے کی پوزیشن میں ہوتا تو دیتا۔

''شاذل...... شاذل جلدی آؤ۔'' پھر وہ چیخ چیخ کر شاذل کو آوازیں دینے لگی اس کی آواز سن کر نہ صرف شاذل بلکہ عمر اور زین وغیرہ بھی آ گئے تھے، وہ لوگ ہی اسے ہاسپٹل لائے تھے شاذل نے فون پہ علیان بھائی کو بھی مطلع کردیا تھا، تقریباً دس منٹ بعد اس نے علیان بھائی کے ساتھ بابا جان کو آتے دیکھا تو اسے اپنے جسم سے رہی سہی جان بھی نکلتی محسوس ہوئی تھی، اگرچہ تب تک احمر کی طبیعت کافی حد تک سنبھل چکی تھی مگر وہ پھر بھی ڈر رہی تھی کہ احمر کو ساتھ لانے پہ بابا جان سے اس کی بے عزتی تو ضرور ہوگی، مگر شاذل، زین اور عمر کی وجہ سے اس کی بچت ہوگئی تھی کہ بابا جان اس پہ صرف ایک قہر بھری نگاہ ڈال کر احمر کی طرف متوجہ ہوگئے تو اس نے جان چھوٹنے پہ خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

☆☆☆

شاذل، مزا، حرا، سیماب سب لوگوں نے آج چھٹی کی تھی صرف وہ اور بسمہ ہی آئیں تھیں۔

''بھوک سے میری تو جان نکلی جارہی ہے چلو کچھ کھا آتے ہیں۔'' سر سرمد کی کلاس لینے کے بعد جونہی وہ باہر نکلیں بسمہ نے دہائی دی وہ بھوک کی بہت کچی تھی اور آج صبح تو اس نے ناشتہ بھی نہ کیا تھا، صبح سے اب تک کوئی پانچ مرتبہ وہ رابیل سے کینٹین چلنے کا کہہ چکی تھی۔

''ہاں تو ٹھیک ہے جاؤ یہیں لے آؤ جو کچھ کھانا ہے۔'' رابیل بکس اور فائل گھاس پہ پھینکنے کے بعد خود بھی تقریباً گرنے والے انداز میں بیٹھ گئی تو بسمہ نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

''اب جاؤ بھی یا مجھے کھانے کا ارادہ ہے۔'' رابیل نے ہنستے ہوئے کہا تو بسمہ پاؤں پٹختی ہوئی کینٹین کی سمت چل دی، بسمہ کے جانے کے بعد اس نے سوچا کہ فون پہ سیماب سے تو پوچھے کہ وہ آج کیوں نہیں آئی موبائل نکالنے کے لئے

...ی اپنا بیگ کنگھال رہی تھی جب پیچھے سے ...چوہدری کی آواز سنائی دی۔

''ہائے رابیل کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے ...رد یکھا وہ اسی کی طرف آرہا تھا۔

''کیا بات ہے آج آپ اکیلی نظر آرہی ...تی فرینڈز کہاں ہیں۔'' زین نے قریب ...ہوئے پوچھا۔

''جی وہ حرا اور ندا تو اپنے کزن کی شادی ...رکت کے لئے اپنے گاؤں گئیں ہیں، ...انکل کی طبیعت خراب ہے شاذل اس وجہ ...ج آفس گیا ہوگا، عمر پتہ نہیں کیوں نہیں آیا، ...ہ گئی سیماب تو اس کا تو آپ کو پتہ ہونا ...آفٹر آل وہ آپ کی کزن ہے۔'' اس نے ...ی طرف دیکھے بغیر جواب دیا اور اپنے ...گھاس پہ بکھری کتابیں سمیٹنے لگی پتہ نہیں کیا ...کہ وہ کبھی بھی زین کی آنکھوں میں نہ دیکھ سکی ...تل کو سامنے دیکھ کر زین کی آنکھوں اور ...جو رنگ بکھرتے تھے ان سے تو نہ صرف ...اب تو ان کا سارا گروپ آگاہ ہوچکا ...لئے وہ اس وقت بھی زین کو اپنی طرف ...ر کر کنفیوژ ہوگئی تھی، زین ان سے ایک ...سیماب کا کزن ہونے کی وجہ سے ہی ...وگوں سے دوستی ہوئی تھی۔

...میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔'' زین نے ...کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا تو ...رہ گئی۔

...آپ کے بھائی کی طبیعت کیسی ہے ...نے رو رو کے حشر کرلیا تھا لگتا ہے ...بھائی سے بہت محبت ہے۔'' زین ...نے مسکرا کر پوچھا۔

...ہاں ہے ہر بہن کو اپنے بھائی سے ...اور جہاں تک بات احمر کی ہے اس میں تو میری جان ہے، کیونکہ وہ صرف میرا بھائی ہی نہیں میرا بہت اچھا دوست بھی ہے۔'' کتابوں کو ترتیب سے رکھنے کے بعد اس نے بیگ کو دوبارہ سے کھول کر چیک کرنا شروع کردیا، مقصد صرف زین کی جذبے لٹاتی نگاہوں سے بچنا تھا، زین نے بھی اس کی اس حرکت کو بھانپ لیا تھا اس لئے کتنی ہی دیر خاموشی سے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتا رہا، خاموشی کا دورانیہ تھوڑا زیادہ ہوا تو رابیل نے نگاہ اٹھا کر دیکھا مگر زین کو اپنی طرف دیکھتے پا کر فوراً نگاہیں جھکا گئی، اس کے گالوں پہ پھیلی سرخی نے زین چوہدری کو کافی حوصلہ بخشا تھا اور وہ جو بات کافی دنوں سے کرنا چاہ رہا تھا خود بخود اس کے ہونٹوں سے پھسل گئی۔

''اگر کوئی اور بھی آپ سے دوستی کا خواہش مند ہو تو۔'' زین کی بات پہ اس نے فوراً سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا، مگر جب نظریں اس کی نظروں سے ملیں تو اس کی بات کا مفہوم سمجھتے ہوئے آہستگی سے گویا ہوئی۔

''آپ الریڈی ہمارے دوست ہیں۔'' اس کی بات پہ زین مسکرا دیا۔

''رابیل میں سب کی نہیں صرف آپ کی بات کررہا ہوں اور آپ سے اپنی دوستی کو بہت مضبوط کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے میری مدر آپ کے گھر آنا چاہتی ہیں۔''

''ج...... جی مگر کیوں؟'' وہ ہونقوں کی طرح زین کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''کیوں کا کیا مطلب بھئی، کسی لڑکے کی مدر کسی لڑکی کے گھر کیوں جانا چاہتی ہے وہ بھی کسی ایسی لڑکی کے گھر جس کو ان کا بیٹا پسند بھی کرتا ہو۔'' اس کے اس طرح کیوں کہنے پہ زین نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے جس طرح اپنی بات کا مفہوم واضح کیا تھا اس کے حواس بھک سے اڑ

گئے تھے، یہ نہ تھا کہ وہ زین کو ناپسند کرتی تھی بلکہ اونچا لمبا، خوبرو اور کم گو زین چوہدری تو کافی عرصے سے اس کے دل میں گھر کر چکا تھا، اس کا سنجیدہ اور خواہ مخواہ فری نہ ہونے والا انداز بہت متاثر کرتا تھا مگر وہ بابا جان کے مزاج کی سختی کو بھی جانتی تھی، وہ تو اس کے یونیورسٹی میں پڑھنے کے ہی خلاف تھے، وہ تو بھلا ہو مونا بھابھی کا جنہوں نے منت سماعت کے بعد اسے اجازت لے دی۔

اس لئے اب بھی وہ نہ چاہتی تھی کہ بابا جان ناراض ہو کر اس کا یونیورسٹی آنا ہی بند کر دیں، اس لئے اس نے یہ کہتے ہوئے زین کو فی الحال منع کر دیا تھا کہ وہ پہلے گھر میں اماں یا بھابھی سے بات کرے اس کے بعد وہ اپنی مدر کو بھیجے۔

''او کے ایز یو وش بٹ گھر میں ذرا جلدی بات کر لیجئے گا ایکچوئیلی میں چاہتا ہوں کہ جب میں اس یونیورسٹی سے جاؤں ہم اگر شادی نہیں تو کم از کم منگنی کے بندھن میں ضرور بندھ چکے ہوں تا کہ اگر کبھی میرا آپ سے ملنے کو جی چاہے تو کوئی مجھے آپ سے ملنے سے نہ روک سکے۔'' زین نے اس کے رنگ بدلتے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اس کی بات سن کر مسکرا دی تھی۔

اس وقت وہ کہیں سے بھی وہ چپ چاپ سا زین نہیں لگ رہا تھا جو عام روٹین میں ہوتا تھا۔

☆☆☆

اسے کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا کہ وہ گھر میں کس طرح بات کرے، پھر اس سے پہلے کہ وہ اماں یا بھابھی سے بات کرتی وہ سب کچھ ہو گیا جس کے بارے اس نے سوچا تک نہ تھا، بابا جان کو بہت سخت ہارٹ اٹیک ہوا تھا، ہاسپٹل میں ہی بخاری انکل، شاذل، علیان بھائی، اماں، بھابھی سب کی

موجودگی میں اس کا نکاح احمر سے کر دیا گیا، اس نے اس کی رضامندی پوچھی گئی تو وہ پھٹی آنکھوں سے سب کی شکلیں دیکھنے لگی، اسے سمجھ نہ آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ یہ سب کیا ہو تھا۔

''رابیل پلیز، بابا جان کی طبیعت مشکل سے سنبھلی ہے، اس وقت ان کی مرضی خلاف کوئی بھی بات ان کے لئے خطرناک ہو سکتی ہے اس لئے انکار مت کرنا، تم تو بہت پیاری سی بہن ہو نا۔'' علیان بھائی نے کے پاس بیٹھ کر بہت دھیمی آواز میں کہتے ہو اسے ساتھ لگا لیا، پھر جس طرح اس نے نامے پہ سائن کیے تھے یہ صرف وہی جانتی نکاح کے فوراً بعد وہ اور مونا بھابھی ڈرائیور ساتھ گھر آ گئیں تھیں گھر آ کر اس نے اپنے کو کمرے میں بند کر لیا مونا بھابھی نے بھی الحال اس کو اس کے حال پہ چھوڑ دیا تھا، کیونکہ جانتی تھیں کہ وہ ابھی تک شاک کی کیفیت احمر کے حوالے سے تو اس نے کبھی اس طر سوچا بھی نہ ہو گا، جبکہ بھابھی کو تو یہ بات کچھ عر پہلے سے ہی پتہ چل گئی تھی کہ بابا جان کا ار رابیل کی شادی احمر کے ساتھ کرنے کا بھابھی نے ڈیڈی کے کہنے پہ شاذل کے رابیل کے رشتے کی بات بابا جان سے کی تھی تب بابا جان نے انہیں اپنے ارادوں سے آگاہ دیا تھا، مگر انہوں نے ابھی یہ بات رابیل یا احمر بتانے سے منع کیا تھا، ان کا خیال تھا کہ جب ا کا وقت آئے گا بتا دیں گے اور بھابھی کو بعد جب یہ پتہ چلا کہ احمر بابا جان کے ارادوں واقف ہے، تو وہ بہت حیران ہوئیں تھیں۔

''تمہیں کیسے پتہ چلا ہے اس بات کا انہوں نے مسکراتے ہوئے احمر سے پوچھا، ا

کے پوچھتے ہی یہ احمر نے بتایا کہ اس نے ایک بار جان اور اماں کی باتیں سن لی تھیں اور اس کے بھابھی نے بارہا یہ بھی محسوس کیا تھا کہ احمر بیل سے محبت کرنے لگا ہے، ایک صرف رابیل تھی جو بے خبر تھی اور اب یہ سب کچھ اس کے نے قبول کرنا بہت مشکل ہو رہا تھا، اس نے تو احمر ہمیشہ چھوٹے بھائی کی طرح سمجھا تھا وہ اس ت ایک کرب سے گزر رہی تھی۔

بابا جان کچھ دن ہاسپٹل رہ کر گھر آ گئے لرز نے انہیں بائی پاس کا کہا تھا لیکن وہ بائی سے پہلے رابیل کی رخصتی کرنا چاہتے تھے پتہ نہیں کیا وہم ہو گیا تھا کہ اگر انہیں کچھ ہو تو رابیل اس رشتے کو ختم کر دے گی، نکاح وقت اس کے چہرے کے تاثرات نے انہیں ت سے خدشات میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ جلد جلد ان دونوں کے رشتے کو اور مضبوط کر دینا تے تھے، جب رابیل کو مونا بھابھی کے ذریعے ماہات کا پتہ چلا تو وہ غصے سے پھٹ پڑی تھی۔

''ہرگز نہیں، مجھے یہ شادی نہیں کرنا ہے جا کر بتا دیں ان کو کہ رابیل نے انکار کر دیا ، میں کوئی بے جان گڑیا نہیں ہوں جس کے وہ جو مرضی کرتے رہیں میں ایک جیتی جاگتی ہن ہوں میرے بھی کچھ جذبات کچھ ساسات ہیں، انہوں نے سوچ بھی کیسے لیا کہ .....'' اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتی ی نے اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ کر اسے وش کرا دیا پھر تیزی سے پلٹ کر دروازہ بند کیا کیونکہ رابیل غصے میں بہت اونچا چیخ چیخ کر لہ رہی تھی۔

''پلیز رابیل آہستہ بولو اگر بابا جان نے سن ا ..... ان کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے۔'' ی نے بہت منت بھرے لہجے میں کہا تو وہ

پہلے سے بھی زیادہ غصے سے بولی تھی۔

''سن لیں سنتے ہیں تو، ہاسپٹل میں اتنے لوگوں کی موجودگی کا خیال کر کے اگر ان کی بات مان لی تھی تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں ان کے ہر فیصلے کو چپ چاپ قبول کر لوں گی، مجھے احمر سے شادی نہیں کرنا ہے، نہ آج نہ کل کبھی بھی نہیں۔'' قطعی لہجے میں کہتے ہوئے وہ بیڈ پہ گرنے والے انداز میں بیٹھ کر گہرے گہرے سانس لینے لگی، بھابھی حیرت سے اسے دیکھے جا رہیں تھیں انہیں تو یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ یہ وہی رابیل تھی جو بابا جان کے تھوڑا سا اونچا بولنے سے ڈر جاتی تھی جب اماں جان کو اس کے انکار کا پتہ چلا تو وہ لرز کر رہ گئیں تھیں وہ جانتیں تھیں کہ اگر بابا جان کو اس کو انکار کا پتہ چلا تو پھر اس گھر میں ایک قیامت یقینی تھی، انہوں نے پیار محبت سے اسے سمجھانا چاہا مگر وہ کسی طور مان کر نہ دے رہی تھی۔

''تم شاید اپنے باپ کو نہیں جانتی ہو اگر انہیں پتہ چلا تو زندہ زمین میں دفن کر دیں گے تمہیں۔'' جب ان کے منت سماجت اور پیار سے بھی وہ نہ سمجھی تو وہ انہوں نے دو ہتھڑ رسید کرتے ہوئے بابا جان کی دھمکی دی تھی، ان کی بات سن کر رابیل کو گویا آگ لگ گئی تھی۔

''کیوں؟ مجھے کیوں زندہ دفن کریں گے اپنی بہن کو تو نہیں کیا تھا انہوں نے جو اپنے عاشق کے لئے یہ گھر چھوڑ گئی تھی اور جس کی وجہ سے وہ آج تک کسی کے سامنے سر اٹھا کر بات نہیں کر سکتے۔'' اس کے بپھرے اور باغی لہجے پہ اماں جان ساکت سی کھڑی رہ گئیں پھر غصے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے باہر نکل گئیں، تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی، وہ ساری رات اس نے روتے ہوئے گزار دی تھی اس بات سے بے خبر کہ وہ

رات احمر حسن نے بھی جاگ کر گزار دی تھی، وہ اماں جان سے یہ کہنے آیا تھا کہ ان کو بابا جان بلا رہے ہیں مگر اندر سے آتی رابیل کی آواز پہ اس کے قدم باہر ہی جم گئے تھے، اماں جان کے باہر نکلنے سے پہلے ہی وہ منظر سے غائب ہو چکا تھا اور پھر وہ پوری رات اس کی جاگتے اور یہ سوچتے ہوئے گزر گئی کہ اب آگے جانے کیا ہونے والا تھا، بہرحال ایک بات کا اندازہ تو اسے اچھی طرح ہو گیا تھا کہ اب آئندہ اس کی زندگی میں کچھ اچھا تو ہونے والا نہیں تھا۔

☆☆☆

اتوار کی شام اپنے تمام تر احتجاج کے باوجود وہ سپاٹ چہرہ لئے سٹیج پر دلہن بنی بیٹھی تھی، سارا ارینجمنٹ گھر کے لان میں ہی تھا، بابا جان نے تمام رشتے داروں اور جاننے والوں کو انوائیٹ کیا تھا، انہوں نے اس سے بھی کہا تھا کہ وہ اپنے دوستوں کو بلا سکتی ہے مگر اس نے انکار کر دیا، شاذل نے اس کے سرد و سپاٹ تاثرات کو بخوبی نوٹ کیا تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس وقت اس پہ کیا گزر رہی ہے، کیونکہ وہ زین چوہدری کے بارے میں اس کے جذبات سے آگاہ تھا، پھر جب احمر کو اس کے برابر لا کر بٹھایا گیا تو اس کا سپاٹ چہرہ پہلے سے بھی زیادہ سپاٹ ہو گیا، مووی والے نے ایک دو دفعہ اسے مسکرانے کا کہا تھا مگر وہ ایسے بیٹھی رہی جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد مونا بھابھی اسے احمر کے بیڈ روم میں لے آئیں، اسے بیڈ پہ بٹھا کر وہ اس کا لہنگا درست کر رہیں تھیں جب اس نے بری طرح ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''اس سب کی ضرورت نہیں ہے آپ پلیز جائیں یہاں سے۔'' اس نے انتہائی تلخ لہجے میں کہا تھا، بھابھی چند ثانیے خاموشی سے اس روٹھے روٹھے چہرے کو دیکھتی رہیں پھر اس قریب ہی بیٹھ کر اسے سمجھانے لگیں۔

''رابیل یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس کیا قصور ہے، میں نے تو تمہیں ہمیشہ اپنی بہن سمجھا ہے اور اس ناطے سے ہی میں مشورہ دوں گی کہ جو کچھ بھی ہوا ہے اسے مقدر کا لکھا سمجھ کر قبول کر لو، احمر اچھا لڑ تمہاری تو اس سے بہت دوستی ہے، مجھے پورا ہے کہ اگر تم اپنے دل کو تھوڑا سا وسیع کر دوستی کو محبت میں بدلتے دیر نہیں لگے گی، احمر تو پہلے ہی تم سے محبت کرتا ہے، یہ با نے خود مجھے بتائی تھی کچھ عرصہ پہلے۔''

''کیا؟'' بھابھی کی بات سن کر ا چونک کر ان کے چہرے کو دیکھا تھا بھابھ مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا اور گئیں ان کے جانے کے بعد وہ کتنی ہی دیر بیٹھی رہی تھی، وہ تو پہلے ہی حیران تھی کہ احم اس رشتے پہ کوئی احتجاج کیوں نہیں کیا تھا، میں نکاح کے وقت بھی اس کا رویہ اس قد کیوں تھا یہ اسے اب سمجھ میں آیا تھا اور ساتھ ہی غصے اور نفرت کی تیز لہر نے اس سے سر اٹھایا تھا، اس کے دل کے آنگن زین چوہدری کا بسیرا تھا جہاں دور دور تک حسن کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔

''او کے تو پھر احمر حسن محبت کا مطلب تمہیں اس طرح سمجھاؤں گی کہ تمہیں محبت ہی یاد نہیں رہے گا اس کے معنی تو بہت دور ہے۔'' دل ہی دل میں خود سے عہد کرتے اس نے تمام زیورات اتار کر بیڈ پہ پھینکے سلیپنگ سوٹ نکال کر واش روم میں گھس وقت احمر کمرے میں آیا، وہ کمبل سر تک لپیٹے تھی اس کا ٹیکا، جھومر، چوڑیاں، جھمکے سب بیڈ پہ بکھرے ہوئے تھے اس کا قیمتی عروسی جوڑا جو کچھ دیر پہلے اس کے حسن کو چار چاند لگا رہا تھا اس وقت آدھا صوفے پہ اور آدھا نیچے کارپٹ پہ پڑا اپنی ناقدری پہ ماتم کرتا نظر آ رہا تھا، کتنے ہی پل کمرے کے وسط میں کھڑا وہ کبھی بکھری چیزوں تو کبھی سر تا پا کمبل میں ڈھکے اس وجود کو دیکھتا رہا۔

وہ ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے پلٹ کر واش روم میں گھس گیا، چینج کرنے کے بعد جب وہ باہر آیا تو بیڈ پہ بکھرے زیورات اٹھا کر سائیڈ ٹیبل کے دراز میں ڈالنے کے بعد بہت احتیاط سے بیڈ کے ایک کنارے پہ لیٹ گیا، صبح احمر کے اٹھنے سے پہلے ہی وہ کمرے سے جا چکی تھی، ولیمہ کے فنکشن میں بھی وہ چپ چپ اور کھوئی کھوئی سی رہی تھی، اسے یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ اس کے دل کی دنیا اس بری طرح تہہ و بالا کر دی گئی ہے، ولیمہ سے اگلے دن جب وہ یونیورسٹی جانے کے لئے تیار ہو کر باہر آئی تو اماں جان جو کچن کے دروازے پہ کھڑی زینت سے کوئی بات کر رہیں تھیں اس کے ہاتھ میں بیگ اور کتابیں دیکھ کر ان کے ماتھے پہ سلوٹیں پڑ گئیں تھیں۔

''مونا! دیکھ رہی ہو نا اس لڑکی کو، اگر دو دن یونیورسٹی نہیں جائے گی تو کوئی قیامت نہیں آ جائے گی۔'' اماں جان نے اسے کچھ بھی کہنے سے خود کو باز رکھنے کی کوشش تو بہت کی مگر کچن سے نکلتی مونا بھابھی پہ نظر پڑتے ہی خود کو روک نہ پائیں تو دھیمے مگر سخت لہجے میں کہا کہ کہیں ان کی آواز سامنے ہی صوفے پہ نیم دراز طوبیٰ اور سعد سے باتوں میں مگن احمر تک نہ پہنچ جائے اور وہ جو انہیں نظر انداز کرتی آگے بڑھ رہی تھی ان کی بات پہ اس کے قدم رک گئے تھے۔

''کیوں، کیا سارا سال گھر میں رہ کر شادی کی خوشی میں بھنگڑے ڈالتی پھروں، ابھی ات دماغ خراب نہیں ہوا ہے میرا اور ویسے بھی آپ موجود تو ہیں اپنے بیٹا جانی کی خوشیوں میں شریک ہونے کے لئے۔'' اس نے پلٹ کر انتہائی طنزیہ اور بلند آواز میں اماں جان کو جواب اور ایک سلگتی نگاہ احمر پہ ڈال کر مین ڈور کھول کر باہر نکل گئی۔

اس کی اس قدر بدتمیزی پر مونا بھابھی بھی سخت شرمندگی محسوس کر رہیں تھیں، کیونکہ صبح احمر کو کالج جانے سے انہوں نے ہی تو روکا تھا کہ اس کی نئی نئی شادی ہوئی ابھی ایک دو دن تو کم از کم انجوائے کرنا چاہیے تھا اور اب وہ پچھتا رہیں تھیں کہ انہیں احمر کو نہیں روکنا چاہیے تھا۔

''احمر آپ نے ناشتہ کر لیا بیٹا۔'' اماں جان دل ہی دل میں رابیل کو ڈھیروں گالیاں دیتے ہوئے شرمندگی مٹانے کو احمر سے ناشتے کا پوچھنے لگیں حالانکہ وہ کچھ دیر پہلے ہی ان کے سامنے ناشتہ کر چکا تھا، وہ جانتیں تھیں کہ وہ بہت حساس ہے اور چھوٹی سی بات کو بھی دل پہ لے لیتا ہے اس لئے اس کا دھیان بٹانے کو یہ بات کی تھی۔

جس وقت وہ یونیورسٹی سے واپس آئی تھی اماں اور بھابھی لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہیں تھیں، وہ بھی انہیں سلام کرتی وہیں بیٹھ گئی تو اماں اس کے سلام کا جواب دیئے بغیر اٹھ کر کچن میں چلی گئیں، اس نے حیران ہو کر مونا بھابھی کی طرف دیکھا تھا۔

''انہیں کیا ہوا ہے؟''

''تمہیں پتا تو ہے ہی، پھر مجھ سے کیا پوچھ رہی ہو۔'' اس کے پوچھنے پہ بھابھی نے تپ کر جواب دیا تھا تو ان کی بات سن کر وہ بھی بھڑک اٹھی تھی۔

''اب اور کیا چاہتے ہیں یہ مجھ سے، ان

دونوں میاں بیوی کی خواہش پوری ہو تو گئی ہے اب تو جان چھوڑ دیں یہ میری۔"

"شٹ اپ رابیل! سوچ کر بولو کہ تم کن کے بارے میں بات کر رہی ہو، پیرنٹس ہیں وہ تمہارے۔" بھابھی کو بھی اس کے گستاخ لہجے پہ غصہ آ گیا تھا۔

"اونہہ پیرنٹس، میرے پیرنٹس نہیں ہیں یہ، یہ تو صرف احمر حسن کے پیرنٹس ہیں، میرے ہوتے تو میرے ساتھ اس طرح نہیں کرتے۔" بولتے بولتے اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں تھیں اور وہ بیگ اٹھا کر کمرے میں آ گئی چینج کرنے کے بعد جب وہ زینت سے ایک کپ چائے کا کہنے کچن میں آئی تو اماں جان جو پہلے سے کچن میں موجود تھیں اس کو دیکھ کر ہاتھ میں پکڑا برتن کیبن پہ پٹخ کر کچن سے باہر نکل گئیں۔

"رابیل بی بی! لگتا ہے بڑی بی بی آپ سے بہت ناراض ہیں جی، آپ کا غصہ سارا دن مجھ غریب پہ نکلتا رہا ہے۔" زینت رونی صورت بنا کر اسے بتانے لگی۔

پھر باباجان کا بائی پاس ہوا تو وہ انہیں دیکھنے ایک بار بھی ہاسپٹل نہ گئی تھی، انہوں نے ایک دو بار اس کا پوچھا بھی مگر علیان بھائی نے کہہ دیا کہ وہ آئی تھی تب آپ سو رہے تھے، علیان بھائی تو خود حیران تھے کہ اس کا دل اتنا پتھر کیسے ہو گیا ہے، وہ تو باباجان کے سخت رویے کے باوجود ان سے بہت محبت کرتی تھی اور اس کی تو احمر سے بھی بہت دوستی تھی پھر وہ ایسے کیوں ری ایکٹ کر رہی تھی۔

جب باباجان ہاسپٹل سے گھر آئے تو علیان کے بہت سمجھانے پہ وہ ان کا حال پوچھنے ان کے کمرے میں آئی تھی، ابھی اسے ان کے پاس بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی جب احمر دروازہ کھول کر تیزی سے اندر داخل ہوا تھا، مگر اسے بابا جان کے ساتھ بیڈ پر بیٹھے دیکھ کر وہیں رک گیا تھا، باباجان اس کا یوں ایکدم رک جانا نوٹ کر چکے تھے، اس لئے مسکرا کر کہا تھا۔

"آؤ نا یار رک کیوں گئے ہو۔" باباجان کے کہنے پہ وہ چپ چاپ ان کے دوسری طرف بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے آج میرا شہزادہ اتنا خاموش کیوں ہے؟" باباجان اس کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے اس کا سر اپنے کندھے سے لگ کر اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے پوچھنے لگے اس لمحے وہ پاس بیٹھی رابیل کو بالکل نظر انداز کر گئے تھے اور ایسا صرف آج ہی تو نہ ہوا تھا، یہ تو ہمیشہ سے ہی ہوتا آیا تھا کہ جب بھی احمر ان کے ساتھ ہوتا تو پھر انہیں کوئی دوسرا کم ہی دکھائی دیتا تھا اور آج سے پہلے تو پیار محبت کے یہ مظاہرے رابیل کو بھی کبھی برے نہ لگے تھے مگر اب اس سے یہ لاڈ پیار بالکل برداشت نہ ہوا تھا وہ ایک دم اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔

"ارے اسے کیا ہوا ہے؟" اس کے اس طرح اٹھ کر چلے جانے پہ باباجان نے احمر سے پوچھا تو وہ محض کندھے اچکا کر رہ گیا، اب وہ انہیں بھلا کیا بتاتا۔

☆☆☆

اس نے خود کو اس قدر پڑھائی میں مگن کر لیا تھا کہ کسی کے لئے بھی اس کے پاس ٹائم نہ تھا، صبح یونیورسٹی جاتی تو واپسی پہ کتابیں لے کر اسٹڈی روم میں گھس جاتی، یہاں تک کہ اس نے سب کے ساتھ ناشتہ کھانا بھی چھوڑ دیا تھا، سعد اور طوبیٰ کو بھی اکثر یہی شکایت رہتی کہ پھپھو ان کے ساتھ کھیلتی نہیں ہے، اماں جان نے تو اس سے بات تک کرنا چھوڑ دی تھی اور اسے کسی کی پرواہ کب تھی، یونیورسٹی میں بھی وہ بہت چپ رہتی تھی، زین نے جب دوبارہ اس سے اپنی مدر کو بھیجنے کی بات کی تو اس نے یہ کہتے ہوئے معذرت کر لی کہ اس کے بابا نے اس کا رشتہ کہیں طے کر دیا ہے اس نے اسے اپنی شادی کے بارے میں نہیں بتایا تھا، اس کی بات سن کر زین چپ سا ہو گیا تھا اور وہ جو پہلے ہی اب زین کا سامنا کرتے سے کتراتی تھی، اس کے بعد وہ اس سے سامنا کرنے سے مزید بچنے لگی تھی۔

کیونکہ وہ جب بھی اسے دیکھتی تھی بے بسی کا ایک عجیب سا احساس اسے گھیر لیتا تھا، زین کے فائنل ایگزامز ہوتے تو اس نے شکر کیا تھا اب کم از کم روز اس کا سامنا تو نہیں کرنا پڑے گا، گھر میں احمر کے ساتھ اس کا رویہ دن بدن خراب ہوتا جا رہا تھا، احمر کا کوئی بھی کام نہ کرنے کی گویا اس نے قسم اٹھا رکھی تھی، اس کے کپڑے پریس کرنا، اسے کھانا وغیرہ دینا یعنی اس کے سارے کام اب بھی بھابھی ہی کرتیں تھیں، انہیں وہ بالکل سعد اور طوبیٰ کی طرح ہی عزیز تھا اور وہ اپنا ہر کام بلا جھجک ان سے کہہ دیا کرتا تھا۔

اس دن اس کہیں جانا تھا اس کے کپڑے پریس ہونے والے تھے، بھابھی میکے گئیں ہوئیں تھیں تو اس نے سوچا کہ زینت سے کروا لیتا تھا۔

"اماں جان! زینت کہاں ہے۔" اس نے کچن میں جھانکا تو زینت کو وہاں نہ پا کر اماں کے کمرے میں چلا آیا، جو عصر کی نماز سے فارغ ہو کے بعد جائے نماز تہہ کر رہیں تھیں۔

"وہ تو آج نہیں آئی تھی، کوئی کام ہے؟" انہوں نے زینت کی چھٹی کا بتاتے ہوئے

"مجھے وہ سوٹ پریس کروانا تھا، بھابھی بھی گھر پہ نہیں ہیں، زینت کی بچی کو بھی آج ہی چھٹی کرنی تھی۔" وہ جو واپس پلٹنے لگا تھا ان کی بات سن کر بتانے لگا تو اماں جان نے کہا تھا۔

"رابیل یونیورسٹی سے آ چکی ہے نا، تو اسے کہو اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

"جی، وہ تو جیسے فوراً ہی کر دیں گی۔" اس کا بڑبڑاہٹ کی صورت میں بولا گیا فقرہ اماں جان نے سن لیا تھا اسے ڈانٹنے لگیں تھیں کہ وہ خود ہی اسے کوئی کام نہیں کہتا ہے اس لئے ہی وہ سر پہ چڑھتی جا رہی ہے اور پھر اماں جان کے کہنے پہ ہی اس نے رابیل سے کپڑے پریس کرنے کو کہا تھا، وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی چینل سرچنگ میں مصروف تھی اس کی بات پر سر اٹھا کر کچھ دیر کو اسے دیکھا، پھر دوبارہ ٹی وی کی جانب متوجہ ہو گئی جیسے وہ اس سے نہیں بلکہ کسی اور سے مخاطب ہو۔

"رابیل سنا نہیں تم نے احمر کیا کہہ رہا ہے۔" اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے اماں جان نے اس کی اس حرکت کو دیکھ لیا تھا اس لئے سخت لہجے میں اسے کہا تھا۔

"سن لیا ہے مگر میں اس کی ملازمہ نہیں ہوں۔" انتہائی بدتمیزی سے کہتے ہوئے وہ ریموٹ وہیں صوفے پہ پھینک کر کمرے میں چلی گئی تو اماں کا خون کھول کے رہ گیا تھا۔

"لاؤ بیٹا میں کر دیتی ہوں۔" پھر اس کے ہاتھ سے کپڑے لے کر پریس کرنے لگیں تو احمر نے وہیں صوفے سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں تھیں، اس کے کپڑے پریس کرتے ہوئے اماں جان نے پلٹ کر ایک دو بار اس کی طرف دیکھا تھا جو صوفے پہ نیم دراز آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹا جانے کیا سوچ رہا تھا، اماں جان رابیل کے روز بروز خراب ہوتے رویے سے بہت ہی پریشان

تھیں، بھابھی بھی اسے سمجھا سمجھا کے تھک گئیں تھیں، مگر وہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا کرتی تھی اور اماں جان کے کہنے پہ بھابھی نے اس سے کہا تھا کہ وہ اب احمر کے کاموں کی ذمہ داری سنبھال لے مگر اس نے غصے سے یہ کہہ دیا کہ اس کے ایگزامز قریب ہیں اس لئے اس کے پاس وقت نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی وہ احمر کی ملازمہ ہے، جو اس کے کام کرتی پھرے، بھابھی نے تو اماں کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ اس کے پیپر ہونے والے ہیں اس لئے اس پہ پڑھائی کا برڈن ہے فارغ ہونے کے بعد کام بھی کر لے گی۔

پھر جب اس نے پڑھائی سے فارغ ہونے کے بعد جاب تلاش کرنا شروع کر دی تو اماں جان کی برداشت جواب دے گئی، کیونکہ وہ انہیں تنگ کرنے کا کوئی نہ کوئی نیا طریقہ ڈھونڈھ لیتی تھی اور اب جاب کا شوشہ بھی اس نے ان لوگوں کو پریشان کرنے کے لئے چھوڑا تھا کیونکہ ایک بات وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ بابا جان کو لڑکیوں کا جاب کرنا بالکل پسند نہیں ہے، انہوں نے تو شادی کے بعد مونا کی جاب بھی چھڑوا دی تھی اور اب اماں جان تو یہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھیں کہ اگر بابا جان کو پتہ چلا تو وہ اس کا گلا دبا دیں گے اس لئے انہوں نے شاذل سے اسے سمجھانے کا کہا تھا، جب وہ شاذل کی بات بھی نہ مانی تو وہ اس نے اسے اپنے آفس میں کام کرنے کی آفر کر دی کہ شاید انکل ان کے ہاں کام کرنے پہ معتراض نہ کریں، اس لئے اس نے اسے یہ
ا ا جان کو پتا چلا تو وہ ایک گہرا
جانتے تھے کہ اب اسے
''اب وہ رابیل
ہیں رہی تھی جوان کی ایک سخت نگاہ پہ سہم جاتی

تھی، اس لئے انہوں نے اسے اس کے حا[ل پہ] چھوڑ دیا، پھر علیان بھائی سے کہہ کر اسے جانے کے لئے گاڑی بھی دلوا دی تھی۔

☆☆☆

وہ صبح دیر سے جاگی تھی، چینج اور پھر نا[شتہ] کرنے میں وہ تقریباً آدھا گھنٹہ لیٹ ہو[گئی] گرم گرم چائے کے دو تین سپ لینے کے [بعد] کپ ٹیبل پہ رکھ کر باہر کو بھاگی، گاڑی ا[سٹارٹ] کرنے کے لئے اس نے تھوڑا سا آگے کو [جھک کر] ابھی چابی اگنیشن میں لگائی ہی تھی کہ کوئی ڈور کھول کر اس کے برابر آ بیٹھا، اس نے موڑ کے دیکھا تو احمر کو دیکھ کر حیران رہ گئی کیونکہ وہ تو بابا جان کے ساتھ جاتا تھا وہ ہی ا[سے] یونیورسٹی ڈراپ کر کے آفس جاتے تھے اور اب اسے اپنی گاڑی میں بیٹھا دیکھ کر اس [کا موڈ] سخت خراب ہوا تھا۔

''وہ ایکچوئلی میں بھی تھوڑا لیٹ ہوں، بابا جان کو آج ذرا جلدی تھی وہ چلے گئے تھے، علیان بھائی بھی جا چکے ہیں اس لئے مجھے ذرا یونیورسٹی تک چھوڑ دیں۔'' رابیل [کو] اس طرح دیکھنے پہ اس نے انتہائی مسکین [صورت] بناتے ہوئے کہا تو اس کی بات سن کر را[بیل نے] اسے گھور کر دیکھا تھا۔

''میرے پاس اتنا فالتو وقت نہیں [کہ] میں تمہیں ڈراپ کرتی پھروں میں الر[یڈی] لیٹ ہو چکی ہوں۔'' اس نے سخت نگاہ [سے] اس کی طرف دیکھتے ہوئے دانت پیس کر [کہا] کے آفس سے نیو کیمپس کا اچھا خاصا فا[صلہ تھا] اگر کم بھی ہوتا تب بھی وہ احمر کو ڈراپ [کرنے] کبھی بھی نہ جاتی۔

''دیکھیں پلیز، آپ تو پہلے ہی [لیٹ] ہیں اگر چند منٹ اور ہو جائیں گی تو شاید اتنا فرق نہ پڑے مگر میرا آج بہت ہی اہم لیکچر ہے اس لئے پلیز۔'' اس نے دوبارہ سے منت آمیز لہجے میں کہا تھا تو رابیل اپنی جگہ پہ بل کھا کر رہ گئی تھی۔

''سنا نہیں تم نے میں نے کیا کہا ہے، نیچے اترو مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' اس کا لہجہ احمر کے لاپرواہ انداز پہ انگارے لئے ہوئے تھا، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا بلکہ اسی بے پرواہ انداز میں مسکراتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے اسے گاڑی چلانے کو کہا تو وہ چلا اٹھی تھی۔

''کوئی زبردستی ہے؟ یہ میری گاڑی ہے میری سمجھے تم۔'' وہ اس کی بات پہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا۔

''اچھا جی اور آپ کس کی ہیں۔'' رابیل کی طرف تھوڑا سا جھکتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے جس لہجے میں اس نے یہ فقرہ بولا تھا وہ لہجہ وہ انداز رابیل کو کچھ پل ساکت کر گیا پھر وہ دانت پیس کر بولی تھی۔

''شٹ اپ جسٹ شٹ اپ میرا تم سے کوئی رشتہ کوئی تعلق نہیں ہے سمجھے تم نیچے اترو ورنہ میں گاڑی یہیں چھوڑ کر وین سے چلی جاؤں گی۔'' اس وقت اس کے چہرے پہ چھائی نفرت اور لہجے سے ظاہر ہوتی بیزاری کو احمر نے بہت مشکل سے برداشت کیا تھا، اگرچہ وہ یہ سب پچھلے تین سال سے برداشت کرتا آ رہا تھا مگر اس وقت نجانے کیوں اسے اتنا غصہ آ گیا تھا۔

''کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے حقیقت بدل نہیں جاتی ہے مسز رابیل احمر۔'' [اس] کے سرد و سپاٹ چہرے کو کچھ دیر دیکھنے کے بعد اس نے بہت غصے سے کہا اور دروازہ کھول کر [چلا] گیا، تو وہ جلتی بھنتی کھلے گیٹ سے گاڑی نکال لے گئی، آفس میں بھی سارا دن اس کا موڈ آف رہا تھا جب بھی احمر کی صبح والی بات یاد آئی اس کا خون کھول جاتا، وہ تو اس کی جرأت پہ حیران تھی، آج سے پہلے تو اس نے کبھی اس لہجے میں بات نہ کی تھی، اس وقت بھی وہ یہی سوچ رہی تھی جب شاذل نے اسے اماں کے فون کا بتایا تھا۔

''رابیل آنٹی کا فون تھا احمر کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ تمہیں جلدی آنے کا کہہ رہی تھیں۔'' شاذل کی بات سن کر اس کے چہرے کے زاویے اور بگڑ گئے تھے۔

''چلی جاؤں گی جب کام ختم ہوگا، کیونکہ احمر صاحب کی طبیعت کوئی پہلی دفعہ خراب نہیں ہوئی ہے وہ موصوف تو جب سے اس دنیا میں تشریف لائے ہیں، ہم نے تو ان کی طبیعت کو شاذ و نادر ہی ٹھیک دیکھا ہوگا۔''

''رابیل آنٹی کی آواز سے لگ رہا تھا احمر کی طبیعت واقعی بہت خراب ہے اس لئے پلیز تم گھر جاؤ یہ کام میں دیکھ لوں گا۔'' شاذل نے اس کے سامنے پڑے کاغذات کے پلندے کو ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

''اوکے جا رہی ہوں۔'' بیگ اور گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے اس نے غصے سے شاذل کی طرف دیکھا تھا۔

''عذاب بن کر رہ گئی ہے زندگی۔'' بڑبڑاہٹ کی صورت بولا گیا اس کا فقرہ شاذل کے کانوں تک پہنچ گیا تھا اور وہ اللہ سے اس کو ٹھیک کرنے کی دعائیں کرتے ہوئے سر ہلا کر رہ گیا تھا۔

گھر میں سب سے پہلے اس کا سامنا اماں سے ہی ہوا تھا جنہوں نے ایک قہر بھری نگاہ اس پہ ڈال کر رخ موڑ لیا، ان کی سوجھی آنکھیں اس بات کی غماز تھیں کہ وہ روتی رہی ہیں، احمر سے تو

وہ علیان اور رابیل سے بھی زیادہ محبت کرتیں تھیں، اسے ذرا کچھ ہوتا ان کی جان پہ بن جاتی احمر سے ان دونوں میاں بیوی کی اس درجہ محبت کی وجہ سے کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ان کا بیٹا نہیں ہے، بہت سے لوگوں کو تو یہ بات رابیل اور احمر کی شادی پہ پتہ چلی تھی کہ وہ امجد صاحب کا بیٹا نہیں بھانجا ہے، وہ اماں سے کوئی بھی بات کیے بغیر اپنے روم میں چلی آئی جہاں مونا بھابھی سوتے ہوئے احمر پہ کمبل ڈال رہیں تھیں، اسے دیکھ کر وہ بھی کم و بیش اماں والا رویہ اختیار کرتے ہوئے دوسرے ہی پل کمرے سے باہر نکل گئیں، تو وہ کمرے کے وسط میں کھڑی دیکھتی رہ گئی، ایسا تو اس کے ساتھ پچھلے ڈیڑھ سال سے ہو رہا تھا اور جس کی وجہ سے ہو رہا تھا وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی اس نے بیگ کو دور اچھالا اور خود گرنے والے انداز میں بیڈ پہ بیٹھ گئی۔

''کاش احمر حسن تم، تم میری زندگی میں نہ ہوتے، تمہارا وجود ہی اس گھر میں نہ ہوتا یا پھر تم بھی اپنی ماں کے ساتھ ہی مر گئے ہوتے۔'' اس نے اپنے دائیں طرف لیٹے احمر کے بے حد وجیہہ چہرے کو دیکھتے ہوئے انتہائی سفاکی سے سوچا تھا، کیونکہ وہی تو تھا جس کی وجہ سے وہ سب سے دور ہو گئی تھی۔

کچھ دیر نفرت سے اس کی طرف دیکھنے کے بعد وہ کچن میں چلی آئی تا کہ زینت سے چائے بنوا کر پی لے، زینت کو چائے کا کہہ کر وہ کرسی کھینچ کر وہیں بیٹھ گئی۔

''رابیل باجی آپ کو پتہ ہے آج احمر بھائی کو بہت سخت دورہ پڑا تھا انہوں نے اپنی وہ مشین جس سے وہ اپنا سانس ٹھیک کرتے ہیں دیوار پہ مار کر توڑ دی تھی ان کے ہاتھ پاؤں بالکل مڑ گئے تھے، بڑی بی بی جی تو انہیں اس طرح تڑپتے دیکھ کر اونچی اونچی رونے لگیں تھیں مجھے تو خود رونا آ گیا تھا۔'' چائے کے لئے پانی چولہے پہ رکھ کر زینت اسے بتانے لگی زینت چھوٹی سی تھی جب اپنی ماں کے ساتھ اس گھر میں آئی تھی، ماں کے مرنے کے بعد اب وہ ادھر کام کرتی تھی، وہ رابیل کو باجی اور علیان اور احمر کو بالکل بھائیوں کی طرح سمجھتی تھی رابیل کو احمر کے بارے میں بتاتے ہوئے اس وقت بھی اس کی آنکھیں بھیگ گئیں تھیں۔

''ویسے رابیل باجی، احمر بھائی کو دیکھ کہ کوئی کہہ تو نہیں سکتا کہ ان کو اتنی خطرناک بیماری ہے اتنے پیارے ہیں، اتنے بھرو جوان اور بیماری دیکھو جی۔''

''چائے تو پلا دو پہلے پھر باتیں بھی سنا دینا۔'' رابیل نے اسے بری طرح ٹوکتے ہوئے کہا تھا۔

اس کے بعد سے تو اماں اور بابا جان نے اس سے بالکل بات کرنا چھوڑ دیا تھا، اماں جو پہلے بھی کبھار اسے پھر بھی مخاطب کر لیتیں تھیں، اب وہ بھی گیا تھا۔

مگر احمر کے ساتھ اس کے رویے میں کوئی فرق نہ آیا تھا، وہ اسے مخاطب کرنا تو دور کی بات اس کی طرف دیکھنا بھی پسند نہ کرتی تھی، حالانکہ احمر کی والہانہ نگاہوں کو اس نے اکثر ٹی وی لاؤنج میں ٹی وی دیکھتے، کھانے کی ٹیبل پہ اور کمرے میں کسی کتاب کو پڑھتے ہوئے بارہا اپنے چہرے پہ محسوس کیا تھا اور اس کی نگاہوں کے ارتکاز کو محسوس کرتے ہوئے وہ جب بھی جھنجھلا کر غصے سے اس کی طرف دیکھتی وہ اتنے ہوشیاری اور تیزی سے نگاہوں کا زاویہ بدل کہ خود کو کہیں اور مصروف کر لیتا کہ وہ اس کی چالاکی پہ دل ہی دل میں بھنا کر رہ جاتی۔

پھر شاذل کی شادی کا ہنگامہ کھڑا ہوا تو وہ جو سب الگ تھلگ رہتی تھی سب بھول بھال کر شادی کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی اس نے مونا بھابھی کے ساتھ مل کر شاذل کی دلہن کی ساری شاپنگ کی تھی، اس نے ہر کام میں مونا بھابھی کا اتنا ساتھ دیا تھا کہ انہیں ایک پل کو بھی محسوس نہ ہوا تھا کہ وہ اکیلی بہن ہیں پھر مونا بھابھی تو شادی سے کافی دن پہلے ہی میکے چلی گئیں، بھابھی کے جانے کے بعد اس نے بھی آفس سے چھٹی لے لی تھی جانتی تھی کہ اماں سے تو کچھ ہو گا نہیں اور زینت کو تو جتنا کہا جاتا تھا اتنا کر دیتی تھی اور پھر اسے صحیح معنوں میں بھابھی کی قدر کا اندازہ اب ہی ہوا تھا، اتنا کام ہوتا تھا وہ تھک جاتی تھی، سب کو ناشتہ بنا کر دینا، پھر زینت اور کلثوم سے صفائی کروانا، کلثوم تو صفائی کے بعد چلی جاتی پھر وہ زینت کو ساتھ لگا کر دوپہر کا کھانا بناتی، شام تک وہ تھک جاتی تھی صبح علیان بھائی آفس جاتے ہوئے اتنا ہنگامہ برپا کرتے تھے جس کا اندازہ اسے اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا، کبھی ان کی ٹائی نہ مل رہی ہوتی تو کبھی جرابیں، وہ ایک شرٹ استری کر کے دیتی تو کہتے کہ دوسرے والی کر دو اس پینٹ کے ساتھ وہ والی اچھی لگے گی، اس نے دل ہی دل میں بھابھی کی ہمت کو داد دی تھی جو صبح اٹھ کر دو عدد بچوں کے ساتھ بچوں کے اس قدر بگڑے باپ کو بھی بھگتتیں تھیں مگر احمر کا کوئی کام وہ اب بھی نہ کرتی تھی اسے کھانا دینا اس کے کپڑے پریس کرنا اس کے سارے کام زینت کرتی تھی۔

پھر شاذل کی شادی کے ایک ایک فنکشن کو اس نے بہت انجوائے کیا تھا مہندی، بارات سب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا، بخاری انکل کے ساتھ ان کی فیملی کے پرانے تعلقات تھے مونا کی علیان سے شادی سے تعلقات رشتے داری میں بدل گئے پھر وہ اور شاذل دونوں نے سکول سے لے کر یونیورسٹی تک اکٹھا ہی پڑھا تھا، اس لئے شاذل کی شادی ان کے لئے اپنے گھر کی شادی کی طرح ہی تھی، علیان بھائی تو مہندی والے دن سے ادھر ہی تھے، رابیل، احمر، بابا جان اور اماں ہر روز رات کو آ جاتے صبح پھر چلے جاتے، ولیمے والے دن بابا جان کو اچانک بخار ہو گیا تو اماں جان بھی ان کے پاس رک گئیں۔

''ارے یار! تم لوگ تو جاؤ تمہارے انکل کیا سوچ رہے ہوں گے، میں ٹھیک ہوں معمولی سا بخار ہے دوائی لی ہے ٹھیک ہو جاؤں گا، شاباش اٹھو تیار ہو جاؤ۔'' بابا جان نے پاس بیٹھے احمر سے کہا تو وہ اماں جان کو دیکھنے لگا تھا، تو وہ بھی مسکرا دیں۔

''تمہارے بابا جان صحیح کہہ رہے ہیں بیٹا اور پھر میں ہوں نا ان کے پاس آپ لوگ جاؤ۔'' اماں جان کے کہنے پہ وہ تیار ہونے کمرے میں آ گیا جس وقت وہ چینج کر کے نکلا وہ ڈریسنگ کے سامنے کھڑی جھمکے پہن رہی تھی، اس نے ایک سائیڈ سے ہو کر ہیئر برش پکڑا اور اس کے پیچھے کھڑا ہو کر بال بنانے لگا، بال بنانے کے بعد اس نے ہیئر برش ڈریسنگ پہ پھینکا اور پرفیوم اٹھانے کو تھوڑا آگے جھکا تو اس کا کندھا رابیل کے کندھے سے ٹکرا گیا رابیل کو غصہ تو اس بار بھی بہت آیا مگر وہ اب بھی کچھ نہ بولی تھی، بلکہ چوڑیاں اٹھا کر صوفے پہ بیٹھ کر پہننے لگی احمر بھی پرفیوم کی شیشی واپس رکھنے کے بعد بیڈ پہ بیٹھ کر جوتا پہننے لگا، اس کی نگاہیں مسلسل رابیل کے چہرے کا طواف کر رہیں تھیں، پنک باڈر والی فیروزی ساڑھی، ہم رنگ لپ اسٹک بالوں کو کھلا چھوڑے وہ نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت

لگ رہی تھی، احمر نے اپنی شادی والے دن کے بعد سے اب تک اسے اس طرح تیار ہوتے کبھی نہ دیکھا تھا، وہ کتنی ہی دیر پلکیں جھپکے بغیر اسے دیکھتا رہا، یہ اس کی نگاہوں کی تپش ہی تھی جس نے رابیل کو جو مکمل طور پہ چوڑیاں پہننے میں مگن تھی نگاہ اٹھا کر دیکھنے پر مجبور کیا تھا، اس کے اس طرح نگاہ اٹھا کے دیکھنے پر وہ مسکرا دیا تھا، اسے اس طرح دیکھتے اور پھر مسکراتے دیکھ کر رابیل کی پیشانی شکنوں سے بھر گئی تھی، ناگواری واضح طور پہ اس کے چہرے سے محسوس کی جا سکتی تھی مگر اس بار بھی وہ اس کی اس حرکت کو نظر انداز کرتی اٹھ کر ڈریسنگ کے نیچے پڑے جوتے پہننے لگی جب احمر کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

''اچھی لگ رہی ہیں، ساڑھی آپ پہ کافی سوٹ کی ہے۔'' اس کی بات پر رابیل نے ایک جھٹکے سے مڑ کر پیچھے دیکھا تھا مگر وہ اپنی بات مکمل کرنے کے ساتھ ہی اس کا ردعمل دیکھے بغیر کمرے سے نکل گیا، کیونکہ جانتا تھا کہ اب اس کی خیر نہیں ہے۔

''خبیث انسان، کمینہ۔'' وہ کتنی ہی دیر اسے مختلف خطابات سے نوازنے کے بعد بہت مشکل سے اپنے غصے پہ کنٹرول کرتی باہر نکلی تھی جہاں وہ سامنے اماں جان کے پاس کھڑا کوئی بات کر رہا تھا رابیل کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی، اس کی مسکراہٹ نے رابیل کو اندر تک جلا دیا تھا، مگر وہ اسے نظر انداز کرتی چپ چاپ پورچ میں نکل آئی تو وہ بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔

''اللہ کے نام پہ کچھ دے دو صاحب۔'' راستے میں گاڑی سگنل پہ رکی تو ایک بھکاری عورت نے احمر کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہوئے سوال کیا، احمر نے والٹ نکال کر بیس روپے اس کی طرف بڑھائے مگر پھر اس عورت کے پکڑنے سے پہلے ہی ہاتھ واپس کھینچ لیا تو اس عورت کے ساتھ ساتھ رابیل نے بھی حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا تھا، بیس روپے دوبارہ والٹ میں رکھنے کے بعد اس نے ہزار کا نوٹ نکالا جسے دیکھ کر بھکاری عورت کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں جبکہ رابیل بہت حیران ہو کر دیکھ رہی تھی کہ وہ کیا کر رہا ہے، ہزار کا نوٹ نکالنے کے بعد وہ ایکدم رابیل کی طرف مڑا پھر نوٹ اس کے اوپر سے وارنے کے بعد مسکراتے ہوئے اس عورت کو پکڑا دیا۔

''اللہ تمہاری جوڑی صدا سلامت رکھے صاحب۔'' وہ عورت خوش خوش احمر کو دعائیں دیتی آگے بڑھ گئی جبکہ رابیل نے غصے سے آنکھیں پھاڑ کے احمر کو دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔

''ایکچوئیلی وہ آج آپ لگ ہی اتنی پیاری رہیں تھیں میں نے سوچا نظر اتار دی جائے۔'' اس کی بات سن کر رابیل کا دل کیا کہ اس کا سر پھاڑ دے، کچھ دیر اسے گھورنے کے بعد وہ رخ موڑ کر باہر دیکھنے لگی، پھر سارا راستہ اس کا موڈ خراب ہی رہا تھا مگر وہاں پہنچ کر جب اس نے حرا، ندا، سیماب، سمبر اور عمر کو دیکھا تو اس کا غصہ ایک پل میں غائب ہوا تھا اور ایک خوشگوار احساس میں گھر کر وہ ان سب سے ملنے لگی، کتنی دیر وہ سب اس طرح ملے تھے اور پھر سارا وقت وہ لوگ یونیورسٹی کی ہی باتیں کرتے رہے تھے۔

☆☆☆

''رابیل ایک کپ چائے تو بنا دو۔'' وہ ابھی چکن بریانی کو دم لگا کے بیٹھی ہی تھی جب علیان بھائی نے چائے کی فرمائش کی تو اس نے گھور کے انہیں دیکھا تھا، وہ صبح سے کوئی دس دفعہ انہیں چائے بنا کر دے چکی تھی آج سنڈے تھا اور علیان بھائی گھر پہ ہی تھے، بھابھی شاذل کی

شادی کے بعد سے اب تک میکے ہی تھیں اور منت کی بنی ہوئی چائے، علیان بھائی کو پسند نہ ئی تھی اب علیان بھائی کی فرمائش پہ اس کا موڈ بھائی بگڑ گیا تھا، اس لئے بہت تپ کر اس نے کہا عا۔

''علیان بھائی پلیز آپ اپنی مسز کو لے یں، مجھ سے اتنی دفعہ چائے نہیں بنتی ہے۔''

''اچھا جی اور جو میری مسز تمہارے ہزبینڈ لے سارے کام کرتیں ہیں تم مجھے ایک کپ ئے کا بنا کے نہیں دے سکتی، آ لینے دو مونا کو میں ۔بھی اس سے کہہ دینا ہے کہ احمر کا کوئی کام نہ ے، پھر تمہیں پتہ چلے گا۔'' اس کی بات سن کر ن بھائی نے دھمکی دینے والے انداز میں کہا

''تو ٹھیک ہے نہ کریں، ویسے بھی مجھ پہ کوئی ن نہیں کرتیں وہ اپنے چہیتے کے کام کے۔'' اس نے چہیتے پہ کافی زور دیتے ہوئے ر علیان کے ساتھ بیٹھے احمر پر ایک نظر ڈال ہاتھ کر کچن کو چل دی۔

''بہت ہی بے مروت لڑکی ہے یار۔'' ما بھائی نے احمر کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ مسکرا

پھر ایک ہفتے بعد بھابھی آ گئیں تو اس نے کا سانس لیا اور دوبارہ سے آفس جوائن کر

''شکر ہے رابیل آپ کی شکل تو دیکھی ہے مجھے تو لگ رہا تھا جیسے سر شاذل کی نہیں بلکہ کی شادی ہوئی ہے۔'' اسے دیکھ کر اس کی رابعہ نے کہا تو وہ مسکرا دی، بخاری انکل ل کے علاوہ آفس میں کسی کو بھی یہ پتہ نہ ، شادی شدہ ہے، اسے دوبارہ آفس مجھے ابھی تھوڑے دن ہی ہوئے تھے جب

اس کی کولیگ ندرت نے سب کو اپنے نکاح کی تقریب میں مدعو کیا تھا، اس وقت بھی وہ اپنے سامنے فائل کھولے اس میں مہنمک تھی جب راینہ نے اسے یاد دلایا کہ آج آفس ٹائم کے بعد ندرت کے ہاں جانا ہے تو وہ دل ہی دل میں اپنی یادداشت پہ لعنت بھیجتے ہوئے یہ سوچنے لگی تھی کہ اس نے تو ابھی ندرت کے لئے کوئی گفٹ بھی نہ لیا تھا پھر آفس ٹائم کے بعد رانیہ کے ساتھ بازار جا کر اس نے ندرت کے لئے گفٹ خریدا اور وہیں سے وہ دونوں ندرت کے گھر چلی گئیں، ندرت کے ہاں اسے کافی ٹائم لگ گیا تھا، واپسی پہ وہ رانیہ کو اس کے گھر ڈراپ کر کے جب گھر پہنچی تو اس وقت نو بج رہے تھے، سردیوں کا موسم تھا، اچھا خاصا اندھیرا ہو چکا تھا، علیان بھائی کے سوا سب لاؤنج میں ہی موجود تھے، وہ بھی سب کو سلام کر کے وہیں بیٹھ گئی کسی نے بھی اس کے سلام کا جواب نہیں دیا تھا کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد وہ اٹھ کر کمرے میں آ گئی تو بابا جان احمر کو ڈانٹنے لگے تھے۔

''میں تو اس سے بات نہیں کرتا ہوں اور نہ ہی کبھی کروں گا لیکن تم تو پوچھ سکتے تھے نا کہ وہ اس وقت تک کہاں تھی۔''

''بابا جان پلیز آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انہیں کہیں آنے جانے کے لئے میری اجازت درکار نہیں ہوتی ہے پھر آپ مجھ سے کیوں ڈانٹ رہے ہیں۔'' بابا جان نے جس طرح احمر کو ڈانٹا تھا اس پہ اسے بھی غصہ آ گیا۔

''اچھا تو پھر کیا تمہیں شاباش دوں کہ تمہاری بیوی اتنی دیر تک گھر سے باہر تھی اور تمہیں پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے۔'' بابا جان بہت طنزیہ لہجے میں کہا۔

''بابا جان وہ میں......'' احمر نے کچھ بولنے

کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ بابا جان نے انتہائی غصے سے اسے درمیان میں ہی ٹوک دیا۔

''بس کردو یار تم تو بالکل ہی......'' بابا جان غصے سے اسے ٹوکتے اپنی بات مکمل کیے بغیر کمرے میں چلے گئے تو احمر بھی انتہائی خراب موڈ کے ساتھ کمرے میں چلا آیا، رابیل بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے کسی گہری سوچ میں مگن تھی۔

''اگر دیر ہوگئی تھی تو آپ فون تو کرسکتیں تھیں نا۔'' اس نے بیڈ کے دوسری سائیڈ پہ بیٹھتے ہوئے غصے سے کہا تھا۔

''کیوں کیا ہوگیا ہے؟'' اس کی بات سن کر رابیل نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ جو غصے میں اس کی جانب دیکھ رہا تھا اس کے اتنے آرام سے اس طرح پوچھنے پہ بھڑک اٹھا تھا۔

''ایکسوزمی، آپ کے لئے کچھ نہیں ہوا ہوگا لیکن میری جو ابھی بے عزتی ہوئی ہے وہ صرف آپ کی وجہ سے ہوئی ہے، اس لئے پلیز آج کے بعد اگر دیر سے آنے کا ارادہ ہو تو کم از کم گھر پہ فون کرکے ضرور بتا دیجئے گا ویسے کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اس وقت تک کہاں تھیں؟'' غصے میں بہت تیز تیز بولتے ہوئے آخر میں اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا تو رابیل کو گویا آگ لگ گئی تھی۔

''مسٹر احمر حسن! تم کون ہوتے ہو مجھ سے یہ پوچھنے والے یہ میری زندگی ہے، میرا جہاں دل چاہے جاؤں گی، میں تمہاری رعیت نہیں ہوں اور نہ ہی میں فاطمہ بخاری کی طرح کسی کے ساتھ گھر سے بھاگ......'' ابھی اس کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ احمر حسن کا ہاتھ اٹھا اور اس کے گال پہ اپنا نشان چھوڑ گیا۔

''بس، اب اس سے آگے ایک لفظ بھی بولا تو میں یہ بھول جاؤں گا کہ آپ کس کی بیٹی ہو اور میرا آپ سے کیا رشتہ ہے۔'' اپنی ماں کے بارے میں اس کے منہ سے اس طرح کے الفاظ وہ ایک بار پہلے بھی سن چکا تھا مگر آج بہت کوشش کے باوجود وہ خود پہ ضبط نہ رکھ سکا تھا، پھر کتنے ہی پل نفرت سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بہت غصے سے باہر نکل گیا تو اماں اور بھابھی ان دونوں کے لڑنے کی آواز سن چکیں تھیں اسے آوازیں دیتی رہ گئی مگر وہ اتنے غصے میں تھا کہ انہیں نظر انداز کرتے ہوئے گھر سے باہر نکل گیا۔

''ارے مونا علیان کو بھیجو بیٹا دیکھے تو یہ اتنی رات کو کہاں نکل گیا ہے۔'' اماں نے مونا بھابھی سے کہا تو وہ علیان کو بلانے کمرے کو دوڑیں پھر علیان بھائی آدھی رات تک اسے ڈھونڈتے رہے اس کے سارے دوستوں کے ہاں سے پتہ کیا تھا مگر وہ کہیں سے بھی نہ ملا تو وہ گھر واپس گئے ان کو اکیلے آتے دیکھ کر اماں نے رونا شروع کردیا۔

''اماں پلیز روئیں تو نہیں اس نے کہاں جانا ہے کسی دوست کی طرف ہوگا صبح جب غصہ ٹھنڈا ہوگا تو آجائے گا۔'' علیان بھائی نے اماں کو ساتھ لگاتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

جبکہ وہ خود بھی پریشان ہوگئے کہ کہاں جا سکتا تھا وہ ان کے علاوہ تو اس کا اس شہر میں کوئی نہ تھا، پھر وہ کہاں جا سکتا تھا۔

پھر پورا ایک سال گزر گیا مگر احمر کا کوئی پتہ نہ چل سکا، بابا جان نے ہر اس جگہ سے پتہ کروایا تھا جہاں اس کے موجود ہونے کے امکان تھے انہوں نے تو علیان بھائی کو بہاولپور بھی بھیجا تھا اس کے باپ کے پاس مگر وہ وہاں بھی نہ گیا تھا جب علیان بھائی نے انہیں بتایا کہ وہ وہاں بھی نہیں تو بابا جان رونے لگے تھے، انہیں تو وہ اپنے بیٹوں سے بھی عزیز تھا، سب گھر والے رابیل کو، سب کا قصوروار سمجھ رہے تھے اور تھی بھی وہی، بابا جان نے اس سے بات کرنا چھوڑ دیا تھا، اسے دیکھ کر پہلے وہ غصے سے رخ موڑ لیتیں تھیں مگر اب نفرت سے رخ پھیر جاتیں بابا جان اس کو دیکھ کر چلانا شروع کر دیتے تھے اور علیان بھائی نے تو اس کے بعد سے اس سے بات ہی نہ کی تھی، صرف بھابھی ہی تھیں جو اس سے بات کرلیا کرتیں اور ایک وہ خود تھی جو بقول اس کے اپنے وہ احمر حسن سے شدید نفرت کرتی تھی، کیونکہ زین چوہدری سے اس کی شادی نہ ہونے کی وجہ صرف اور صرف وہ تھا، مگر زین چوہدری کو کھونے پہ تو اس کی یہ حالت نہ ہوئی تھی جو احمر حسن کے چلے جانے پہ تھی، ہر پل ایک ہی سوچ اسے بے قرار کیے رکھتی کہ پتہ نہیں وہ کہاں ہوگا کس حال میں ہوگا، احمر کی اس کی زندگی میں کیا حیثیت واہمیت تھی یہ بات اس پہ اب جا کہ واضح ہوئی تھی جب وہ اس سے دور جا چکا تھا۔

☆☆☆

وہ سعد اور طوبیٰ کو ہوم ورک کروا رہی تھی جب شاذل کا فون آگیا، ندا اور حرا کے ابو کی ڈیتھ ہوگئی تھی، شاذل ان کے گاؤں جا رہا تھا رابیل کو اس نے اس لئے فون کیا تھا کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہی چلی چلے، کیونکہ علیان بھائی تو اپنے دوست کی بہن کی شادی میں شرکت کرنے کے لئے اسلام آباد گئے ہوئے تھے اور وہ جانتا تھا کہ انکل رابیل کو اتنی دور ڈرائیور کے ساتھ نہیں جانے دیں گے۔

''ہاں ٹھیک ہے بلکہ ایسے کرتے ہیں بسمہ کو بھی ساتھ لے لیتے ہیں میں ابھی اسے بتا دیتی ہوں۔'' پھر بسمہ کو فون کرنے کے بعد وہ اماں جان کے کمرے میں چلی آئی اسے دیکھ کر انہوں نے اپنا رخ دوسری جانب کرلیا تو وہ ایک گہرا سانس لے کے رہ گئی۔

''اماں جان وہ میری دوست ہے نا ندا اس کے ابو کی ڈیتھ ہوگئی ہے میں اور بسمہ شاذل کے ساتھ ان کے گاؤں جا رہے ہیں شام تک آجائیں گے۔'' اماں جان نے تو اس نے شام تک واپسی کا کہہ دیا مگر اس شام ان کی واپسی نہ ہوسکی، کیونکہ خاور انکل کی تدفین کافی لیٹ ہوئی تھی، اچھا خاصا اندھیرا چھا چکا تھا، اگلے دن قل ہونے کے بعد وہ واپسی نکل پڑے، شاذل اسے ڈراپ کرکے گیٹ سے ہی چلا گیا۔

''زینت ایک کپ چائے تو بنا دو، سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔'' بلند آواز میں زینت سے چائے کا کہنے کے بعد اس نے وہیں صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کہ آنکھیں موندلیں اسے بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی جب طوبیٰ دوڑتی ہوئی اس سے لپٹ گئی تھی۔

''پھپھو! پھپھو جانی احمر چاچو مل گئے وہ انکل پاپا کے ساتھ آرہے ہیں۔'' طوبیٰ کی بات پہ اس نے بے یقینی سے مونا بھابھی کی طرف دیکھا جو ابھی ابھی وہاں آئیں تھیں اس کے اس طرح حیرانی سے دیکھنے پہ بھابھی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بڑھ کے اسے گلے لگا لیا پھر بھابھی نے ہی اسے بتایا کہ علیان بھائی نے احمر کو وہاں شادی میں دیکھا ہے اور یہ کہ وہ اپنے بابا کے پاس بہاولپور میں ہوتا ہے۔

☆☆☆

اگلے دن علیان کے ساتھ صرف احمر ہی نہیں بلکہ اس کے فادر حسن ملک اور ان کی بیگم عاصمہ ملک بھی آئے تھے، حسن ملک نے بابا جان سے ان کی بہن فاطمہ بخاری سے کیے گئے سلوک اور اب احمر کی اپنے ہاں موجودگی کو بابا جان سے پوشیدہ رکھنے کی وجہ سے معافی مانگی تو بابا جان نے حسن ملک کے ساتھ بیٹھے احمر کو دیکھا تھا، اپنے

باپ کو پا کر وہ کس قدر خوش تھا اتنا خوش تو وہ ان کے پاس بھی نہ تھا ان کے اتنے لاڈ پیار کے باوجود وہ کبھی انہیں اتنا خوش اور مطمئن دکھائی نہ دیا تھا اور اب احمر کی خوشی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہی بابا جان نے حسن ملک کو معاف کر دیا تھا۔

''بھابھی جان، ہماری بیٹی کو تو بلائیں میں تو خاص کر اس سے ملنے کے لئے آئی ہوں۔'' عاصمہ بیگم کے کہنے پہ اماں جان نے مونا بھابھی سے رابیل کو بلانے کا کہا، وہ لوگ کافی دیر سے آئے ہوئے تھے اور اس دوران رابیل ایک بار بھی وہاں نہ آئی تھی، احمر کا سامنا کرنے کا سوچ کے ہی اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا، وہ جانتی تھی کہ وہ اس سے بہت ناراض ہو گا، اس وقت بھی وہ کمرے میں بیٹھی یہی سوچ رہی تھی جب بھابھی اس کو بلانے چلی آئیں۔

''محترمہ! آپ یہاں تشریف فرما ہیں اور وہاں آپ کی ساس صاحبہ آپ سے ملنے کو بے تاب نظر آ رہی ہیں، لہٰذا آپ اٹھیے اور بابا جان کے کمرے میں تشریف لے جایئے۔'' پھر بھابھی کے بہت بہت مجبور کرنے پہ وہ ان کے ساتھ بابا جان کے کمرے میں چلی آئی۔

اندر داخل ہوتے ہی سب سے پہلے رابیل کی نگاہ علیان بھائی کے ساتھ بیٹھے احمر پر پڑی وہ علیان بھائی کی کسی بات پہ مسکرا رہا تھا رابیل کو دیکھ کر نہ صرف اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی تھی بلکہ لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ اپنی نگاہوں کا زاویہ بدل کر بابا جان کی طرف دیکھنے لگا۔

عاصمہ بیگم اور حسن ملک بہت محبت سے رابیل سے ملے تھے، عاصمہ بیگم کافی دیر تک اسے اپنے پاس بٹھا کر باتیں کرتی رہیں، وہ نظریں جھکائے بس ہوں ہاں کیے جا رہی تھی اس نے ایک بار بھی نگاہ اٹھا کے احمر کی طرف نہیں دیکھا تھا، احمر کی جانب دیکھنے کی اس میں ہمت ہی نہ ہو رہی تھی، کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد وہ کچن میں آ گئی۔

''بھائی صاحب چھوڑیں ان باتوں کو یہ تو ہوتی رہیں گی، آپ ہمیں یہ بتائیں کہ ہم اپنی بہو کو لینے کب آئیں۔'' عاصمہ بیگم نے محبت آمیز نگاہوں سے احمر کی سمت دیکھتے ہوئے بابا جان سے کہا تو وہ ان کی بات سن کر ایک لمحے کو چپ سے ہو گئے تھے ان کی یہ خاموشی حسن ملک نے بھی نوٹ کر لی تھی تبھی بہت دھیمے لہجے میں بولے۔

''دیکھیے بخاری صاحب ہم جانتے ہیں کہ آپ نے احمر کو ہمیشہ اپنا بیٹا سمجھا ہے آپ نے اس طرح کبھی نہ سوچا ہو گا کہ وہ کبھی اس گھر سے آپ سے الگ ہو سکتا ہے اور یقین کیجئے کہ، کبھی اسے آپ سے دور کرنے کی بات بھی نہ کرتے اگر جو ہمارا ایک بھی اور بیٹا ہوتا مگر ہم بھی مجبور ہیں کیونکہ وہ ہماری اکلوتی اولاد اور ویسے بھی ہماری حویلی کو اب اس کے وجود کی عادت سی ہو گئی ہے۔'' حسن ملک کے التجائیہ لہجے پہ بابا جان احمر کو دیکھ کر مسکرا دیئے اگرچہ احمر کو خود سے دور کرنا ان کے لئے مشکل کام تھا مگر حسن ملک اور عاصمہ بیگم کی تنہا اور احمر کے چہرے پہ پھیلی آسودگی کو دیکھتے ہو انہوں نے یہ مشکل فیصلہ کر لیا تھا اور حسن سے کہہ دیا کہ وہ جب چاہیں رابیل کو لینے آ ہیں، عاصمہ بیگم تو اس وقت ہی اسے اپنے سا لے جانا چاہتیں تھیں مگر اماں جان نے ایک کی مہلت لے لی کہ انہیں رابیل کے لئے شاپنگ بھی کرنی تھی، ٹھیک ایک ہفتے بعد ملک اپنے ڈرائیور کے ساتھ اسے لینے آ گئے

ہاتھ نہیں آیا تھا۔

''بابا جان پلیز مجھے معاف کر دیں میں نے ب کا بہت دل دکھایا ہے۔'' اماں جان، علیان ی اور بھابھی سے ملنے کے بعد بابا جان کے منے رکتے اس نے جھکے ہوئے سر کے ساتھ آہستہ سے کہا تھا، جیسے صرف بابا جان ہی سن ے تھے، بابا جان نے بس ایک نظر اس کے سوؤں سے تر چہرے کو دیکھا پھر آگے بڑھ کے ے گلے لگا لیا جو بھی تھا وہ ان کی اکلوتی بیٹی تھی۔

☆☆☆

جس وقت وہ لوگ حویلی پہنچے شام کے ے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے، لی سے ملتے ہوئے عاصمہ بیگم کی آنکھیں خوشی چھلک پڑیں تھیں جس پہ حسن ملک نے قہقہہ نے ہوئے شرارت سے کہا تھا۔

''رابیل بیٹا! لگتا ہے آپ کی ساس کو آپ اچھا نہیں لگا کیونکہ اب تک تو اس حویلی پہ حکومت تھی۔''

''جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، یہ تو خوشی انسو ہیں کہ کبھی میں رب سے ایک بیٹے کی رتی تھی اور دیکھیں کس طرح میری دعا قبول ہے کہ اس نے مجھے بیٹے کے ساتھ بہو کے میں اتنی پیاری بیٹی بھی عطا کر دی ہے۔'' بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا اور رابیل کو ار پھر گلے سے لگا لیا، احمر باہر مردان خانے رابیل کی آمد کا سن کر بھی وہ حویلی کے حصے کی جانب نہ آیا تھا کھانے پہ بھی جب اسے بلانے گیا تو اس نے آ کر بتایا کہ نے ملک کہہ رہے ہیں انہیں بھوک نہیں ہے، جانتی تھی کہ وہ اس کی وجہ سے نہیں آ رہا، نے کے بعد حسن ملک بھی مردان خانے کی چلے گئے تو عاصمہ بیگم نے ملازمہ سے کہا

کہ وہ رابیل کو احمر کے کمرے میں چھوڑ آئے، وہ تھک چکی ہو گی تھوڑا آرام کر لے، پھر ملازمہ اسے کمرے تک چھوڑ گئی، کمرہ کافی کشادہ اور بہت اچھی طرح سیٹ کیا گیا تھا فرنیچر بھی بہت عمدہ تھا، کچھ دیر کمرے کا جائزہ لینے کے بعد وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر احمر کا انتظار کرنے لگی، وہ اپنے سابقہ رویوں کی وجہ سے احمر سے معافی مانگنا چاہتی تھی لیکن سفر کی تھکان کی وجہ سے اسے پتہ ہی نہیں چل سکا کہ وہ کب نیند کی آغوش میں چلی گئی، رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب کھٹکے کی آواز پہ اس کی آنکھ کھل گئی سوتے سے ایکدم اٹھنے کی وجہ سے کچھ پل کو تو وہ سمجھ ہی نہ سکی کہ وہ تو اس وقت کہاں پہ ہے، مگر جب نظر بیڈ پہ بیٹھے احمر کی پشت پر پڑی تو جیسے سب سمجھ میں آ گیا احمر بیڈ پہ بیٹھا آگے کو جھکا جوتے اتار رہا تھا، وہ ایکدم اٹھ کے بیٹھ گئی۔

''السلام علیکم!'' اسے اور کچھ سمجھ میں نہ آیا تو آہستہ سے سلام کیا اس کے سلام کرنے پر بھی اس نے نہ تو پیچھے مڑ کے اس کی طرف دیکھا تھا اور نہ ہی سلام کا جواب دیا بلکہ جوتے اتارنے کے بعد بیڈ کے ایک کنارے پہ لیٹ کے کمبل سر تک تان لیا، احمر کے اس رویے پہ رابیل کی آنکھیں پانیوں سے بھرنے لگیں تھیں۔

کتنی ہی دیر تک وہ کمبل میں لپٹے اس وجود کو دیکھتی رہی جس کی سلامتی اور زندگی کی دعائیں پچھلے ڈیڑھ سال میں اس نے بارہا مانگی تھیں کچھ دیر بھیگی پلکوں سے اس کی طرف دیکھنے کے بعد اس نے ہمت کر کے احمر کے چہرے سے کمبل ہٹا دیا، اس کی اس حرکت پہ احمر نے اسے گھور کے دیکھا تو وہ فوراً مسکین صورت بناتے ہوئے بولی۔

''احمر! پلیز مجھے معاف کر دو، آئی نو میں

نے تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا تھا تمہارا بہت دل دکھایا تمہیں اگنور کیا، مگر میرا یقین کرو احمر جب تم نہیں مل رہے تھے تو میں ایک رات میں سکون سے نہیں سوئی، ہر پل یہی سوچ بے چین کیے رکھتی تھی کہ پتہ نہیں تم کہاں ہو گے کس حال میں ہو گے، تمہارے بعد مجھے اندازہ ہوا تھا کہ تم میرے لئے کیا ہو، میرے دل میں تمہاری محبت......''

''ایکسوزمی!'' ابھی اس کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ احمر نے ہاتھ اٹھا کر اسے درمیان میں ہی ٹوک دیا، پھر درشت لہجے میں بولا۔

''دیکھیے ان سب باتوں کا اب کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ میرے لئے اب آپ کی یہ فضول بکواس کوئی اہمیت نہیں رکھتی میرے لئے اگر کوئی بات اہم ہے تو وہ یہ کہ میرے دل میں اب آپ کے لئے صرف اور صرف نفرت ہے اس لئے پلیز آئندہ مجھے مخاطب کرنے سے ذرا گریز ہی کیجئے گا تو آپ کے لئے اچھا ہوگا کیونکہ میں آپ کی شکل دیکھنا تو کیا آواز بھی سننا نہیں چاہتا۔'' آنکھوں میں نفرت کے رنگ لئے اپنی بات مکمل کرنے کے ساتھ ہی اس نے رابیل کے ہاتھ سے کمبل کھینچا اور ایک بار پھر سر تک تان لیا، رابیل کتنی ہی دیر تک حیرانی و بے یقینی سے اس قلعہ بند وجود کو دیکھتی رہی، پھر وہ ساری رات اس نے رو کے گزاری تھی اسے یقین ہی نہ آسکا تھا کہ کیا یہ وہی احمر ہے جو کبھی اس سے شدید محبت کرتا تھا۔

☆☆☆

اسے حویلی آئے ایک مہینہ سے زیادہ ہو گیا تھا مگر احمر کا رویہ اس کے ساتھ جوں کا توں تھا اس نے بھولے سے بھی کبھی رابیل کو مخاطب نہ کیا تھا، صبح فارم ہاؤس چلا جاتا جہاں سے اس کی واپسی شام کو ہی ہوتی کھانے کے بعد سے تقریباً رات گیارہ بارہ بجے تک وہ مردان خانے میں ہی تھا، اس کے کمرے میں آنے تک رابیل سو ہوتی تھی، رابیل کے ساتھ اس کے رویے کو ملک اور عاصمہ بیگم نے بھی نوٹ کر لیا رابیل سے اس کی ناراضگی کی وجہ نہیں جو تھے، جب وہ بخاری ہاؤس کو چھوڑ کر حویلی آ اس نے حسن ملک کے بہت بار پوچھنے بخاری ہاؤس کو چھوڑنے کی وجہ نہیں بتائی صرف اتنا کہا تھا کہ اگر انہوں نے حویلی کی موجودگی کی خبر لاہور پہنچائی تو وہ حویلی چلا جائے گا، حسن ملک اس کی اس دھمکی خوفزدہ ہو گئے تھے کہ کہیں وہ واقعی ہی جائے، انہوں نے ایک عرصہ اس کے بغیر کے لئے تڑپتے ہوئے گزارا تھا بہت دفعہ دل کیا تھا کہ وہ اسے ملنے اسے دیکھنے جا وہ اس وجہ سے رک جاتے تھے کہ امجد انہیں کبھی بھی احمر سے ملنے نہیں دیں گے ا جب وہ ان کے پاس آ گیا تھا تو وہ اسے چاہتے تھے وہ ان کی اکلوتی اولاد تھا پہلے جیسے وہ اس کے بغیر جی رہے تھے مگر اب ا تھا کہ وہ اس بغیر نہیں رہ پائیں گے تبھی تو نے جب علیان ان کے پاس احمر کا پوچھنے آ وہ چاہتے ہوئے بھی اسے نہ بتا سکے تھے، ہی اندر اس بات نے انہیں بہت پریشان کہ آخر ایسی کون سی بات ہے جس کی وجہ کو بخاری ہاؤس چھوڑنا پڑا اور اب را ساتھ احمر کے رویے کو دیکھتے ہوئے اتنا چکے تھے کہ بخاری ہاؤس سے احمر کے کی وجہ سے رابیل ہی تھی مگر ایک چیز کی اب بھی نہ آئی تھی کہ آخر اس پیاری سی ایسا کیا کیا تھا کہ ان کا بیٹا اسے اس حد انداز کر رہا تھا اور اس چیز کا پتہ لگانے

ں نے عاصمہ بیگم کو احمر سے بات کرنے کا ، عاصمہ بیگم تو خود رابیل سے اس کی لاتعلقی کو ہی نوٹ کر چکیں تھیں انہوں نے دو تین بار ل کو اکیلے میں روتے بھی دیکھا تھا وہ ہر بار کے پوچھنے پہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا دیتی اس لئے ں نے احمر سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

☆☆☆

''احمر! مجھے آپ سے بات کرنا تھی بیٹا۔'' معمول وہ کافی رات گزرنے کے بعد حویلی ہرونی حصے کی طرف آیا تھا تو عاصمہ بیگم جو نے پہ بیٹھے اس کا انتظار کر رہی تھیں اسے میاں چڑھتے دیکھ کر انہوں نے آواز دی۔

'جی ماما! بولیں کیا بات ہے؟'' عاصمہ بیگم نے وہ اوپر جانے کے بجائے ان کے آیا وہ دل ہی دل میں ان کے اتنی دیر تک حیران ہوا تھا۔

یٹھو۔'' عاصمہ بیگم نے اسے اپنے برابر شارہ کیا تو وہ یہ سوچتے ہوئے بیٹھ گیا کہ ی اہم بات ہے جو کرنے کے لئے وہ جاگ کر اس کا انتظار کر رہی ہیں۔

آپ کی رابیل سے کوئی ناراضگی چل رہی عاصمہ بیگم کے پوچھنے پہ ایک لمحے کو ے کا رنگ متغیر ہوا تھا، مگر دوسرے قابو پاتے ہوئے اس نے مسکرا کر سر لا دیا، تو عاصمہ بیگم کو اس کے جھوٹ پہ ی بہت غصے سے بولیں تھیں۔

ٹ مت بولو احمر، کوئی بات تو ہے ے رابیل آئی ہے نہ تم اس کے ات کرتے ہو۔'' عاصمہ بیگم کی یہ نے مسکرا کر ان کے خفگی بھرے

میری پیاری ماما جانی! آپ خواہ مخواہ میں مجھے ڈانٹ رہی ہیں حالانکہ وہ جو آپ کی رابیل بی بی ہیں نا انہیں میرے پاس بیٹھنا یا مجھ سے بات کرنا قطعاً پسند نہیں ہے اس لئے پلیز آپ کو ان کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں وہ ایسے زیادہ خوش رہتی ہیں۔'' اس نے عاصمہ بیگم کے گرد بازو پھیلاتے ہوئے مسکرا کر کہا تو انہوں نے گردن موڑ کے بہت دھیان سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا اس کے چہرے پہ پھیلی مصنوعی مسکراہٹ اور اس کی باتوں نے بہت سی باتیں ان پہ واضح کر دی تھیں، تبھی اس کے بازو ہٹاتے ہوئے وہ بہت پیار سے اسے سمجھانے لگیں تھیں۔

''دیکھو بیٹا ضروری تو نہیں کہ ماضی میں جو غلطیاں رابیل نے کیں اب تم بھی انہی کو دہراؤ، پہلے کا تو مجھے پتہ نہیں ہے لیکن اب میں پورے وثوق سے یہ کہہ سکتی ہوں کہ وہ تم سے بہت محبت کرتی ہے تمہارے اس رویے پہ میں نے کئی بار اسے روتے دیکھا ہے، پرسوں سے بخار ہے اسے میرے کئی بار کہنے پہ بھی وہ ڈاکٹر کے پاس نہیں جا رہی۔''

''تو میں کیا کروں ماما، یہ سب آپ مجھے کیوں بتا رہی ہیں؟'' اس کے بیزار لہجے پہ انہوں نے تاسف سے اسے دیکھا تھا۔

''اس لئے بتا رہی ہوں کہ وہ تمہاری بیوی ہے اور دیکھو بیٹا یہ جو میاں بیوی کا رشتہ ہوتا ہے یہ بہت مضبوط ہوتا ہے اگر اس میں محبت شامل ہو تو لیکن اگر دونوں فریقین چھوٹی چھوٹی باتوں کو انا کا مسئلہ بنالیں تو یہی رشتہ کچے دھاگے سے بھی کمزور ثابت ہوتا ہے اسے ٹوٹتے دیر نہیں لگتی اور آپ دونوں کے بیچ تو محبت کے ساتھ خون کا رشتہ بھی ہے اور جہاں یہ اتنے سارے رشتے ہوں وہاں نفرت یا بیزاری کا تو سوال ہی پیدا نہیں

ہوتا اور مجھے پتا ہے کہ آپ بھی رابیل کے ساتھ یہ سب نفرت میں نہیں بلکہ بدلہ لینے کے لئے کر رہے ہو۔" بات کرتے ہوئے انہوں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ ہنس دیا تھا۔

"ارے نہیں ماما! ایسا نہیں ہے۔"

"اور ایسا ہونا بھی نہیں چاہیے سمجھے تم، یہ بدلہ ودلہ اور نفرت نام کی جو چیزیں ہیں یہ سب کچھ ختم کر دیتی ہیں باقی صرف پچھتاوا رہ جاتا ہے اور میں نہیں چاہتی کہ میرا بیٹا زندگی میں بھی پچھتائے تم میری بات کو سمجھ رہے ہو نا؟" ان کی بات پہ اس نے مسکراتے ہوئے سر کو اثبات میں ہلا دیا، پھر ان کو بازوؤں کے گھیرے میں لیتے ہوئے بولا تھا۔

"او کے مائی سویٹ مام جیسا آپ چاہیں گی ویسا ہی ہوگا۔"

"اچھا بس ٹھیک ہے رات کافی ہو گئی اب سونا چاہیے اور یہ پیار محبت کے جو مظاہرے آپ میرے ساتھ کر رہے ہیں فی الحال ان کی ضرورت آپ کی بیوی کو ہے ماں کو نہیں۔" عاصمہ بیگم نے شرارت سے اس کے بازو ہٹاتے ہوئے کہا اور کمرے میں چلی گئیں ان کے اٹھنے کے بعد وہ کتنی دیر تک ان کی بات پہ مسکراتا رہا بے شک وہ اس کی سوتیلی ماں تھیں، لیکن محبت وہ اس سے سگی ماں کی طرح کرتی تھیں جس وقت وہ کمرے میں آیا رابیل تکیے پہ سر رکھے آنکھیں موندے لیٹی تھی دروازہ کھلنے کی آواز پہ اس نے آنکھیں کھول کے دیکھا تھا مگر سامنے احمر کو دیکھ کر جھٹ سے آنکھیں بند کر لیں اس کی اس حرکت پہ احمر کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی اسی طرح مسکراتے ہوئے وہ چینج کرنے چلا گیا، چینج کرنے کے بعد جب وہ بیڈ پہ آیا تو خلاف معمول رابیل کے بہت قریب لیٹا تھا وہ ہمیشہ رابیل سے بہت فاصلے پہ سوتا تھا لیکن آج اس نے جان کر فاصلہ ذرا کم رکھا تھا، احمر کی اپنے سے قریب موجودگی کو رابیل نے بھی محسوس کر لیا تبھی آنکھوں سے بازو ہٹا کر گردن موڑ کے دیکھا تھا احمر کروٹ کے بل لیٹا مسکراتے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"ہائے مسز! اب کیسی طبیعت ہے آ ماما کہہ رہی تھیں آپ کو بخار ہے۔" ا پوچھنے پہ اس نے کوئی لفظ بولے بغیر غصے کی طرف دیکھ کر دوبارہ سے بازو آنکھوں تو اس کی ناراضگی کو محسوس کر کے احمر کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی۔

"یار مسز! ناراض تو مجھے ہونا چاہیے سے، الٹا آپ مجھ سے خفا ہو گئی ہیں یہ کیا ہوئی بھلا۔" احمر نے اس کی آنکھوں سے ہٹاتے ہوئے پوچھا تو اس نے غصے سے ہاتھ جھٹک دیا۔

"پلیز سونے دو مجھے میرے سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔" اس کی بات پہ احمر ایک پل کو حیرت سے اسے دیکھا تھا پھر سے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں تھیں مسکراتے ہوئے بولا۔

"درد ہو رہا ہے یا تو کوئی بات نہیں میں دبا دیتا ہوں دیکھیے گا درد کیسے منٹو بھاگ جائے گا۔" شرارتی لہجے میں کہتے اس نے ہاتھ ابھی رابیل کے ماتھے پہ رکھا کہ وہ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کرنٹ کھا کر اس سے پہلے کہ وہ بیڈ سے اترتی احمر نے ہاتھ تھام کے دوبارہ بیڈ پہ بیٹھا دیا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ؟" اس نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا مگر احمر کی گرفت مضبوط

"بدتمیزی نہیں محبت کہیے مادام۔"

جذبے لٹاتی نگاہوں سے اس کی سمت دیکھ کے کہا تو وہ بھڑک اٹھی تھی۔

"اچھا جی روز وہ جو آپ نے اس دن کہا تھا کہ آپ میری آواز نہیں سننا چاہتے آپ کو میری شکل سے بھی نفرت ہے وہ سب کیا تھا۔" وہ اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی اس کے کڑے لہجے میں استفسار پہ کچھ دیر کو احمر اپنا سر کھجانے لگا پھر ہنستے ہوئے بولا۔

"وہ تو میں مذاق کر رہا تھا ورنہ اس دل میں تو آپ کے لئے محبت ہی محبت ہے یقین نہ آئے تو چیر کے دیکھ لیں اس کے ہر خانے میں آپ کو صرف آپ ہی نظر آئیں گی۔" اس نے قدرے رابیل کی طرف جھکتے ہوئے کہا تو رابیل کو گویا آگ ہی لگ گئی۔

"تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے مسٹر احمر حسن کہ جب تمہارا دل چاہے گا تم مجھ سے محبت کرنے لگو گے اور جب دل نہیں چاہے گا تو نفرت کرنے لگو گے؟" احمر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انتہائی غصیلے اور قدرے بھیگے لہجے میں کہا تو احمر کو اس لمحے وہ بالکل پہلے والی ہٹ دھرم رابیل لگی تھی فرق صرف اتنا تھا کہ اب اس کے لہجے میں احمر کے لئے نفرت مفقود تھی اب غصہ صرف احمر کے اس رویے کی وجہ سے تھا جو وہ گزشتہ چند دنوں سے اس کے ساتھ روا رکھے ہوئے تھا وہ بھلا احمر کے اس رویے کی کہاں عادی تھی اس لئے ہی تو اس کا یہ رویہ اس سے برداشت نہ ہو رہا تھا، احمر کچھ پل اس کے خفگی بھرے چہرے کو مسکراتے ہوئے دیکھتا رہا پھر اس کی طرف جھکتے ہوئے اس کو بازوؤں کے گھیرے میں لیتے ہوئے بولا۔

"قسم سے یار، اس وقت تو میرا دل صرف آپ سے محبت کرنے کو کر رہا ہے کیونکہ آپ لڑتے ہوئے لگ ہی اتنی اچھی رہی ہیں۔" احمر کے بدلے ہوئے لہجے اور انداز پہ رابیل کا دل ایک پل کو زور سے دھڑکا تھا، مگر دوسرے ہی پل خود پہ قابو پاتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھوں سے احمر کو پیچھے دھکیلا اور بیڈ سے اتر کر باہر کو لپکی ابھی وہ دروازے پہ ہی پہنچی تھی کہ اس کے قدم احمر کے کھانسنے کی آواز پہ وہی جم گئے اس نے بجلی کی سی تیزی سے پیچھے مڑ کر دیکھا احمر سینے کو مسلتے ہوئے مسلسل کھانس رہا تھا۔

"احمر! احمر کیا ہوا ہے؟" وہ اپنی تمام ناراضگی اور غصے کو فراموش کیے ایک پل میں اس تک پہنچی تھی، احمر نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا بلکہ کھانستے کھانستے اس نے لیٹ کر سر تکیے پر رکھ کر آنکھیں موند لیں اسے سانس لینے میں بہت دقت ہو رہی تھی اس کی حالت کو دیکھ کر رابیل زار و قطار رونے لگی تھی۔

''احمر! احمر پلیز آنکھیں کھولو، تم بول کیوں نہیں رہے۔'' احمر کی بند ہوتی آنکھوں کو دیکھ کے وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر ہچکیوں سے رونے لگی تھی روتے روتے اسے ایک دم عجیب سا احساس ہوا تھا تو اس نے دھیرے سے سر اٹھا کر دیکھا احمر مسکراتے ہوئے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا، رابیل کی بھیگی آنکھوں کو دیکھ کہ اس کی مسکراہٹ قہقہے میں بدل گئی تو اپنے بے وقوف بننے پہ رابیل کو بہت غصہ آیا تھا۔

''خبیث انسان اگر میرے دل کو کچھ ہو جاتا تو۔'' غصے سے کہتے ہوئے اسے اپنے گرد سے احمر کے بازو ہٹانا چاہے تو وہ ایک بار پھر قہقہہ لگا کر ہنس دیا پھر دھیرے سے اس کے کان میں بولا تھا۔

''یار مسز اپنا یہ دل ہمیں دے دیں یقین مانیے بہت محبت سے رکھیں گے اسے۔'' احمر کی بات پہ اس نے گردن موڑ کے اس کے چہرے کی جانب دیکھا تو صرف ایک لمحے کو ہی دیکھ پائی تھی فوراً نگاہ جھکا لی، اس کے گلابی گالوں پہ شفق رنگ کچھ اس طرح پھیلے تھے کہ احمر یک ٹک دیکھے جا رہا تھا، وہ اس طرح شرمائی شرمائی سیدھی دل میں اترے جا رہی تھی۔

تیرا خیال تیری طلب تیری آرزو
اک بھیڑ بھی لگی ہے میرے دل کے شہر میں
دنیا کی نعمتیں تو یہاں دستیاب ہیں
تیری ہی اک کمی ہے میرے دل کے شہر میں

اس نے رابیل کے جھکے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے بہت دھیمی آواز میں یہ اشعار بولے تھے رابیل ایک بار پھر اس کی جانب دیکھنے لگی احمر اس سے محبت کرتا ہے اس بات کا تو یقین تھا اسے ، مگر اس قدر محبت کرتا ہے کہ اس کی تمام بدتمیزیوں اور گستاخیوں کے باوجود اس کے دل میں اب بھی رابیل کی محبت ہی ہے اس کا یقین نہ تھا اسے وہ حیرت سے اسے دیکھے جا رہی تھی کہ احمر اس کے گرد سے بازو ہٹا کر اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلاتے ہوئے شرارت سے کہا تھا۔

''ہیلو اگر اتنے واضح اظہار محبت کے بعد بھی آپ کو یقین نہیں آ رہا میری محبت کا مادام تو بتائیے کہ کس طرح سے آپ کے دل میں تھوڑی سی جگہ مل سکتی ہے؟''

''ایکسوزمی یہ میرا دل ہے جناب کوئی لفٹ نہیں جس میں ہر ایرا غیرا گھسا چلا آئے سمجھے آپ۔'' احمر کے سے شرارتی انداز میں کہتے ہوئے وہ ہاں سے اٹھنے لگی کہ احمر نے اس کا ہاتھ تھام کر اس کا رستہ روکا تھا۔

ذرا ٹھہرو
کہ تم سے اک ضروری
بات کرنی ہے
ادھر آؤ
کہ رستے میں کھڑے ہونا اچھا نہیں لگتا
یہاں بیٹھو
کہ باتیں تو ہمیشہ ہم تسلی سے ہی کرتے ہیں
ہمیں اس طرح مت دیکھو
نہیں تو ہم تمہارے سامنے
کچھ کہیں نہیں پائیں گے
ہاں تو بس......

''کیا ابھی بھی کچھ کہنا باقی ہے؟'' اس کی نظم پوری ہونے سے پہلے ہی وہ جس انداز میں چیخی تھی اس پہ احمر قہقہہ لگا کہ ہنس دیا تھا، لیکن اس بار اس کی ہنسی میں رابیل کی ہنسی بھی شامل تھی۔

☆☆☆

کھو نہ جائے خوشی

سعدیہ عابد

"پاری! پاگل مت بن، اس طرح کسی کو فون کرنا غیر اخلاقی حرکت ہے۔"

"یار! ماہی کرنے دینا، ہم کون سا سیریس ہیں، شغل میلہ ہی تو لگانا چاہتے ہیں۔" وہ ریفرشمنٹ کے لوازمات کی ٹرے ان دونوں کے سامنے رکھتے ہوئے بولی تھی، پاری نے چپس اور ماہی نے لمحہ ضائع کیے بنا نمکو کی پلیٹ اٹھالی تھی۔

"لیکن مجھے تم دونوں کا یہ شغل میلہ کچھ خاص پسند نہیں آرہا، کسی کی دل آزاری کو تم لوگ شغل سمجھتی ہو۔" پلیٹ خالی کرتے ہوئے بول رہی تھی ماہی کو وہ دونوں ہی گھورنے لگیں کہ اس نے ناصحانہ باتیں فی الحال وہ سننے کے موڈ میں نہیں ہیں۔

"پاری تو ایک دفعہ پھر سوچ لے، اپنے اکلوتے ہینڈسم بھائی کی اس لیکچرار سے شادی کروا کے بعد میں تجھے پچھتانا نہ پڑے، یہ تجھے اور تیرے بھائی کو صبح و شام ناصحانہ ڈوز دیا کرے گی۔" مہوش نے پلیٹ ٹرے میں رکھی اور اس کی گردن پکڑلی۔

"دوست نما دشمن۔" وہ غرائی تھی، پری وش ہنسنے لگی تو وہ اس کے واویلوں پر گردن چھوڑتی اس کو گھورنے لگی۔

"قسم سے تم ایسے کبھی بھیا کو مت دیکھنا، ورنہ وہ اپنا دل ہار جائیں گے۔" اس نے شرارت سے آنکھیں گھمائی تھیں۔

"کہاں یار، انہیں کیسے بھی دیکھ لوں ان پر میری کوئی نگاہ اثر ہی نہیں کرتی اور جب وہ تنبیہہ کرتی نگاہ ڈالتے ہیں مجھ پر گھڑوں پانی پڑ جاتا ہے۔" وہ اداس ہوگئی تھی۔

"چل نہ تو دل چھوٹا نہ کر مجھے پکا یقین ہے کہ وہ دن دور نہیں ہیں جب بھیا کو تیرے سوا کچھ دکھائی ہی نہیں دے گا۔" پاری پر یقین لہجے میں ایسے بولی جیسے ستاروں و قسمت کا حال جانتی ہو، وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

"کیا یار تم دونوں نے پھر ڈرامہ شروع کر دیا۔" ماحول کی اداسی کم کرنے کو فاری مصنوعی خفگی سے بولی تھی۔

"ہاں تو...... تو ہی نمبر نہیں ملا رہی۔" فاری نے پاری کو گھورا تھا اور ماہی کچھ کہتی کہ وہ دونوں کورس میں بولیں۔

"ایک کال سے کچھ نہیں ہوتا، تو بھی انجوائے کر ہمیں بھی کرنے دے۔"

"میری طرف سے بھاڑ میں جاؤ۔" وہ تپ گئی تھی اور پاری نئے نکور سیل فون سے نمبر ڈائل کرنے لگی 0300 ملانے کے بعد دو نمبر فاری سے اور دو ماہی سے پوچھ کر باقی نمبر خود مکمل کیا اور لاؤڈ اسپیکر آن کر دیا، کچھ ہی دیر میں ایک قدرے موٹی زنانہ آواز ابھری، ماہی کو بے ساختہ ہنسی آئی تھی، وہ تو بروقت قریب بیٹھی فاری نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا مگر لائن کٹ کر چکی تھی اور اتفاق ہی تھا کہ انہوں نے تین دفعہ کال ملائی اور تینوں ہی دفعہ دوسری جانب خاتون تھی، فاری نے اب کے پی ٹی سی ایل نمبر ڈائل کیا۔

"السلام علیکم جی! کس سے بات کرنی ہے؟" لہجے و انداز سے وہ گھر کی ملازمہ لگی فاری نے اپنے اوکے کا سگنل دے دیا تو وہ بولی۔

"ثقفی خان سے بات کرنی ہے۔" وہ آرام سے بولی یہ نام کچھ دیر قبل ان لوگوں نے ناول میں پڑھا تھا۔

"چھوٹے صاحب تو گھر پر نہیں ہیں جی۔"

"ہیں، ماہی تو کہہ رہی تھی کہ یہ نام اس دنیا میں کسی کا نہیں ہوگا کہ ناول کے ہیرو ناول کے صفحات سے کبھی باہر نہیں آتے۔" لاؤڈ اسپیکر آن تھا اس لئے وہ گود میں رکھا تکیہ اس پر رکھتی دبے

دبے لہجے میں بولی تھی۔

"میں نے تو آج تک نہیں سنا بس اس لئے۔" وہ ان دونوں کو گھورنے پر کچھ خفیف ہوگئی تھی اور فاری نے اس سے کہا تھا کہ وہ کچھ اور پوچھے تب تکیہ ہٹا کر بولی۔

"ثقفی خان، گھر پر نہیں ہے کوئی تو ہوگا، کسی بھی گھر کے فرد سے بات کروادو۔"

"بیگم صاحبہ کو نہیں بلا سکتی جی، وہ سو رہی ہیں طبیعت خراب ہے ان کی، میں نے اٹھایا تو چھوٹے صاحب مجھے جان سے مار دیں گے۔"

"کیوں...... کیوں مار دیں گے جان سے کیا وہ اتنے ظالم ہیں۔" وہ مسکراہٹ ہونٹوں تلے دباتی شرارت سے بولی تھی۔

"نہیں جی ظالم تو نہیں ہیں بس غصہ کے بہت تیز ہیں، ناک پر مکھی بیٹھنے نہیں دیتے جی۔" دوسری جانب بڑی معصومیت سے کہا گیا تھا۔

"اچھا تو پھر کیا مچھر کو بیٹھنے دیتے ہیں۔" ماہی کی رگ ظرافت پھڑکی تھی۔

"آپ کیسی باتیں کرتی ہیں جی اور آپ ہیں کون؟" وہ تینوں ایک دوسرے کو دیکھ دبے دبے انداز میں ہنسنے لگیں کہ سب سے پہلے کیا جانے والا سوال اب کیا گیا ہے۔

"میں چاندنی ہوں، تمہارے چھوٹے صاحب کی گرل فرینڈ۔" یہ جملہ فاری نے کہا تھا۔

"یہ کیا ہوتا ہے جی؟" وہ تینوں ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرنے لگیں۔

"دوست میں تمہارے صاحب کی دوست ہوں ثقفی اور میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، تم نے کبھی کسی سے محبت کی ہے؟" پاری نے دوستانہ انداز میں پوچھا تھا۔

"نہیں جی، وہ اماں کہتی ہے لڑکیوں کو صرف اپنے خوند (شوہر، خاوند) سے محبت کرنی چاہیے۔" اس کا شرمایا لہجہ ان تینوں سے ہنسی کنٹرول کرنا مشکل ہوگیا۔

"اچھا، تو تم شادی شدہ ہو۔" ماہی نے پوچھا تھا۔

"نہیں جی، پر اماں کہتی ہے وہ میرے سولہ سال کے ہوتے ہی میرا ویاہ کردے گی۔" ماہی اب کے ہنسی روک نہیں سکی تھی۔

"آپ ہنس کیوں رہی ہو جی؟" اس کے معصومیت سے پوچھنے پر ان دونوں نے اسے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھا۔

"تمہارے چھوٹے صاحب، کب آتے ہیں؟" فاری نے موضوع بدلا تھا۔

"وہ اس وقت تو کبھی نہیں آتے جی، صبح دس بجے جاتے ہیں، کبھی سات بجے تو کبھی آٹھ اور اس کے بعد بھی آتے ہیں جی۔" وہ فرمانبرداری سے بتا رہی تھی۔

"تمہارے صاحب کرتے کیا ہیں؟" ماہی نے پوچھا تھا۔

"جی اپنا کاروبار ہے جی، ہمارے چھوٹے صاحب بہت اچھے بہت دیالو ہیں جی۔"

"تمہارے چھوٹے صاحب کھٹور اور سنگ دل بھی ہیں، انہوں نے مجھ سے محبت کی پینگیں بڑھائیں اور جب میں ان کی محبت میں رنگ گئی تو میرے سارے رنگ چھین لئے، میرے دل کے کورے کاغذ پر اپنی شبیہہ اتار کر محبت کی شکل ہی ایکدم مسخ کردی اور تم کہتی ہو کہ تمہارے صاحب ظالم نہیں ہیں۔" پاری نے سارے ڈائیلاگز وہی بولے تھے جو اس نے ناول میں پڑھے تھے۔

"نہیں جی، ہمارے صاحب ایسے نہیں ہیں، صاحب کی کسی لڑکی سے دوستی بھی نہیں

ہے۔" وہ لگی لپٹی کے بغیر بولی تھی۔

"ارے تم گھر کی ملازمہ ہو، اب تمہیں کیا معلوم کہ وہ کس سے دوستی کرتا ہے کس سے نہیں، وہ تو تم پر بھی بری نظر رکھے ہوئے ہے۔" اس کے فاری مزے سے بولی تھی، پاری نے اس کے بازو میں چٹکی کاٹی تھی۔

"تمیز سے حد سے بڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے کھلا ہوا ڈائجسٹ بند کر دیا کہ جس کو دیکھ دیکھ کر بول رہی تھی۔

"نہیں جی، چھوٹے صاحب تو نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے، وہ بہت شریف انسان ہیں، آپ کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے جی۔"

"غلط فہمی مجھے نہیں تمہیں ہوئی ہے جی اور میں نے تو تمہیں سمجھا دیا، اب آگے تمہاری مرضی۔" اس نے لائن کاٹ دی۔

"کیا ضرورت تھی لائن کاٹنے کی اتنا مزا آ رہا تھا۔" اس نے پاری کو گھورا۔

"تمہیں وہ سب بکواس کرنے کیا ضرورت تھی؟" پاری نے فاری کو کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"میں تو صرف وہی بول رہی تھی جو پڑھ رہی تھی۔" وہ ناسمجھی سے بولی تھی کہ طے ہی یہ پایا تھا کہ وہ جس سے بھی بات کریں گی ڈائیلاگز ناول میں سے دیکھ کر ہی بولیں گی۔

"جاہل لڑکی، کبھی دھیان بھی دے لیا کر، صفحے الٹ چکے ہیں اور تو نے پتہ نہیں کیا کچھ اس افسانے میں سے دیکھ کر بول دیا، وہ لڑکی لہجے سے ہی معصوم لگ رہی تھی اس نے یہ سب اپنے چھوٹے صاحب یا بیگم صاحبہ کے سامنے کہہ دیا تو اس کی نوکری بھی ختم ہو سکتی ہے۔" ماہی کا بس نہیں چل رہا کہ فاری کا گلا دبا دے۔

"لو صفحے الٹ گئے تو مجھے کیا پتہ، اب تم نے بھی تو کہا تھا کہ ثقفی خان، صرف ناول میں ہی نام ہے، رئیل میں کسی کا نہیں ہوگا ہمیں تو پہلی کال ہی اس نام کے شخص سے جا ملی۔" وہ کہاں زیادہ دیر شرمندہ رہ سکتی تھی۔

"اچھا اب دونوں الجھو مت اور میں دوبارہ کال ملاتی ہوں۔" پاری بولی تھی۔

"کال ملا کر کہو گی کیا؟" ماہی نے پاری کو دیکھا۔

"کچھ بھی، تاکہ کوئی ہماری وجہ سے کسی کے کردار پر تو شک نہ کرے۔" فاری نے جواب دیا تھا اور پاری نے وہی نمبر دوبارہ ڈائل کیا اور اسی نے کال رسیو کی۔

"تمہارے صاحب ویسے ہی ہیں جیسا تم سمجھتی ہو، میں نے وہ سب غصہ میں کہا تھا۔" وہ لگی لپٹی کے بغیر بولی تھی۔

"اس لئے نہ جی کہ آپ کی چھوٹے صاحب سے لڑائی ہو گئی ہے۔"

"تم سے کس نے کہا؟" فاریحہ الجھ کر بولی تھی۔

"میں نے اندازہ لگایا ہے جی، جب اماں اور ابا کی لڑائی ہوتی ہے تو اماں بھی ابا کو نہ جانے کیا کچھ کہہ دیتی ہے اور جیسے ہی غصہ اڑن چھو ہوتا ہے تو وہ دونوں شیر و شکر ہو جاتے ہیں جی۔" فاری کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"مگر میری تمہارے صاحب سے شادی نہیں ہوئی ہے جی، تمہارے صاحب نے میرا دل توڑ دیا ہے، بے وفائی کی ہے مجھ سے، محبت کے چھوٹے سپنے دکھا کر میری نیندیں حرام کر دی ہیں۔" فاری لحظہ بھر کو رکی تھی اور پاری کو ناول کے جتنے ڈائیلاگز یاد تھے ایک ہی سانس میں کہہ دیئے۔

"صاحب ایسے لگتے تو نہیں جی اور اک مشورہ ہے جی، آپ بیگم صاحبہ سے بات کر لو جی، صاحب، بیگم صاحبہ کی کوئی بات نہیں ٹالتے، آپ بیگم صاحبہ کو پسند آ گئیں نہ جی تو صاحب آپ سے شادی سے انکار نہ کر سکیں گے جی۔" وہ بی سمجھداری سے بول رہی تھی۔

"پھر تم کب بیگم صاحبہ سے اپنی شادی کی بات کر رہی ہو جی؟" ان دونوں نے پاری کو شرارت سے دیکھا اور وہ ان دونوں کو گھورنے لگی وہ تینوں چونکی تو تب، جب ایک مضبوط بھاری گمبھیر لہجہ سماعتوں میں گونجا۔

"ہیلو، ثقفی خان اسپیکنگ۔" وہ تینوں باتوں میں لگی تھیں اس لئے توجہ نہیں دے سکیں تھیں کہ سیل فون پر تکیہ رکھا تھا، جبکہ ملازمہ نے اسے سلام کر کے بتایا تھا کہ اس کے لئے فون ہے اور ریسور لے کر اس نے اپنے مخصوص انداز میں کسی بھی بات سے قبل تعارف کروایا تھا وہ باتوں میں مگن نہ ہوتیں اور موبائل پہ تکیہ نہ رکھا ہوا تو دوسری جانب ہونے والی گفتگو ضرور سنتیں، آواز پر اس کا ہاتھ ہوا میں ہی معلق رہ گیا جس میں اس نے تکیہ اٹھایا تھا۔

"ہیلو، کوئی بول ہی نہیں رہا، فضول قسم کی کالز نہ تم رسیو کیا کرو اور مجھے دینے کی تو ہرگز مت نہ کیا کرو، جاؤ جا کر میرے لئے فریش ورنج جوس لے کر آؤ۔" کسی کو بولنے پر آمادہ نہ پا کر اس نے ملازمہ کو اپنے مخصوص کٹیلے لہجے میں گھر کا تھا اور وہ شرمندہ ہوتی وہاں سے بھاگ لی تھی اور اتنی دیر بعد وہ تینوں ہی صورتحال کچھ نہ کچھ سمجھ گئی تھیں اور پاری اپنے خود اعتماد انداز میں میدان میں اتری تھی۔

"میں چاندنی بول رہی ہوں، ثقفی خان۔"

وہ ریسور رکھتے ہوئے ٹھٹکا اور دوبارہ ریسور کان سے لگا لیا۔

"کون چاندنی؟"

"صرف تمہاری چاندنی، ثقفی خان بھول گئے مجھے۔" فاری نے اس کا کندھا تھپک کر اب کے صحیح صفحات کھول کر ڈائجسٹ اس کو پکڑائی تاکہ وہ ڈائیلاگز بھول کر کچھ غلط نہ کہہ دے۔

"واٹ ربش، کون ہیں آپ محترمہ؟ میں آپ کو نہیں جانتا۔" وہ تو طیش میں آ گیا ہے۔

"ایسے مت کہو ثقفو، میں مر جاؤں گی تمہاری بے اعتنا ہی میری جان لے لے گی۔" اس نے بھرپور جذباتی لہجے میں کہا تھا اور اس کے تو سر پہ لگی پیر پر بجھی۔

"او یو شٹ اپ، میں خوب تم جیسی لڑکیوں کو سمجھتا ہوں ٹائم گزاری کے سب بہانے ہیں، مگر میں کوئی فالتو بندہ نہیں ہو، اپنی یہ چھچھوری رومانوی باتیں کسی اپنے جیسے ہی کو سناؤ، آئندہ کال کی تو وہ حال کروں گا کہ یاد رکھو گی۔" وہ فون پٹخ گیا تھا اور وہ تو ایسے سن ہو گئی تھی کہ ان دونوں کو تشویش ہونے لگی، ماہی نے اس کا کندھا ہلایا اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

"میں اسی لئے تم دونوں کو منع کر رہی تھی۔"

وہ دونوں ہی خوامخواہ میں شرمندہ ہو گئی ہیں اور وہ بیڈ سے اتری اور تقریباً بھاگتے ہوئے فاری کے گھر سے نکلتی چلی گئی، پری وش اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہے اور اس کا ایک ہی اکلوتا بھائی تھا عبدالممیت شیرازی، عبدالممیت شیرازی کے یہ ہی دو بچے ہیں، ان کا اپنا گاڑیوں کا شوروم ہے، پہلے وہ اکیلے جسے سنبھالتے تھے، عبدالممیت نے تعلیم مکمل کر کے باپ کا بزنس سنبھال لیا تھا۔

مہوش، پری وش کی چچا زاد تھی، مہوش کے پیرنٹس کی ڈیتھ ہوئی جب وہ محض چار برس کی تھی، مہوش کی پرورش عبدالمقیت کے پیرنٹس نے کی تھی، مہوش اور پری وش دونوں ہم عمر تھی، مہوش

اس سے محض گیارہ دن بڑی ہے اور دونوں ترنگ
میں ہوتی تو اس کو بہت انجوائے کرتی ہیں کہ
مہوش اس پر رعب جھاڑتی اور وہ مسمی سی صورت
بنا کر اس کے رعب میں آجاتی اور پھر دونوں کی
ہنسی اور شرارتوں سے شیرازی ہاؤس کے در و
دیوار چہک اٹھتے ہیں، دونوں میں خوب ہی بنتی
بھی ایک دوسرے کے بغیر دونوں کا گزارہ ہی
نہیں تھی، دونوں ایک جان اور ایک قالب ہوا
کرتی تھیں کہ کالج میں فریحہ سے دوستی ہوئی اور
وہ تینوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم بن
گئیں کہ فریحہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی اور
شیرازی ہاؤس کے سامنے والا ان کا ہی بنگلہ تھا وہ
لوگ لاہور سے کراچی شفٹ ہوئے تھے۔

تینوں ایک دوسرے کے بغیر رہنے کا تصور
بھی نہیں کرتیں، بی کام پارٹ ٹو کے پیپرز دے کر
فارغ تھیں، کبھی شیرازی ہاؤس میں تو کبھی فریحہ
ولاز میں تینوں شرارتیں کرتی پائی جاتی ہیں، تینوں
کے ہی پاس کافی عرصے سے اپنے اپنے سیل فونز
تھے، مگر انہوں نے آج کل کے نوجوان کی طرح
اسے کبھی یوز نہیں کیا۔

اپریل فول کی ایک کہانی پڑھی تھی تو نادر
خیال آیا اور ماہی کے بہت منع کرنے پہ بھی وہ
دونوں اپنی ہی کر کے رہیں اور جس کا انجام بھی
دیکھ لیا کہ بعض دفعہ شرارت جان کو آجاتی ہے،
پاری کے پیچھے وہ بھی لپکی کہ اس کے آنسو کہاں
برداشت ہوئے تھے، زاریحہ ولاز کا گیٹ عبور
کر کے اپنے گھر کی طرف بڑھ رہی تھی کہ گیٹ
سے نکلتے عبدالمقیت سے بری طرح ٹکرائی تھی۔

''آئی ایم سوری......'' نگاہ اٹھائی تھی اور
عبدالمقیت کو غصہ سے گھورتے پا کر لفظوں نے
ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور اس نے اس کے
بازو پر گرفت کی اور اسے تقریباً اپنے ساتھ گھسیٹتا
گھر کے اندر چلا آیا اپنے کمرے سے لابی کی
طرف آتیں بنش بے طرح چونکیں جبکہ اس نے
اسے ماں کی طرف دھکیل کر بازو آزاد کر دیا تھا۔

''مما! اپنی لاڈلیوں کو کچھ لگام ڈالیں، شتر
بے مہار بنیں منہ اٹھائے کہیں بھی چل پڑتی ہیں
اور آج تو حد ہی ہو گئی۔'' وہ غصہ سے کھول رہا
تھا۔

''ہوا کیا ہے عبدالمقیت، اتنے غصے میں
کیوں ہو؟''

''یہ آپ کی لاڈلی اندھا دھند سڑک پر دوڑ
رہی تھی، عقل دیں مما ان دونوں کو، ورنہ میرے
ہاتھوں کسی دن ضائع ہو جائیں گی۔'' وہ ان کو
گھورتا تن فن کرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

''وہ مما، پاری فاری کے گھر سے خفا ہو کر آ
گئی تھی تو میں اس کے پیچھے آئی تھی، انہیں میں
نے اپنی ہی دھن میں دیکھا نہیں۔'' وہ شرمندگی
سے کہہ رہی تھی۔

''تم دونوں اب شرارتوں اور شوخیوں کو خیر
باد کہہ دو اور تم اپنے اندر کچھ بردباری پیدا کرو بیٹا
کہ میں چاہتی ہوں کہ تمہاری اور عبدالمقیت کی
شادی ہو، اس لئے تم اس کی پسند کے سانچے میں
خود کو ڈھال لو۔'' انہوں نے اپنی خواہش کا اظہار
پہلی دفعہ کیا ہے اور وہ انہیں حیرت سے دیکھ رہی
ہے۔

''میری جان! ماں ہوں تمہاری تمہارے
دل کی خبر ہے مجھے اور تم جو اپنی بے وقوف
سہیلیوں کے ساتھ مل کر عبدالمقیت کا دل جیتنے کی
کوشش کرتے ہوئے ہمیشہ اس کے عتاب کا نشانہ
بنتی ہو، سب سے باخبر ہوں۔'' انہوں نے اس کی
ناک کھینچتے ہوئے شرارت سے کہا تھا اور وہ بری
طرح جھینپ کر ان کے سینے میں منہ چھپا گئی
تھی۔

''عبدالمقیت کو قابو کرنا مشکل نہیں ہے مگر تم
جو کرتی ہو وہ سب اتنا بچکانہ ہوتا ہے کہ وہ تم پر
غصہ کیے بغیر رہ نہیں پاتا۔'' وہ کافی دوستانہ انداز
میں بولی تھیں کہ انہوں نے بچوں پر بے جا
پابندیاں اور سختیاں بھی عائد نہیں کیں۔

''تو میں کیا کروں مما، فاری اور پاری جو
کہتی ہیں میں تو صرف وہی کرتی ہوں۔''

''وہ دونوں تو کم عقل ہیں، اب میں جو
کہوں وہ کرتی جانا۔'' انہوں نے پیار سے کہا
تھا۔

''مما! لیکن وہ مجھے کیوں ناپسند کرتے
ہیں؟''

''ارے کس نے کہا، بیٹا! وہ تمہیں ناپسند
نہیں کرتا، بس وہ فطری طور پر ہی کچھ سنجیدہ
طبیعت کا مالک ہے اور وہ صرف تمہیں نہیں بلکہ
پاری کو بھی ہر وقت ڈانٹتا رہتا ہے، میں جانتی
ہوں کہ تم دونوں وقت کے ساتھ سنجیدہ ہو جاؤ گی،
مگر میں چاہتی ہوں کہ تم عبدالمقیت کی نگاہ میں
کچھ ایسے سما جاؤ کو وہ کہیں اور دیکھ ہی نہ سکے، کہ تم
سے زیادہ پیاری باسیرت باکردار بیوی میرے
بیٹے کو مل ہی نہیں سکتی اور تم نے کچھ کرنا نہیں بس
دھیرے دھیرے صرف خود کو عبدالمقیت کی پسند
کے سانچے میں ایسے ڈھالنا ہے کہ تمہاری
انفرادیت بھی برقرار رہے، کہ میں یہ بھی نہیں
چاہوں گی کہ میری بیٹی کی خودی متاثر ہو صرف
اس لئے اس کا رجحان دیکھتے ہوئے آج میں نے
تم سے بات کی کہ تمہارے پاپا چاہتے ہیں کہ اب
تم دونوں کی جلد سے جلد شادی کر دیں مگر میں
نے عبدالمقیت سے بات نہیں کی کہ تم ہر لحاظ سے
عبدالمقیت کے لئے پرفیکٹ ہو مگر کہیں یہ چھوٹے
چھوٹے اختلافات کی وجہ سے اس نے انکار کر دیا
تو صرف تم نہیں میں بھی ہرٹ ہوں گی کہ میں
صرف عبدالمقیت کی نہیں تمہاری بھی ماں ہوں
اور جو تم سے کہہ رہی ہوں وہ صرف تمہاری بھلائی
کے خیال سے، ورنہ پھر تو عبدالمقیت کی ماں بن
کر تو تم پر حکمرانی کروں گی، بہورانی صاحبہ۔'' وہ
جوان کو توجہ سے سن رہی تھی حیا کی سرخی گالوں پر
دوڑ گئی اور وہ جھینپ کر ان کے پہلو سے اٹھ گئی۔

''میں جانتی ہوں مما، کہ رشتہ چاہے بدلے
نہ بدلے آپ کا پیار کبھی نہیں بدلے گا۔'' وہ یقین
سے بولی اور ماں کے رخسار کو چومتی وہاں سے
بھاگ گئی۔

''اوف یہی تو حرکتیں ہیں جو عبدالمقیت کو
نہیں پسند چلتی نہیں ہے، قلانچیں بھرتی ہے۔''
انہوں نے تاسف سے سوچا اور نئے خیال کے
آتے ہی اس پر کیسے عمل کرنا ہے سوچتیں مسکرا دی
تھیں۔

☆☆☆

''شفقی آج جلدی آگئے بیٹا، سب خیریت
رہی؟'' وہ کچھ دیر قبل ہی سو کر اٹھیں، عصر کا وقت
ہو رہا تھا اور وہ وضو کرنے چل دیں، لوٹیں تو بیٹے
کو دیکھ خوشگوار حیرت ہوئی کہ وہ اس وقت آفس
میں ہوتا تھا۔

''آپ کی طرف سے فکر مند تھا، آفس میں
ذہن نہیں لگا تو آ گیا، اب آپ کی کیسی طبیعت
ہے۔'' وہ ماں کو شانوں سے تھامے بیڈ پر بٹھاتے
ہوئے نرمی و ادب سے مخاطب تھا۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹا اور اس عمر میں تو یہ
سب لگا ہی رہتا ہے۔'' وہ بیٹے کی فکر کہاں دیکھ
پائی تھیں، شفقی ان کا اکلوتا بیٹا ہے، وہ خود دل کی
مریضہ تھیں اگرچہ شوہر کی وفات کے بعد ہمت
سے ڈٹ کر مشکلات کا سامنا کیا، گیارہ سالہ بیٹے
کو اعلیٰ تعلیم دلوا کر زمانے سے مقابلہ کرنے کے
قابل بنایا اور جب اس نے عملی زندگی میں قدم

رکھا تو وہ سب کچھ اس کے حوالے کر کے گھر کی ہو رہیں وہ اب تھک چکی ہیں کہ آزمائشوں بھری کٹھن زندگی تنہا ہی گزاری۔

''آپ اپنا خیال رکھا کریں، گھر میں اتنا رہیں نہیں ہیں نہ تو قنوطیت اور ڈپریشن کا شکار ہونے لگی ہیں، جم اور پارٹیز تک میں جانا بند کر دیا ہے، مما باہر نکلیں میں آپ کو پہلے کی طرح تازہ دم دیکھنا چاہتا ہوں، ایسے آپ بالکل اچھی نہیں لگتیں۔''

''تم شادی کر لو نہ تو تقفی گھر میں بہو آئے گی تو گھر اچھا لگے گا، میں تمہارے بچوں کو گود دوں کھلانا چاہتی ہوں، اسے میری آخری خواہش......''

''مما ایسے کبھی مت کہیے گا، آپ نے جینا ہے اور بہت سارا جینا ہے۔'' ماں کی بات پر وہ تڑپ گیا کہ وہی تو اس کی کل کائنات تھیں۔

''اب زندگی کا کچھ بھروسہ نہیں ہے تم شادی......''

''آپ دل دکھانے والی باتیں نہ کریں مما، شادی کے لئے میں تیار ہوں، بس آپ خوش رہا کریں۔'' وہ ماں کے ہاتھ تھامتا عقیدت سے انہیں چومنے لگا اور وہ بیٹے کے راضی ہو جانے پر نہال ہو گئی تھیں۔

''مما میں آپ کی پسند سے شادی کروں گا، آپ عصر کی نماز ادا کر لیں، میں کمرے میں جا رہا ہوں، کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بلا لیجئے گا۔'' وہ اس کی پسند پوچھنے لگی تھیں تو وہ سارے اختیارات انہیں سونپتا ان کے کمرے سے نکل آیا، وہ ایکدم سے ہی ساری بیماری بھول بھال دوبارہ سے ایکٹو ہو گئیں، دو چار لڑکیاں نظر میں تھیں مگر بیٹے کے مزاج پر پوری اترتی محسوس نہ ہوئی تھیں تو غور بھی نہ کیا تھا اب ہر دوسری لڑکی کو وہ بڑی جانچتی نگاہوں سے دیکھتی ہیں اور وہ ماں کو خوش دیکھ کر مطمئن ہو گیا تھا کہ ان کی بیماری اس کو دہلانے لگی تھی اور اسی دوران انہیں اپنے کالج فرینڈ مل گئی جو شادی کے بعد لاہور چلی گئی تھی اور رابطہ ختم ہو گیا تھا، اس کی بیٹی کو دیکھا تو وہ بیٹے کے معیار پر اترتی محسوس ہوئی اور دوسری ہی ملاقات میں انہوں نے اس سے کہہ بھی دیا۔

''فاری، مجھے بہت اچھی لگی ہے روزینہ، اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو فاری اور تقفی ایک دوسرے سے مل لیں۔''

''تقفی سے ملی ہوں میں وہ ہر لحاظ سے ایک پرفیکٹ انسان ہے کہ فاری کے پاپا، پچھلے دنوں اس کی کافی تعریف کر رہے تھے، مگر میں تم سے معذرت چاہوں گی کہ فاری کی اس کے کزن سے بات بچپن میں ہی ہو گئی تھی اور بچوں کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہے۔'' روزینہ نے طریقے سے بات کی تھی اور انہیں کچھ مایوسی سی ہوئی تھی۔

''میرے سرکل میں بہت لڑکیاں ہیں، لیکن تم تو جانتی ہو بھئی آج کل کی لڑکیاں کیسی سوچ رکھتی ہیں ماڈرن لڑکی میرے بیٹے کو لے اڑے یہ میں کہاں گوارا کر پاؤں گی، اس لئے مجھے تو ایسی لڑکی کی تلاش ہے جو میرے بیٹے کو خوش رکھے، میرے بیٹے کو مجھ سے چھین کر نہ لے جائے وہی تو میری کل کائنات ہے، فاری کو میں زیادہ نہیں جانتی لیکن میں تمہیں جانتی ہوں، تم نے سسرال کے ساتھ گزارہ کیا تو تمہاری بیٹی ایک ساس تو کم از کم برداشت کر ہی سکتی ہے۔'' وہ سچائی سے ہر بات کہہ گئیں۔

''میرے نزدیک رشتے ہمیشہ اہم رہے، میں نے بھرے پرے سسرال کے ساتھ گزارہ کیا اور اپنی بیٹی نند کے بیٹے کو دے رہی ہوں کہ میں تو سمجھتی ہوں کہ انسان کی بقاء اس کے رشتوں میں ہوتی ہے، آج سے دو برس قبل جب میں یہاں آئی تو اس وقت میرے سسر بیمار تھے ان کے انتقال کے بعد ساس کو فالج ہو گیا، یہ تمام باتیں کافی ڈپریسنگ تھیں میں یہاں کراچی واپس آنے کے بعد بھی پرانی دوستوں سے رابطہ نہ کر سکی کہ فرصت ہی نہیں تھی، تمہیں برسوں بعد دیکھا تو دلی مسرت ہوئی تمہاری باتیں دل کو لگنے والی ہیں کہ اکلوتے بیٹے کو کھونے سے ڈرتی ہو کہ میں بھی ان احساسات سے گزری ہوں۔'' کافی عرصے بعد دل کی بات کہنے کو کوئی میسر آیا ہے دونوں نے ہی خوب دلوں میں جمع باتیں ایک دوسرے سے شیئر کرنے لگیں۔

''میری نظر میں ایک لڑکی ہے، فاری کی دوست ہے، کہو گی تو ملوا دوں گی۔'' وہ کہہ ہی رہی تھیں کہ کسی نے شائستگی سے سلام کیا وہ دونوں ہی اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''آنٹی فاری کہاں ہے؟'' وہ پوچھ رہی تھی جبکہ رخشندہ اس کا جائزہ لے رہی تھیں، گلابی چہرہ، تیکھے نین نقش لانبی اسمارٹ انہوں نے بیٹے کو تصور کی آنکھ سے اس کے ساتھ کھڑا دیکھا اور مطمئن ہو گئیں کہ یہ لڑکی انہیں پہلی نظر میں پسند آ گئی ہے، روزینہ کے بتانے پر کہ فاریہ اپنے کمرے میں ہے وہ اس طرف چلی گئی۔

''یہ بچی کون تھی روزینہ؟'' وہ بے قراری سے پوچھ رہی تھیں۔

''میں اسی کا کہہ رہی تھی، پری وش نام ہے، سامنے ہی رہتے ہیں، ہو سکتا ہے تم نے نام سنا ہو عبدالمقیت شیرازی کا، انہی کی اکلوتی بیٹی ہے، ایک ہی بڑا بھائی ہے۔'' وہ مسکرا کر تفصیل بتانے لگیں۔

''تصویر ہو گی تمہارے پاس؟''

''تصویر، تصویریں کہو، میری بیٹی کی بیسٹ فرینڈ ہے یہ سمجھ لو میرے لئے بالکل میری فاری کی طرح ہے، ایک اور بچی ہے پاری کی دوست ماہی، مگر مجھے لگتا ہے کہ مسز شیرازی، ماہی کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں، تم پری وش کی تصویر لے جاؤ، تقفی کو دکھا لو، دیکھ کر انکار تو وہ کر ہی نہیں سکے گا کہ پری وش نام کی طرح خوبصورت ہے، دونوں طرف کی ذمہ داری بھی میری۔'' وہ کافی موڈ میں تھیں، رخشندہ مسکرا دیں واپس گھر آ کر انہوں نے تصویر بیٹے کو دی تھی جسے اس نے خاموشی سے لے کر سائیڈ ٹیبل کی دراز میں ڈال دیا اور ماں کے پوچھنے پر ہاں کہہ دی کہ اس نے شادی ماں کی مرضی سے کرنی تھی اور جب سارے اختیار ماں کو دے دیے تھے تو تصویر دیکھ کر اس نے کیا کرنا تھا، بیٹے کی ہاں کی دیر تھی اور وہ پری وش کے گھر پہنچ گئیں، تقفی ہر لحاظ سے بہترین تھا اوپر سے فاری کی مما کی ضمانت، چھان بین کے بعد ہاں کر دی گئی اور وہ شادی کے لئے بضد ہو گئیں اور یوں شیرازی ہاؤس میں شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے، انہوں نے عبدالمقیت سے مہوش کے لئے بات کی تھی اور وہ تو راضی ہی تھا کہ صرف وہی پاگل لڑکی نہیں، وہ بھی اس سے محبت کرتا ہے، ڈائریکٹ کہہ نہ سکا تو ناپسندیدگی کے اظہار کے ذریعے اس کو اپنی پسند کے سانچے میں ڈھالنا چاہا، وہ بیٹے کے تیور کچھ نہ کچھ سمجھ ہی گئی تھیں اس لئے نہ محسوس طریقے سے انہوں نے مہوش کو اس کی پسند کے سانچے میں ڈھال لیا تھا اور گھر میں وہ تین ہی بچے ہیں اور تینوں کی ایک ساتھ ہی شادی ہو رہی ہے، فاری اپنے گھر سے زیادہ شیرازی ہاؤس میں پائی جاتی ہے، تقفی نام پر وہ تینوں ہی چونکیں تھیں، ماہی نے تو کہا بھی تھا کہ یہ وہی تقفی نہ ہو اور اس خیال کے بعد وہ سم جس کال کی ڈھونڈی گئی مگر مل کے ہی نہ دی کہ

نمبر بھی یاد نہ تھا اور پھر فاری کو ملازمہ کا خیال آیا اور فاری باقاعدہ ثقفی کا نیچ میں کم عمر ملازمہ دیکھنے گئی تھی مگر وہاں کوئی کم عمر ملازمہ نہ تھی اور پھر وہ دونوں ماہی پر چڑھ دوڑیں تھیں جس نے کہا تھا کہ ناول کے نام صرف ناول میں ہوتے ہیں اور وہ بے چاری تو سنی ہوئی بات کہہ کر پچھتائی تھی، پری وش کو مہوش نے ثقفی کی تصویر بہت ستا کر دکھائی تھی اور وہ تو جیسے ایک نظر اس کے خوبرو چہرے، مغرور ناک اور ذہانت سے چمکتی کچھ بولتی آنکھوں کو دیکھ ہی اپنا دل ہار گئی تھی۔

''ماہی یہ تو بہت ہینڈسم ہے یار۔'' وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی تھی۔

''یہ ہینڈسم ہے تو میری جان کون سی کم رو ہے چاند سورج کی جوڑی لگے گی۔'' اس نے پری وش کو گدگدایا تھا۔

''میں مما کو تمہاری طرف سے ہاں کہہ دوں گی؟'' اس نے رخسار پر چٹکی لی تھی اور وہ جھینپ گئی تھی۔

''لو جی تصویر دیکھ کر یہ حال ہے محترم سامنے ہوں گے تو کیا کرو گی؟'' اس نے چھیڑا تھا۔

''ماہی جب انہوں نے میری تصویر دیکھی ہو گی تو کیا اسی طرح کی کیفیت کا شکار ہوئے ہوں گے؟'' وہ قدرے آہستگی سے پوچھ رہی تھی۔

''مجھ سے کیا پوچھ رہی ہو مجھے کیا خبر، تم شادی کے بعد خود ہی ڈائریکٹ پوچھ لینا۔'' تصویر اس کے ہاتھ سے جھپٹی اور غور کرنے لگی کہ ایسا کیا ہے اس بندے میں کہ وہ جو دیکھتے ہی دیوانی ہو گئی ہے، مگر اسے ماننا پڑا کہ واقعی وہ نظر انداز کرنے کی نہیں دل میں بس جانے کے لائق ہے۔

''تو صحیح کہہ رہی تھی یاری، بندہ تو لاجواب ہے اور آنکھیں ایسی بولتی آنکھیں تو بہت کم لوگوں کی ہوتی ہیں، تو...... تو ان کے دیکھنے پر ہی چت ہو جایا کرے گی۔'' وہ سنجیدگی سے کہتی پٹڑی سے اتر گئی تھی اور وہ اسے گھورتے ہوئے اسے کشن اٹھا کر مارنے لگی اور کمرے میں ان دونوں کے قہقہے گونج اٹھے اور وقت پر لگا کر اڑ گیا اور ڈیڑھ ماہ کے قلیل عرصے میں پری وش، ثقفی خان بن گئی۔

☆☆☆

وہ تھکا ہارا بوجھل ذہن و دل کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا، بیڈ کی طرف بڑھتے ہوئے اس کی نگاہ اٹھی اور اٹھی کی اٹھی رہ گئی، ٹی پنک شرارے میں سولہ سنگھار کیے وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھے بیٹھے سو رہی ہے، جھومر ماتھے کی بجائے سر پر الٹا پڑا ہے، بندیا بھی اصل مقام کی بجائے مانگ کی داہنی طرف سجی تھی، مٹا مٹا میک اپ آنسوؤں کی لکیر اس کے رونے کی غماز کر رہے تھے، وہ بے اختیاری میں اسے دیکھے گیا، وہ دھیمے سے کسمائی تو زیورات کی چھنکار کمرے میں گونج اٹھی، وہ وہاں سے ہٹ کر واش روم میں چلا گیا لوٹا تو وہ سابقہ پوزیشن میں ہی تھی گھڑی پر نگاہ دوڑائی جو صبح کے سات بجا رہی ہے، وہ سرد سانس کھینچتا بیڈ پر دراز ہوا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی کہ وہ ملازمہ کو چائے اور سر درد کی گولی لانے کو کہہ آیا تھا، دستک کی آواز پر وہ اٹھ کر بیٹھا جبکہ اس کی آنکھ کھل گئی، ذہن بیدار ہوتے ہی اس کو اپنی ناقدری یاد آنے لگی اور آنکھیں بے اختیار ہو کر برس پڑیں وہ ٹرے لے مڑا تو اس کو نہ صرف جاگتے بلکہ روتے ہوئے بھی پایا۔

''میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔'' اس

نے آنسوؤں بھری نگاہیں اس پر اٹھائیں وہ پریشان ہو گیا کہ بہر حال غلطی اس سے ہوئی کہ جاتے ہوئے خود نہیں تو ملازمہ کے ذریعے تو اسے انفارم کر ہی سکتا تھا۔

''آپ کو مجھ سے شادی نہیں کرنی تھی تو نہ کرتے، مگر آپ کو میری توہین کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔'' اس کی آواز بھرا رہی تھی۔

''میں نے آپ سے صرف اس لئے شادی کی کہ مما نے آپ کو ہی میرے لئے چنا، اس کمرے میں آنے سے قبل مجھے اندازہ تک نہ تھا کہ یہاں موجود لڑکی کیسی ہو گی؟ میں آپ کو فرسٹ ٹائم دیکھ رہا ہوں، مگر رات کمرے میں نہ آنے کی وجہ ناپسندیدگی نہ تھی کہ میں نے اپنی شادی کا اختیار کچھ سوچ کر ہی اپنی ماں کو دیا تھا، میں نے آپ کی کوئی توہین نہیں کی۔''

''اور توہین کیسے کی جاتی ہے ثقفی خان جس درد سے میں گزری، آپ گزرتے تو احساس ہوتا کہ توہین کیا ہوتی ہے۔''

''اسٹاپ اٹ، بات جانے بغیر تماشہ لگانے کی ضرورت نہیں ہے، مما کی رات طبیعت خراب ہو گئی تھی اور مجھے انہیں ہاسپٹل لے جانا پڑا اور آپ چاہتی ہیں کہ میں اپنی ماں کو چھوڑ کر آپ کے قدموں میں آ بیٹھتا، آپ کے حسن کے قصیدے پڑھنے کو۔'' وہ غصہ میں آ چکا ہے اور وہ شرمندہ ہو گئی ہے۔

''آئی ایم سوری بٹ میرے علم میں آنٹی کی ناسازی طبیعت نہ تھی، مجھے بتایا تو جا سکتا تھا۔'' اس نے شکوہ بھی ساتھ کر ڈالا۔

''مما کی حالت نے میرے حواس سلب کر لئے تھے، آپ کی بے آرامی کی آپ سے شرمندگی، آپ چینج کر لیں جا کر اور اگر آپ کو برا نہ تو میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے نرمی سے کہا تھا اور وہ اثبات میں گردن ہلاتی وہاں سے ہٹ گئی اور فریش ہو کر نیچے آ گئی۔

''معافی چاہتی ہوں چھوٹی بیگم صاحبہ، میں تو خود ابھی ہاسپٹل سے آئی ہوں، شہناز سے میں نے کہا تھا وہ آپ کو بتا دے مگر وہ بھول گئی، لیکن آپ پریشان نہ ہوں، بیگم صاحبہ ٹھیک ہیں۔'' ملازمہ قدرے شرمندگی سے بولی تھی اور وہ خاموش ہو گئی تھی کہتی بھی تو کیا، ناشتہ کے لئے کہا تھا مگر اس نے منع کر کے صرف جوس پیا تھا اور واپس کمرے کی طرف بڑھی تھی کہ نہ جانے کون سے کمرے سے وہ پندرہ سولہ سال کی سانولی سی پرکشش لڑکی اس کے سامنے آ گئی، پری وش کو اس نے سلام کیا تو وہ چونکی اور اس کو دیکھنے لگی جو اسی کی دلچسپی سے دیکھ رہی ہے اور اس نے نام پوچھا تو اس نے بلا جھجک بتا دیا مگر نام سن کر اس کے چہرے کے تاثرات بڑے عجیب ہو گئے تھے۔

''کیا ہوا تمہیں میرا نام پسند نہیں آیا؟''

''نہ جی، آپ کا نام تو بڑا سوہنا ہے جی۔'' وہ جلدی سے بولی تھی، اس کی آواز اور لہجہ سنا سنا لگ رہا تھا۔

''میرا نام سن کر پھر تم اتنا چونکیں کیوں؟ کیا تم میرا دوسرا نام ایکسپیکٹ میرے کہنے کا مطلب ہے تمہیں لگتا تھا کہ میرا کوئی دوسرا نام ہے، روشنی یا چاندنی ٹائپ۔'' اس نے جان کر یہ سب کہا تھا۔

''ہاں جی، چھوٹی بیگم صاحبہ وہ جو چھوٹے صاحب ہیں نہ وہ نہ جی کسی سے محبت کرتے ہیں جی اور اس کا نام تو چاندنی تھا جی، تو سچ میں چھوٹے صاحب نے چاندنی بی بی کے ساتھ بے وفائی کی، پر صاحب ایسے لگتے تو نہیں۔'' وہ اپنے مخصوص بلا تکان انداز میں کہتی چلی گئی اور وہ

دھک سے رہ گئی، اپنے کمرے سے نکل کر اسی طرف آتا تقی خان بھی بے طرح چونک اور اس کا ماتھا شکن آلود ہو گیا۔

''پھر تو صاحب اچھے آدمی بھی نہیں ہیں چاندنی بی بی نے کہا تھا وہ نظر باز قسم کے چھچھورے بندے ہیں اور مجھ پر گندی نظر، چھپی چھپی میں تو اب کبھی صاحب کے سامنے بھی نہ جاؤں، اماں کہتی ہے لڑکیوں کی عزت شیشے کی طرح ہوتی ہے۔'' وہ اپنی معصومیت میں بہت کچھ کہہ گئی تھی اور اس کی تو وہ حالت تھی کہ کاٹو تو بدن میں خون کی اک بوند نہیں اور وہ مٹھیاں بھینچتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کی طرف بڑھا۔

''بکواس بند کرو شندانے۔'' وہ دونوں ہی دھاڑ پر کانپ اٹھیں۔

''کیا بکواس کیے جا رہی ہو، ہوش میں تو ہو؟'' وہ اس کی خونخوار نگاہوں سے گھور رہا ہے۔

''مم...... میں نے صرف وہی کہا جی، جو چاندنی بی بی نے مجھ سے کہا تھا۔'' وہ کانپتے ہوئے بولی تھی اس کی اماں تقریباً بھاگتے ہوئے وہاں تک آئی۔

''صاحب، کیا ہوا ہے شندانے نے کوئی غلطی کر دی، میں اس کی طرف سے معافی......''

''اس لڑکی کو ابھی اور اسی وقت یہاں سے لے کر جاؤ اور یہ یہاں مجھے اب کبھی نظر نہ آئے ورنہ جان سے مار دوں گا۔'' وہ کسی لحاظ کے بغیر گرجا تھا وہ جلدی سے آگے بڑھی اس نے بیٹی کے دو تھپڑ لگائے اور غصہ سے گھسیٹتی اسے وہاں سے لے گئی اور اس نے ڈرتے ڈرتے اسے دیکھا مگر وہ وہاں رکا ہی کب۔

''یہ تو کتنا ناراض ہو گئے اگر جو انہیں پتہ لگے کہ وہ مذاق میں نے میری دوستوں کے ساتھ مل کر کیا تھا تو میرا نہ جانے کیا حشر کریں۔'' وہ اس سوچ پر ہی کانپ گئی، ناشتہ بھی بے دھیانی میں محض زہر مار کیا اور وہ اسے لئے ماں کے پاس ہاسپٹل آ گیا کہ رات ان کو دوسرا شدید ہارٹ اٹیک ہوا تھا، ہاسپٹل کے بعد وہ اسے میکے لے آیا تھا، آج عبدالمقیت اور مہوش کا ولیمہ ہے، تقی خان کی والدہ کی طبیعت کے پیش نظر انہوں نے ولیمہ کینسل کرنا چاہا تھا مگر تقی خان نے طریقے سے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا تھا، ولیمہ کی تقریب میں وہ ایک گھنٹہ قبل ہی پہنچا ہے جبکہ وہ صبح سے میکے میں ہی تھی اس کے بعد سب کے ساتھ ہی ہوٹل چلی گئی تھی اب ایک طرف بیٹھی وہ فاری کو ساری بات بتا رہی تھی تو تقی نے سن لیں، اس کا بس نہیں چلا ورنہ وہ اسی وقت اس کا منہ تھپڑوں سے سرخ کر ڈالتا اور غصہ کنٹرول کرنا اس کے لئے ہمیشہ ہی مشکل امر رہا اس لئے وہ بہانہ کر کے گھر جانے لگا تھا کہ عبدالمقیت اور ان کی بیگم نے بیٹی کو بھی اس کے ساتھ روانہ کر دیا، وہ غصہ سے کھولتا لب پر لب سختی سے جمائے ڈرائیونگ کر رہا تھا راستے بھر تو کنٹرول کر لیا مگر گھر آتے ہی اس کا اتنا ہی کہنا غضب ہو گیا کہ۔

''آپ کچھ غصہ میں لگ رہے ہیں، کیا کوئی بات ہوئی ہے۔'' اور وہ پھٹ پڑا۔

''بات کیا ہونی تھی، مس چاندنی بس آپ کے کارنامے میرے سامنے آ گئے ہیں۔'' اس کی امید نہ تھی کہ یہ بات ہو گی وہ بے بسی سے لب کچلنے لگی اور اس نے سن لینے والی گفتگو کہہ سنائی۔

''تقی آئی ایم سوری، ہم نے تو جسٹ مذاق......''

''شٹ اپ جسٹ شٹ اپ۔'' وہ کانپ کر چپ کر گئی۔

''تم نے اپنی دوستوں کے ساتھ مل میرے کردار کی دھجیاں بکھیر دیں، مجھ پر، [illegible] جسٹ مذاق میں، زندگی، کردار تمہارے [illegible] ایک مذاق ہے۔'' وہ اشتعال میں آپے سے باہر ہو رہا ہے۔

[illegible] پر، سنی تھی نہ تم نے شندانہ کی بات اس کو میرے سامنے آنے سے بھی خوف محسوس ہوتا ہے، کیونکہ تم نے کہا کہ میں اس پر بری نظر رکھے ہوئے ہوں، اس لڑکی پر جس کو کبھی نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا، میں یہ تک نہیں بتا سکتا ہوں کہ وہ کس رنگت کی حامل ہے، کیسے کپڑے پہنتی ہے اور تم نے کتنے آرام سے کہہ دیا کہ میں اس پر بری نظر رکھتا ہوں، جانتی کیا تمہیں تم میرے بارے میں جو مذاق میں میرے کردار سے کھیل گئیں، کب کی میں نے تمہیں چاندنی بن کر محبت اور کب کی اس محبت سے بے وفائی؟ کب دیا تمہیں دھوکا؟'' وہ اس کا بازو آہنی گرفت میں لئے جھٹکا دے کر اسے جھنجوڑتے ہوئے خون آشام لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''آئی ایم سوری، تقی، میرا مقصد کسی کی دل آزاری کرنا نہیں تھا، ہم نے وہ سب محض مذاق میں ناول میں لکھی باتیں ہی فون پر کہی تھیں، اس وقت ہمیں اندازہ ہی نہ تھا کہ ہم کتنی بڑی غلطی کرنے جا رہے ہیں، [illegible] آپ سے شرمندہ ہوں، میں آپ کو [illegible] جب جانتی ہی نہیں تھی تو کچھ کہتی بھی [illegible] سے؟ میں آپ سے معافی مانگتی ہوں، مجھے معاف کر دیں تقی اور آپ کہیں گے تو میں شندانے کی بھی ہر غلط فہمی دور کر دوں گی۔'' وہ سسکتے ہوئے نگاہ جھکائے (بلکہ چرائے) کہہ رہی تھی۔

''اس نوازش کی ضرورت نہیں ہے اور یہ یاد رکھنا ہمیشہ کہ میں تمہارے مذاق کو کبھی معاف نہیں کروں گا کہ تم نے انجوائے منٹ کے لئے میری عمر بھر کی نیک نامی کو داؤ پر لگا دیا، تم جیسے لوگوں کو اندازہ بھی ہوتا ہی نہیں ہے کہ چند لمحوں کو خوشگوار بنانے کے لئے تم جیسے لوگ انسانوں کی زندگی سے کھیل جاتے ہو، تم میری ماں کی پسند ہو، اس لئے میں ساری زندگی تمہارے مذاق کی تلخی سہتے ہوئے تمہارے ساتھ گزار کروں گا کہ میں اپنی ماں کو ہرٹ نہیں کر سکتا اور شاید کے وقت کے ساتھ یہ تلخی کچھ کم ہو جائے لیکن میں کبھی تم پر بھروسہ نہیں کر پاؤں گا، یہ احساس کہ تم نے انجوائے منٹ کے لئے میری کردار کشی کی تھی نہ جانے کتنے لوگوں کو تم نے اپنی دوستوں کے ساتھ مل کر اپنی انجوائے منٹ کی نظر کیا ہو گا، ان کی خوشیوں، ان کے کردار کو گرہن لگایا ہو گا یہ احساس مجھے تم پر کبھی اعتبار نہیں کرنے دے گا۔''

وہ نفرت سے کہتا اس کے سامنے سے ہٹ گیا اور وہ ہوا میں ہی معلق رہ گئی اور اسے ایسا ہی رہنا ہے کہ وقتی طور پر وقت گزاری کے لئے خوشی حاصل کرنے کے لئے بعض اوقات، جو اقدام اٹھائے جاتے ہیں وہ بہت غلط ہوتے ہیں اور کسی کی پوری زندگی تباہ و برباد ہو جاتی ہے، اس لئے ہمیں دوسروں کے دل اور زندگیوں سے نہیں کھیلنا چاہیے کہ نہ جانے کون سا داؤ الٹا پڑ جائے اور مسرت حاصل کرنے کی کوشش زندگی بھر کی مسرتوں کو چھین لے کہ بعض اوقات معمولی سی خطا بھی بخشے جانے کے لائق نہیں ہوتی کہ خطا آپ کے نزدیک معمولی ہوتی ہے مگر اس کے اثرات و انجام ہرگز بھی معمولی نہیں ہوتے، اس لئے لمحاتی خوشی پانے کے لئے غلط راہ کا انتخاب کرنے سے قبل سوچ لینا چاہیے کہ اس سب میں زندگی کی حقیقی مسرت و خوشی ہی کہیں نہ کھو جائے۔

سنبھال رکھو زندگی کی خوشی
وقت جیسے گزرے گزار لو
کہ لمحاتی خوشی کے سبب کھو نہ جائے سب کچھ

☆☆☆

دوسری قسط

احساسِ وفا

قراۃ العین رائے

ذائریہ کا جیسے سانس سینے میں اٹک سا گیا تھا تایا جی اور احسن کو ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ ابھی تک مریم کے سنگ دل۔ انکشاف کو سن کہ پوری طرح سے خود کو سنبھال نہ پائی تھی کہ اوپر سے ان دونوں کی آمد گویا اس کے اعصاب پر بم کی طرح گری تھی ثمینہ بیگم بھی اس صورت حال سے اندر ہی اندر پریشان ہو اٹھی تھیں۔

''کیسی ہو بھرجائی؟ بھئی ذائریہ بیٹا معذرت شادی کے معاملات میں الجھ کہ میں آپ دونوں کو زیادہ وقت نہیں دے پایا سوچا پانچ منٹ میں تم لوگوں سے ملتا ہوا جاؤں۔'' تایا عالم نے سامنے رکھی کرسیوں پر بیٹھتے ہوئے نہایت نرم خو لہجے میں بات کا آغاز کیا احسن بھی مونچھوں کو بل دیتے ہوئے ساتھ والی کرسی پر براجمان ہو گیا۔

''ٹھیک ہے بھائی جی!'' ثمینہ بیگم کی جانب سے مختصر جواب موصول ہوا جو انہوں نے اصل میں بروقت خود کو نارمل ظاہر کرتے ہوئے ادا کیا ورنہ تو اندر سے وہ اچھی خاصی پریشان ہوئی بیٹھی تھیں۔

''ہوں، وہ اصل میں بھرجائی جی شام کو حسین کی بارات جانی ہے لیکن اس سے پہلے ایک نکاح کی تقریب اور ہو گی آپ لوگ بھی اپنی تیاری رکھیے گا۔''

''کس کا نکاح؟'' ذائریہ کے منہ سے بے ساختہ سوال برآمد ہوا وہ ماں بیٹی اس نئی صورت حال سے مزید پریشان ہو اٹھی تھیں۔

مکمل ناول

”یہ تو شام کو ہی پتہ چلے گا بھئی آپ شہریوں کو وہ سرپرائز لینے دینے کی عادت ہوتی ہے ناں تو یہ سرپرائز ہے آپ کے لئے۔“ احسن نے ذائریہ پر نظریں مرکوز کرتے ہوئے مسکراتے لبوں کے ساتھ جواب دیا اور ذائریہ کے دل میں نفرت کی شدید لہر اٹھی احسن کے لئے اپنے تاثرات اور انداز چھپانے کے لئے وہ سر جھکا کر چپ بیٹھی رہ گئی۔

”بھائی جی ہمیں ذرا بازار تک جانا تا ذائریہ آج کے دن پہننے والے جوڑے گھر ہی بھول آئی ہے اسی لئے منہ بسورے بیٹھی ہے کہ وہ بارات میں کیا پہنے گی۔“ ثمینہ نے جلدی سے کہا۔

”بازار اس وقت بھر جائی شہر تو بڑا دور ہے جاتے جاتے کافی ٹائم ہو جائے گا اور پھر......“

”نہیں نہیں احسن نے بتایا تھا کہ اس گاؤں کے قریب ہی ایک قصبہ ہے جہاں پہ چھوٹا سا ایک بازار بھی ہے ہم وہاں سے جلدی سے شاپنگ کر کے آجائیں گے اتنی دور سے میری بیٹی اس شادی میں شامل ہونے کے لئے آئی اور پہلی بار وہ گاؤں کی شادی اٹینڈ کر رہی ہے بہت ارمان ہے اس کے اور شادی کے موقع پر پہننے کے لئے نئے کپڑوں کا ہونا بہت ضروری ہے ورنہ یہ ضد کی بڑی پکی ہے مجھے کہہ رہی تھی کہ نئے کپڑوں کے بغیر وہ بارات کے ساتھ نہیں جائے گی اصل میں اس نے آج ہی بیگ کھول کر آج کے دن پہننے والے کپڑے نکالنے چاہے تو پتہ چلا کہ جلدی میں پیکنگ کرتے ہوئے وہی بھول آئی اور اب ضد کر رہی ہے کہ یہاں سے ہی بازار سے نیا جوڑا خرید لائے۔“ ثمینہ نے جلدی جلدی بات کرتے ہوئے کہا۔

”چلو ٹھیک ہے چاچی آپ لے جائیں ذائریہ کو یہاں کے قریبی بازار شہر جیسی اچھی اور مہنگی دو نیں تو نہیں پر کام چل جائے گا دلہنوں وغیرہ کے جوڑے تو یہاں پر بھی ملتے ہیں ویسا کوئی دیکھ لیجئے گا بارات میں پہننے کے قابل کوئی جوڑا مل ہی جائے گا اور یہ میں ہزار میری طرف سے تمہاری شاپنگ کے لئے۔“ ملک عالم کو شش و پنج میں مبتلا دیکھ کر احسن نے جلدی سے ہامی بھری اور جیب سے بیس ہزار نکال کر ذائریہ کی جانب پرشوق نظروں سے دیکھتے ہوئے بڑھائے۔

”ارے نہیں بیٹا اس کی ضرورت نہیں۔“ ثمینہ نے جلدی سے منع کیا۔

”تھینک یو احسن بھائی پیسے ہے میرے پاس یہ اپنے پاس ہی رکھیے۔“ ذائریہ نے روکھے لہجے میں پیسے احسن کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

”رکھ لو بیٹا! لیکن آپ لوگ اس وقت جائیں گے کیسے سبھی بارات کی تیاریوں میں مصروف ہے نئی جگہ انجان بازار خریداری کیسے ہو گی؟“ ملک عالم نے پیسے دوبارہ ذائرہ کے پاس رکھتے ہوئے کہا، وہ ان کے بازار جانے کے مطالبے پر قدرے خائف نظر آتے تھے۔

”گاڑی اور ڈرائیور موجود ہے ابو جی ساتھ میں مریم یا ماں جی چلی جاتیں ہیں وہ یہاں سے خریداری کرتی رہتی ہیں انہیں تجربہ ہے یہاں کا۔“ احسن نے گویا چٹکیوں میں مسئلہ حل کیا۔

”ارے نہیں بیٹا مریم اور تمہاری ماں بھی کافی مصروف ہیں شادی کے کاموں میں ا مہمان اکٹھے ہو چکے ہیں انہیں کون سنبھالے گا! ابھی تو کافی لوگ آرہے ہیں پھر گاؤں کی عور کسی کے استقبال یا خاطر داری میں کمی رہ گئی خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنا ڈالے گیں ہم رکھی ساتھ لے جاتی ہیں ملازمائیں تو آج کافی اس لئے رکھی کے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑے گا اور بس ہم نے گھنٹے تک واپس آجانا ہے کون سی دوکانیں گھومنی ہیں ایک ہی دوکان پر جائیں گے اچھا سا شادی پر پہننے والا جوڑا دیکھیں گے اور خرید کر واپس آجائیں گے بس ہم ابھی گئے اور ابھی آئے۔“ ثمینہ نے جلدی سے تجویز پیش کرتے ہوئے کہا ذائریہ ماں کی باتوں پر دل میں حیران بس خاموش سی صورت حال دیکھے جا رہی تھی اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ آخر اس کی مما کرنا کیا چاہ رہی ہیں۔

”ہوں، چلئے ٹھیک ہے میں ڈرائیور بھجواتا ہوں آپ رکھی کو ساتھ لے لیں ویسے مریم یا امی سے دوکان وغیرہ کا پوچھ لیجئے گا رکھی اس دوکان تک رہنمائی کر دے گی وقت بچ جائے گا کیوں ابو جی۔“ احسن نے کچھ پل سوچ کر ہامی بھری اور ساتھ ہی باپ کی تائید چاہی۔

”ہاں، چلو ٹھیک ہے۔“ ملک عالم نے بھی ہامی بھری اور اتنا کہہ کر باہر کی جانب بڑھ گئے۔

”کیا ضرورت تھی انہیں بازار بھجوانے کی اس وقت اور تم ذرا مولوی صاحب کی طرف بھی چکر لگا لو ساری بات سمجھا کر لانا عین وقت پر گڑبڑ نہ ہو۔“ ملک عالم نے باہر نکلتے ہوئے احسن سے کہا۔

”فکر نہ کریے ابو جی میں ادھر ہی جا رہا ہوں اور میں وقت سے پہلے کوئی بدمزگی نہیں چاہتا خوش ہو لینے دے ان کو بازار جا کر۔“ احسن نے لاپرواہی سے جواب دیا اصل میں وہ دل میں ذائریہ کے ملکوتی حسن کو دلہن کے روپ میں سجا بنا دیکھنے کا تہیہ کر چکا تھا وہ جانتا تھا کہ نکاح کا سن کر ماں بیٹی ہنگامہ کر دیں گی مگر ہونا تو وہی تھا جو وہ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا اور ماں بیٹی چوں چرا کیے بغیر نکاح پر راضی ہو جائیں گی اس کا انتظام ملک عالم نے خوب کر رکھا تھا آج کی رات احسن کے لئے خوابوں سی سجی بھرپور اور خوبصورت رات بننے جا رہی تھی ذائریہ جیسی معصوم اور حسین لڑکی اس کی خلوت سجانے جا رہی تھی یہ احساس اس کے عیاش من میں چٹکیاں بھر رہا تھا۔

”دیکھ تو ذائریہ بی بی میں تیرے ساتھ کیا کرتا ہوں یہ جو اتنے دنوں سے تو مجھے نظر انداز کر رہی ہے ان سب باتوں کا بدلہ لوں گا بس ایک بار نکاح ہو جانے دے کیا خوب ہے اپنی شادی کا جوڑا تو خود اپنے ہاتھوں سے خریدنے جا رہی ہے اور تجھے اس کا علم بھی نہیں تیری شادی کے جوڑے کو تیرے ارمانوں کا کفن بناؤں گا آج کی رات...... آج کی رات میری جان۔“ احسن نے اپنی مکروہ سوچوں پر ایک مکروہ قہقہہ لگایا اور بیرونی گیٹ کی جانب بڑھتا چلا گیا۔

☆☆☆

کمرے میں ہر سو اندھیرا سا چھایا ہوا تھا عجیب گھٹن زدہ ماحول تھا وہ گھبرا کر نیند سے جاگی تھی اف کس قدر ڈروانی رات تھی اس نے گھپ اندھیرے میں آنکھیں کھول کھول کر نہ جانے کس روشنی کو تلاشنا چاہا اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہے جو کچھ اس کے ساتھ بیت چکا تھا اور جن حالات سے وہ گزر چکی تھی اور اب جن حالات سے وہ دوچار تھی یہ سب اس کے اعصاب کے لئے اس وقت سمجھنے اور مقابلہ کرنے کے لئے بہت زیادہ تھا ایک پل کو اس کا جی چاہا کہ وہ چیخ چیخ کر کسی کو مدد کے لئے پکارے اکٹھا کرے سب لوگوں کو لیکن کن لوگوں کو؟ کوئی بھی تو اس کا اس دنیا میں اپنا نہیں تھا کوئی بھی نہیں اس خیال کے آتے ہی ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، شاید تمام عمر اب یہی آنسو اس کے ساتھی تھے۔

"احسن...... ملک احسن میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی کبھی نہیں اس دنیا میں حساب نہیں لے سکتی تو روز محشر کیسے بچو گے تم اس عذاب سے جو انصاف کرنے والا تم پر اتارے گا آخر کیسے؟" بستر کی چادر کو مٹھیوں میں مسلتے ہوئے ذائریہ نے بلکتے اور بڑبڑاتے ہوئے کہا وہ اس وقت شدید ڈپریشن کا شکار تھی۔

"کاش وہ ملک احسن کی بوٹی بوٹی نوچ سکتی کاش...... مگر...... ایک چیونٹی ظالم درندے کا شکار کیسے کرسکتی تھی...... اوہ خدایا تو نے مجھے اتنا کمزور کیوں بنایا آخر کیوں...... مما، بابا...... آئی مس یو...... آئی مس یو۔" سر گھٹنوں میں دیے کر وہ آخری الفاظ کی گردان کرتی پھر سے بلکنے لگی تھی پھر سے بکھرنے لگی تھی اور اسے سمیٹنے والا کوئی نہیں تھا اسے پیار سے بانہوں میں بھرنے والی ہستیاں اس سے بہت دور کی جا چکی تھیں بہت دور......

☆☆☆

"ڈاکٹر صاحبہ کیا بات ہے جی آج طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگتی آنکھیں بھی سرخ سرخ سی ہو رہی ہیں کیا رات کو سوئی نہیں۔" کرسی پر خاموش اور کھوئی کھوئی سی ذائریہ کو کتنی دیر سے یونہی بیٹھے دیکھ کر آخر کار پینو سے رہا نہ گیا اور میز پر صفائی والا کپڑا مارتے ہوئے اس نے ہمدردانہ لہجے میں استفسار کیا۔

"ہوں...... ہاں! نہیں بس ایسے ہی۔" ذائریہ نے بوجھل لہجے کے ساتھ پینو کو جیسے ٹالا اس وقت اس کا کسی سے بات کرنے اور سننے کو دل نہیں چاہ رہا تھا رات ایک بار پھر وہ ماضی کی جن تلخ یادوں کے پر خار راستوں سے ہو کر حال میں پلٹی تھی اس کے اثرات ابھی تک اس کے ذہن پر چھائے ہوئے تھے۔

"ڈاکٹر صاحبہ جی وڈے چوہدری، چوہدری رب نواز ملنے آئے ہیں جی آپ سے۔" فضلو نے پرجوش انداز میں اندر آ کر ذائریہ کو مطلع کیا۔

"کیوں؟ مجھ سے کیوں؟" ذائریہ نے اسی اکتائے اور بیزار لہجے میں پوچھا۔

وہ اس وقت گاؤں کے لوگوں کے خلاف ایک بار پھر اپنے دل میں شدید نفرت محسوس کر رہی تھی لیکن چھپانے پر مجبور تھی اور یہی بے بسی اسے چڑچڑا بنائے دے رہی تھی ذائریہ کے یوں تیکھے چتون کے ساتھ پوچھے گئے سوال پر فضلو اور پینو بس ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

"وہ اس لئے بیٹا جی کہ پہلے آپ کا شکریہ ادا کرسکوں اور پھر معذرت بھی۔" ایک دراز قد، پروقار شخصیت کے حامل شخص نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا یقیناً وہ چوہدری رب نواز تھا ذائریہ بے ساختہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور بدتمیزی سے کیے گئے سوال پر دل میں جزبز بھی ہوئی۔

"خیر یہ لوگ اسی قابل ہیں تھوڑا سا اخلاق سے کیا پیش آؤ فوراً گردن پر ناخن دھر دیتے ہیں اجڈ گنوار۔" ذائریہ نے دل میں غصے اور بدگمانی سے سوچا اور خود کو اپنے رویے پر درست ثابت کرنے کی کوشش کی مگر دوسرے ہی پل اسے لگا جیسے آج پہلی بار وہ کسی سائبان کے نیچے آ گئی ہے اتنے روز سے کڑکتی دھوپ جو وہ ننگے سر کھڑی تھی اچانک ایک پل کے لئے کوئی شفیق سا ابر اس کے دھوپ کے سامنے آ گیا اور یہ سب اس نے چوہدری کا اپنے سر پر بڑوں کی طرح شفقت سے ہاتھ دھرنے سے محسوس کیا اس کے بعد وہ میز کی دوسری جانب کرسی پر جا بیٹھے۔

"فضلو، پینو کوئی چائے پانی کا انتظام کرو۔" سب سے پہلے مودب کھڑے فضلو اور پینو کو انہوں نے یوں مخاطب کرتے ہوئے کہا جیسے ذائریہ اپنے میڈیکل سینٹر میں نہیں بلکہ چوہدری رب نواز کے مہمان خانے میں بیٹھی ہوئی ذائریہ کو فضلو اور پینو کا یوں کمرے سے نکالے جانا اچھا نہ لگا اور وہ ایک بار پھر سامنے بیٹھی شخصیت کو بدگمانی کی نظر سے دیکھنے پر مجبور ہوگئی۔

فضلو اور پینو چوہدری کا اشارہ سمجھ کر فوراً اثبات میں سر ہلاتے ہوئے خاموشی سے کمرے سے نکل گئے اب کمرے میں دونفوس ذائریہ اور چوہدری رب نواز موجود تھے۔

چوہدری کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے جو ذائریہ سمجھنے سے قاصر تھی اور وہ خاموش اسے گھور رہے تھے جیسے اس کشمکش و پیچ میں مبتلا ہوں کہ بات کا آغاز کیسے کریں ذائریہ کو اس دوران چند سیکنڈ میں ان کی ظاہری شخصیت کا پوری طرح جائزہ لینے کا موقع مل گیا۔

وہ ایک گریس فل، نرم خو تاثر لئے شخصیت کے حامل تھے ان کا لباس بے حد سادہ اور دیہاتی ماحول کی نمائندگی کر رہا تھا آف وائٹ کرتے کے نیچے انہوں نے نفیس رنگ کی تہمد باندھ رکھی تھی بال نفاست سے سلجھائے گئے تھے سرمئی سی مونچھیں اور سرمئی رنگ کے بال ان کی شخصیت کو وقار بخش رہے تھے صحت دیکھنے میں ٹھیک لگ رہی تھی سرخ و سفید رنگت جو کہ [illegible] کا خاصا ہوتی ہے چمک رہی تھی بڑی سی یقیناً چوہدری سکندر اپنے باپ کی جوانی کی بھرپور تصویر تھا ویسا ہی دراز قد، چوڑے شانے اور ویسے ہی نین نقش۔

"اُف مجھے اس بدتمیز، اکھڑ چوہدری کا خیال آ گیا۔" ذائریہ نے اپنے آخری خیال پر جھنجھلاتے ہوئے سر کو خفیف سا جھٹکا۔

"بیٹا جی سمجھ نہیں آ رہا کہ بات کا آغاز کس طرح کروں تعزیت کرنا میرے لئے ہمیشہ ہی بڑا مشکل رہا ہے اور پھر کسی اپنے پیارے کی تعزیت ایسی ہستی سے جو اس کا بھی بہت پیارا ہو بہت دشوار ہو جاتا ہے مجھے ملک شہروز اور بیگم کی موت کا افسوس نہیں صدمہ ہے جگری تھا وہ میرا!" چوہدری نے بالآخر بات کا آغاز کیا اور چوہدری کے منہ سے نکلنے والے جملوں نے ذائریہ کو گویا زلزلوں کی زد میں لاکھڑا کیا ایسا شخص جس سے وہ پہلی بار مل رہی تھی اس کے والدین کا ذکر اتنی اپنائیت سے نا صرف کر رہا تھا بلکہ اس دکھ اور صدمے کے تاثرات اس کے چہرے پر بھی رقم تھے جو کسی خاص اپنے کی موت کا ذکر کرتے ہوئے ہوتے ہیں۔

"آں...... آپ...... آپ بابا کو جانتے ہیں...... کیسے...... کیسے جانتے ہیں۔" ذائریہ کے منہ سے الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے اس نئی صورت حال پر اس کا دماغ ماؤف سا ہو کر رہ گیا تھا۔

"اوہ معاف کرنا بیٹا مجھے آپ سے یوں ایک دم سیدھی بات نہیں کر دینی چاہیے تھی جبکہ آپ اس بات سے بالکل انجان ہیں دراصل مجھے خود بھی سمجھ نہیں آئی کہ میں کس طرح بات شروع کروں آپ یہ پانی پیو تھوڑا ریلیکس ہو پھر میں شروع سے آپ کو بتاتا ہوں۔" چوہدری رب نواز نے پانی کا بھرا گلاس جو میز کی ایک سائیڈ پر ذائریہ کے قریب ڈھکا پڑا تھا کی جانب اشارہ کرتے ہوئے جلدی سے کہا ذائریہ جو اضطرابی حالت کے ساتھ اپنے امڈ آنے والے آنسوؤں کو لب کاٹتے ہوئے چھلکنے سے روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی جلدی سے گلاس کی جانب متوجہ ہوئی۔

"ملک شہروز اور میں ایک ہی کالج سے پڑھے ہیں ہم دونوں کی دوستی کالج میں ہوئی، یونیورسٹی تک ہم دونوں یار اکٹھے رہے ایک ہی

ہوسٹل میں اور ایک ہی کمرے میں اس کی زندگی کا کوئی باب مجھ سے پوشیدہ نہیں اور نہ میری زندگی کا اس سے اور میں اور وہ اپنی پریکٹیکل لائف میں مصروف ہو گیا اور میں یہاں گاؤں آ کر یہاں کے کاموں میں الجھ گیا، لیکن ہماری دوستی قائم رہی پہلے خط و کتابت کا سلسلہ پھر ٹیلی فونک رابطہ اور جب بھی ضروری کام سے اس کے شہر جانا نصیب ہوا میں اسے اس کے آفس ضرور مل کر آتا تھا چاہے چند لمحوں کے لئے ہی سہی دوریاں دوستی کی شدت میں کمی ضرور کر دیتی ہیں لیکن دوستی کو ختم نہیں کرتیں بس فاصلے دلوں میں نہیں ہونے چاہیے سوئے قسمت بچپن میں آپ سے ایک دو بار میں ملا لیکن بعد کے بے حد مصروفیت کے بعد میری آپ سے باقاعدہ ملاقات نہ رہی بیٹا جی لیکن شہروز کے توسط اتنی آگاہی رہی کہ آپ میڈیکل پڑھ رہی ہیں لیکن اپنے گھر میں شاید آپ نے میرا ذکر سنا ہو شہروز ہمیشہ مجھے پیار سے ''چنّا'' کے نام سے پکارا کرتا تھا جو اس نے اول روز میری سرخ و سفید رنگت دیکھ کر میرا نام رکھا تھا۔'' چوہدری نواز نے توقف کیا۔

''چنّا! جی جی بابا مما سے کہا کرتے تھے کہ آج چنّا آفس آیا تھا یا فون آیا تھا اور میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا تھا کہ چنّا ان کے بہت خاص دوست ہیں۔'' ذائریہ کے دماغ میں جھماکا ہوا اور اسے یاد آ گیا اور اس کے ساتھ ہی اسے اپنے آنسوؤں پر اختیار نہ رہا حلق میں آنسوؤں میں گولہ سا پھنس گیا اور آنسو بے آواز اس کے گالوں پر لڑھک گئے۔

''...... رونا نہیں میرے یار کی روح کو ...... نہ بیٹا ...... کو بڑی تکلیف ہوگی اور اس ...... لئے باعث اذیت ہے۔'' چوہدری رب نواز نے

چاہا لیکن چوہدری رب نواز کی بات سن کر ...... سے روکا آنسوؤں کا سیلاب ہر قسم کا بند توڑ کر نکلا اور ذائریہ کی ہچکیاں بندھ گئیں آج اتنے عرصے بعد زندگی کی اس تنہا کڑی دھوپ میں کوئی اسے اپنے بابا کی پہچان کا حوالہ لئے ملا تھا جیسے لق و دق جھلستے صحرا میں تنہا شجر دور سے آبلہ پا مسافر کے پیروں میں تیزی بھر دیتا ہے اور وہ اپنی بچی توانائی کو کھینچ کھانچ کر اس شجر تک پہنچنے کی لگن لگا کر چل پڑتا ہے بالکل ایسے ہی ذائریہ سامنے بیٹھی پروقار سی شخصیت کے سامنے رونے پر مجبور ہو گئی تھی اسے ایک خاص قسم کی انسیت کا احساس ہوا تھا رب نواز سے مل کر اور اس وقت وہ بالکل بھول چکی تھی کہ مقابل بیٹھی شخصیت کا تعلق گاؤں سے ہے۔

''بس......بس میرا بچہ......بس میرا بیٹا بس اب چپ کر جاؤ مجھے روز محشر اپنے یار کے سامنے سر اٹھانے کے قابل رہنے دو ورنہ آج کی ملاقات پر تمہارے آنسوؤں کا حساب تمہارا یار کبھی نہیں دے سکے گا......بس میرا بچہ...... اور آنسو نہیں۔'' چوہدری رب نواز نے ذائریہ کو رونے دیا اور جب اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تو اٹھ کر اس کے سر پر دست شفقت رکھتے ہوئے اسے چپ کرانے لگا کچھ دیر بعد ذائریہ کی ہچکیاں دم توڑنے لگیں اور اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش شروع کر دی۔

''آئی ایم سوری سر......بس ایسے ہی اتنے عرصے بعد بابا کا ذکر سنا تو۔'' ذائریہ نے ٹیپر سے چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

''نہ پتر ...... نہیں ......

...... سر نہیں کہنا بلکہ پہلے چاچا ہوں چلو انکل کہہ لو لیکن سر جیسا اجنبی لفظ نہیں بولنا۔'' چوہدری رب نواز ......

''شاباش میرا پتر، تو بڑی بہادر دھی ہے ...... میں تیرے سبھی حالات سے واقف ہوں ڈاکٹر ابراہیم نے بتایا ہے مجھے۔''

''ڈاکٹر ابراہیم صاحب نے؟'' ذائریہ نے حیرت ظاہر کی۔

''ہوں دوست ہے وہ میرا بھی شہروز، ابراہیم اور میں بڑے اچھے دوست ہیں شہروز کی وفات کی اطلاع بھی ڈاکٹر ابراہیم نے مجھے دی تھی تب میں دوبئی تھا، بڑا رو دیا تھا میں وہاں اپنی بے بسی کو کہ اپنے یار کو کندھا بھی نہیں دے سکا، بعد میں اس نے مجھے تمہارے حالات سے بھی آگاہ کیا تھا اور میں نے ہی اسے مشورہ دیا تھا کہ تمہیں یہاں اس گاؤں میں پوسٹ کروا دے یہ ان لوگوں کی سوچ میں کبھی نہیں آئے گا اور میرے ہوتے ہوئے وہ تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے مجھے کچھ حالات کی وجہ سے دوبئی ہی رکنا پڑا ورنہ میں خود تمہارا استقبال کرنے کے لئے یہاں موجود ہوتا، سکندر پتر کو میں نے اطلاع دی تھی اور پھر اس نے ہی فضلو کی ڈیوٹی یہاں لگا دی تھی بس اسی بات کی معذرت کرنی تھی تمہیں چند روز یہاں سہولتوں کے بغیر رہنا پڑا تم جلدی سے سامان پیک کرو اور میرے ساتھ حویلی چلو تمہاری چاچی کب سے تمہاری منتظر ہیں۔'' رب نواز نے تفصیل سے آگاہ کیا۔

''نہیں انکل میں یہیں پر ٹھیک ہوں، پلیز یہ میری آپ سے درخواست ہے مجھے مجبور نہ کیجئے گا میں وہاں اپنا ہی گھر سمجھ کر رہوں گی آپ لوگوں کی محبت مجھے وہاں کبھی اجنبی پن محسوس نہیں ہونے دے گی لیکن انکل میں نے مشکل سے خود کو مخالف حالات کے مخالف سمت میں تیرنا شروع کیا ہے زندگی کی ان تلخ حقیقتوں کا سامنا کرنا شروع کیا ہے اس وقت کسی بھی تنکے کا سہارا مجھے ڈبو دے گا پلیز انکل میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔'' چوہدری رب نواز کے چہرے پر ذائریہ کے منع کرنے پر بات منوانے کے جو تاثرات ابھرے تھے ذائریہ نے جلدی سے بات بڑھاتے ہوئے انہیں زائل کر دیا۔

''آپ اسے میری درخواست سمجھ لے، خواہش سمجھ لے میں نے خود کو اس ماحول میں ایڈجسٹ کر لیا ہے گو یہاں پر وہ شہری سہولتیں موجود نہیں جن کی میں عادی ہوں لیکن مجھے اپنی زندگی کی جدوجہد کا آغاز یہیں سے کرنا اور آپ ہرگز نہیں چاہیں گے کہ آپ کے دوست ملک شہروز کی بیٹی آغاز سے پہلے ہی ہار جائے آپ کے تعارف سے اور آپ کے گاؤں میں ہونے سے مجھے کافی تقویت ہوئی ہے ڈھارس ہو گئی کہ میں اس اجنبی جگہ پہ تنہا نہیں ہوں اور میں اس ڈھارس کو ہی اپنا حوصلہ بنا کر آگے بڑھنا چاہتی ہوں جو حویلی میں مقیم ہو کر ممکن نہیں پلیز اب ہمارے بیچ اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوگی میری آپ سے منت ہے۔''

چوہدری سکندر کا ذکر آتے ہی ذائریہ اپنے خول میں سمٹ گئی تھی اس کی موجودگی میں وہ حویلی میں جا کر رہنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی سانپ کا ڈسا رسی کو بھی سانپ سمجھتا ہے اس میں کوئی شک نہیں اس لئے ذائریہ نے نرم لفظوں کا انتخاب کرتے ہوئے حویلی میں سکونت اختیار کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

''ہوں! باپ کی طرح ضدی ہو اور اسی طرح سے مجھے اپنی باتوں سے خاموش کرا دیا ہے وہ بھی مجھے اپنی باتوں سے جیتنے نہیں دیتا تھا جیسے تمہاری مرضی گو میں دل سے تمہارے فیصلے سے

متفق نہیں لیکن میں تم پر دباؤ نہیں ڈالوں گا، فضلو میرا خاص آدمی ہے وہ یہیں پر رہے گا اور تمہیں کسی بھی چیز کی ضرورت ہو بلا جھجک مجھے کہنا ہے بس اسی شرط پر میں تمہاری ضد مانوں گا وعدہ کروں تم کسی تکلف سے کام نہیں لو گی اپنا حق سمجھ کر کہو گی ایک بیٹی کا حق۔'' رب نواز نے گویا ہار مانتے ہوئے کہا۔

''ضد نہیں انکل درخواست ہے اور میں وعدہ کرتی ہوں کہ مجھے کسی بھی چیز کی ضرورت ہو گی آپ سے کہوں گی تھینک یو انکل آپ نے میری بات مان کر میرا مان رکھا۔'' ذائریہ نے دھیمی سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

''تھینک یو تو بیٹا جی ہمیں آپ کا ادا کرنا ہے اس روز سکندر کو بروقت طبی امداد دے کر آپ نے بڑا احسان کیا ہم پر آپ کی چچی بھی منتظر ہیں گھر پر وہ بھی ساتھ ہی آتیں شکریہ ادا کرنے کے لئے بھی اور ساتھ لے جانے کے لئے بھی مگر سکندر ماں کو دیکھ کر بالکل چھوٹا بچہ بن بیٹھا ہے ماں کو ایک پل کے لئے بھی خود سے دور ہونے نہیں دے رہا خوب ناز نخرے اٹھوا رہا ہے۔'' رب نواز نے بھی مسکراتے ہوئے کہا اب ماحول بارش کے بعد نکھرے آسمان کی طرح نکھرا اور شفاف ہونے لگا تھا۔

''آپ کب آئے دوبئی سے مجھے فضلو نے بتایا تھا کہ وڈے چوہدری یہاں موجود نہیں۔'' ذائریہ نے سکندر کے ذکر کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''کل شام کو بس آتے ہی اتھرے گھوڑے کو قابو کر رہا تھا اس لئے فوراً تمہاری طرف نہیں آ سکا بس اب تم جلدی کرو تمہاری چچی منتظر ہیں تمہاری۔'' ایک بار پھر چوہدری سکندر کا ذکر کر کے رب نواز نے ذائریہ کا موڈ خراب کیا جو اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

''میں آؤں گی انکل جی اب تو یہیں ہوں آپ سے ملاقات رہے گی۔'' ذائریہ سکندر کی وجہ سے رب نواز کو ٹالنا چاہا وہ اس بدتمیز کا سامنا کرنے کو ہرگز تیار نہ تھی۔

''ارے نہیں بیٹا جی کیوں مجھے ہائی کما کے ہاتھوں مروانا ہے تمہیں لینے آیا ہوں تمہار چچی تمہاری آمد پر خاص اہتمام کیے بیٹھی ہے سے ملازموں کی شامت آئی ہوئی ہے شہری لڑ ہے شہری کھانے اپنی نگرانی میں پکوا رہی ہے اب آپ میرے ساتھ چلو پھر واپس آ جانا اور سکندر کا بھی چیک اپ کر لینا کل سے ہل جل کافی بد احتیاطی کیے بیٹھا ہے بخار بھی ہے اور ز سے شام کو خون بھی رس رہا تھا۔'' رب نواز اٹھتے ہوئے ذائریہ کو جواب دیا اور ذائریہ کو ا کے خلوص کے آگے ہار مانتے ہوئے چار و نا چ اٹھنا پڑا وہ سکندر کے چیک اپ کے خیال سے بات ٹال رہی تھی اور وہی ہو کر رہی لیکن اب انکار کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں تھی۔

''اب اگر اس نے اپنی جاہلانہ سوچ سمیت بدتمیزی کی تو انکل آنٹی کے سامنے ہی کھری کھر سنا کر آؤں گی۔'' ذائریہ نے دل میں ٹھانی اور ہینڈ بیگ لے کر رب نواز کے پیچھے باہر کھڑی پراڈو کی جانب بڑھ گئی فضلو پیچھے اس کا میڈیکل باکس اٹھائے چلا آیا اور مؤدب انداز میں گاڑ میں رکھ کر ایک جانب کھڑا ہو گیا، رب نواز اشارے پر ڈرائیور نے گاڑی حویلی کے را کی جانب بڑھا دی یہ ذائریہ کا اس گاؤں کو پہ بار دیکھنے کا اتفاق تھا ارد گرد کے مناظر کو دیکھ ہوئے وہ ایک بار پھر ماضی کے سفر پر نکل گئی ا ہی ایک گاڑی میں وہ اپنی ماں کے ساتھ ڈرا اور رکھی نامی ملازمہ کے ساتھ محو سفر تھی اپنی جا

اور عزت بچانے کے لئے۔

☆☆☆

''مما یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں ایسی سچویشن میں بازار اور شاپنگ؟'' ذائریہ نے پھرتی سے ہینڈ بیگ میں ضروری چیزیں بھرتے ثمینہ بیگم کو ناسمجھی کے انداز میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''بس یہی ایک واحد موقع ہے ہمارے پاس یہاں سے رہائی حاصل کرنے کا ورنہ شام تک تو یہ لوگ اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جائے گے اور ہم کچھ بھی نہ کر سکے گے ہمیں ان درندہ نما انسانوں سے خود کو بچانا ہے اور بچاؤ کی یہی ایک صورت بس اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں کامیاب کرے بس تم اپنا ہینڈ بیگ لے لو اور بیگ ہم ساتھ نہیں لے سکتے انہیں شک ہو جائے گا اور باہر اپنے تاثرات نارمل رکھنا بس یہی شو کرنا کہ شاپنگ کرنے جا رہی ہیں مریم نے بڑی اچھی ترکیب بتائی ہے چلو اٹھو جلدی کرو ہمیں ان کے شک کرنے سے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔'' ثمینہ بیگم نے ذائریہ کے قریب آ کر بے حد آہستہ لہجے میں اپنے خیال سے آگاہ کیا۔

''جی ٹھیک ہے مگر مما وہ ملازمہ رکھی پھیرہ؟'' ذائریہ نے جلدی سے اٹھتے ہوئے پھر پوچھا۔

''افوہ چھوڑو ان باتوں کو بس یہاں سے نکل جائے سنبھال لو گی میں رکھی وکھی کو بھی جلدی کرو۔'' اب کی بار ثمینہ بیگم نے قدرے جھلائے لہجہ میں جواب دیا۔

اور پھر واقعی اصل میں تو اس حویلی سے نکلنا ہم کام تھا جو قدرت نے ان کے لئے آسان کر دیا۔

دوکان پر رکھی کو ڈاج دینا ہرگز دشوار ثابت ہوا ثمینہ بیگم نے کچھ کپڑے خرید کر شاپنگ بیگز رکھی کے حوالے کیے کہ وہ ڈھیر سارے بیگز گاڑی میں رکھ آئے اور پھر باقی کی شاپنگ آسانی سے کرانے میں مدد کرے، اتنی دیر وہ دوکان پر ہی بیٹھ کر اس کا انتظار کرتی ہیں ملازم کو تو مالک کی بات ماننی ہوتی ہے سو وہ سر ہلا کر سارے شاپنگ بیگز لے کر گاڑی کی جانب بڑھ گئی جو رش کی بناء پر قدرے فاصلے پر ڈرائیور لئے کھڑا تھا اور یہی سنہری موقع تھا ذائریہ اور ثمینہ بیگم کے پاس یہاں سے فرار حاصل کرنے کا اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔

کافی دیر تنگ و تاریک بازار کی ایک گلی میں خود کو چھپائے رکھنے کے بعد جیسے تیسے چھپتی چھپاتیں اور پوچھتی پچھاتیں وہ ماں بیٹی ایک وین اسٹینڈ پر پہنچی اور ایک ایسی وین پر سوار ہونے میں کامیاب ہو گئیں جو ان کے شہر کو جاتی تھی مگر احتیاط اور حکمت عملی کی بناء پر تھوڑے ہی سفر کے بعد ثمینہ بیگم ذائریہ کو لے نیچے اتر آئیں اور قریبی ٹیکسی اسٹینڈ پر سے ایک باریش ڈرائیور کی ٹیکسی کرائے پر لے کر شہر کی جانب روانہ ہو گئیں انہیں ڈر تھا جو کافی حد تک درست تھا کہ ان ماں بیٹی کی گمشدگی کا جان کر ملک عالم اور باقی کے لوگ یقیناً اس قصبے اور شہر کے بس اسٹینڈوں وغیرہ کا ہی رخ کریں گے اور انہیں کہیں موقع پر چھاپ نہ لیں سارے وقت ذائریہ کا حلق خشک رہا اور دل کی دھڑکن خوف سے بے ترتیب۔

لیکن خدا کا شکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بحفاظت ان کے گھر تک پہنچا دیا، ثمینہ بیگم نے گھر آتے ہی سب سے پہلے سیل فون سے ملک شہروز سے رابطہ کیا وہ اب کسی قسم کی غفلت کی متحمل نہیں ہو سکتی تھیں جنہیں اپنا سمجھ کر انہوں نے یقین کیا وہ آج محض جائیداد کی خاطر ان کی بیٹی کی زندگی تباہ کرنے چلے تھے، فون پر انہوں

نے شہروز کو تفصیل سے تمام صورت حال سے آگاہ کیا انہوں نے واضح طور پر ان کے سرد اور اجنبی رویوں کے بارے میں بتایا اور پھر مریم نے جو انکشاف کیا تھا اس سے بھی آگاہ کیا کہ کس طرح مریم نے اپنی جان پر کھیل کر انہیں اصل صورت حال سے باخبر کیا تھا بقول مریم کے کہ ذائریہ کے دادا جی نے وصیت میں پچیس ایکٹر یعنی پورا ایک مربع زمین ذائریہ کے نام کر ڈالی تھی اور یہ زمین خود بخود اس وقت ذائریہ کے نام منتقل ہو جانی تھی جب اس کی شادی ہو جاتی مگر انہوں نے وکیل کو اس وصیت کو پوشیدہ رکھنے کا بھی حکم دیا تھا وہ تو چار مہینے قبل جب وکیل صاحب کو ہارٹ اٹیک ہوا تو انہوں نے ملک عالم کو آکر وصیت کے بارے میں بتایا ساتھ ہی ملک شہروز کا پتہ معلوم کرنا چاہا چونکہ وکیل اور ملک عالم کی علیک سلیک تھی لہٰذا وکیل صاحب ان کی ظاہری شخصیت کی وجہ سے کسی قسم کا کوئی خطرہ محسوس نہ ہوا اور پھر ملک عالم کے والد نے بھی وصیت کے وقت کسی قسم کے اندیشوں کا اظہار نہیں کیا تھا بس وہ اس وصیت کو پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے بی بی جان کی وجہ سے کہ کہیں وہ اس وصیت کی عمل درآمد میں رخنہ نہ پیدا کر دے بی بی جان نہ رہی تو پھر کیسا خطرہ باقی سب کو ان کے حصے کے دو دو مربع مل چکے تھے ملک عالم کو جب وصیت کا علم ہوا تو ان کے شاطر اور چالباز ذہن نے فوراً ترکیب سوچ لی اس وقت احسن کی شادی اور حسین کی منگنی اپنے ہی ہم پلہ خاندانوں میں کی جا چکی تھی اور ویسے بھی انہیں اندازہ تھا کہ ملک شہروز اپنی شہری اور نازونعم میں پلی پڑھی لکھی بیٹی ان کے خاندان کے گنوار سوچ کے حامل کسی لڑکے کے ساتھ نہیں بیاہیں گے وہ تو خود اس ماحول سے گھبرا کر شہر چلے گئے اپنی بیٹی کو یہاں پر کیسے بسانے کا سوچ سکتے ہیں اور ویسے بھی احسن کی یا حسین کی منگنی توڑنا اتنا آسان نہیں بیٹھے بٹھائے اپنے ہم پلہ خاندانوں کے ساتھ دشمنی مول لینا تھا۔

لہٰذا بہت سوچ بچار کے بعد ان کے ذہن میں یہ شاطر ترکیب آئی کہ حسین کی شادی کا بہانہ بنا کر ملک شہروز کو ان کی فیملی سمیت گاؤں لایا جائے اور جس روز حسین کی شادی ہو بارات روانگی سے قبل ایک کمرے میں نہایت خفیہ طور پر احسن کا نکاح ذائریہ سے پڑھا دیا جائے اور پھر بعد میں ذائریہ جس کی شادی کے فوراً بعد جائیداد اس کے نام ہو جائے گی تمام زمین احسن کے نام کر دے طلاق کے بدلے میں اور یہ سب اسی وقت ہو جائے یہ تو ملک عالم نے ملک شہروز کے سامنے شرط رکھی تبھی مگر قدرت نے اس کا کام بے حد آسان کر ڈالا اور گاؤں صرف ذائریہ اور اس کی ماں شادی میں شریک ہونے آئیں ملک شہروز شہر سے دور ہی نہیں بلکہ ملک سے بھی دور چلا گیا اب کام اور آسان ہو گیا تھا ملک شہروز کو دھمکانے کی ضرورت نہ رہی تھی اور ان کمزور ماں بیٹی کو قابو کرنا کیا مشکل اگر ذائریہ کسی قیمت پر نکاح پر راضی نہ ہوتی تو ملک عالم نے صاف کہا میں ثمینہ بیگم کو دھمکانا تھا کہ اگر وہ اپنی بیٹی کی عزت بچانا چاہتی ہے تو ذائریہ کو سمجھائے کہ نکاح نامے پر دستخط کر دے اس مکروہ دھمکی کے بعد ذائریہ ہرگز چوں چرا نہیں کر سکتی تھی ذائریہ کی عزت خراب کرنا محض دھمکی نہ ہوتی وہ ایسا کر بھی گزرتے بس انہیں تو ہر حال میں احسن ذائریہ کا نکاح کروا کر جائیداد احسن کے نام منتقل کروانی تھی پھر بعد میں اسی وقت احسن ذائریہ کو طلاق دے دیتا اور اگلے روز ان ماں بیٹی کو آرام سے شہر روانہ کر دیا جاتا بعد میں شہروز جو مر ہنگامہ کرتا اسے سنبھالنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا اس سارے منصوبے سے ملک عالم کا خاندان آگاہ تھا مریم کو بھی سن گن تھی اور اسے بھی سمجھا لیا گیا تھا کہ اس کے شوہر کو پوری پچیس ایکڑ زمین مل جائے گی وہ تو فوراً ہی ذائریہ کو طلاق دے دے گا وکیل اور مولوی کا انتظام کیا جا چکا تھا وکیل صاحب کو بھی ڈرانا دھمکانا کون سا مشکل تھا، مگر جب احسن کی نیت ذائریہ کے حسن کو دیکھ کر ڈانواڈول ہوئی اور اب احسن کا خیال تھا کہ وہ ذائریہ سے نا صرف نکاح کرے اس کی زمین اپنے نام منتقل کروائے گا بلکہ ذائریہ کو اپنی بیوی بھی بنا کر رکھے گا اس کا کچھ کچھ اندازہ مریم کو ہو گیا تھا آخر وہ اس کی بیوی تھی شوہر کی نظر اور چال کو خوب پہچانتی تھی اپنے پر سوتن اسے کسی صورت قبول نہ تھی یہ تو وہ تائی اور ملک عالم کے بے حد اصرار اور سمجھانے بجھانے کے بعد اس بات پر راضی ہوئی تھی کہ نکاح کے کچھ ہی دیر بعد احسن ذائریہ کو طلاق دے دے گا مگر اب وہ بدلتی ہوا کے رخ کو خوب سمجھ رہی تھی ویسے بھی ذائریہ اور ثمینہ بیگم کو سب کچھ بتانے سے ایک روز قبل وہ احسن کی ملک عالم اور تائی کے ساتھ کچھ گفتگو سن چکی جو وہ خفیہ طور پر ملک عالم کے کمرے میں کر رہے تھے جس میں احسن نے ذائریہ کو اپنی بیوی بنانے چاہیے چند روز کے لئے ہی سہی یا ایک رات کے لئے ہی سہی نہایت بے شرمی سے اعادہ کیا تھا اور اس کے والدین کو اس کی بات ماننے کی علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا آخر پچیس ایکڑ زمین اس کے نام لگ جانی تھی اس کا فائدہ ملک عالم کو بھی تھا دولت کے لالچ نے ان کی آنکھیں باندھ دی تھیں اور وہ کسی بے خبر پر اتنا ظلم ڈھاتے ہوئے ذرا بھی شرمندہ نہ تھے ان سے کسی سفاک عمل کی تو امید کی جا سکتی تھی مگر رحم کی نہیں اب مریم کے پاس ذائریہ اور ثمینہ بیگم کو خبردار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا ایک عورت اپنے شوہر کو بٹنے سے روکنے کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتی جائیداد تو بہت بے معنی تھی سوتن سے بچنے کے لئے۔

مریم کے بروقت انکشاف نے ذائریہ کو ایک جہنم بھری زندگی سے نجات دلا دی تھی اور اس کا اس روز گاؤں کے سادہ دل لوگوں سے اعتبار اٹھ گیا تھا نفرت ہو گئی تھی اسے وہ جو خیال کرتی تھی کہ شہر کی نسبت گاؤں کے لوگ بے حد سادہ اور معصوم ہوتے ہیں اتنے شاطر اور خوفناک منصوبے سے بچنے کے بعد اس کے دل میں گاؤں والوں کے لئے ہمیشہ کے لئے نفرت اور بدگمانی بھر گئی تھی حالانکہ شیطان صفت اور مکروہ سوچ کا حامل فرد کسی بھی جگہ پر یکساں ہی ہوتا ہے چاہے وہ شہر میں رہنے والا ہو یا گاؤں میں مگر ذائریہ نے اپنے ذہن میں گاؤں کے لوگوں کے خلاف عناد بھر لیا تھا کسی حد تک وہ ایسا کرنے میں بجا بھی تھی۔

ملک شہروز بیوی کے منہ سے سیل فون پر ایسی باتیں سن کر بے حد پریشان ہوا اٹھے تھے اور اسی وقت آفس جا کر اپنی ٹریننگ منسوخ کر کے انہوں نے واپس پاکستان جانے کی ٹکٹ کنفرم کروالی تھی وہاں کا باس ان کی قابلیت محنت اور تجربے سے متاثر تھا لہٰذا ان کی تمام بات سن کر انہوں نے ان کے ساتھ خاص رعایت کرنے پر راضی ہو گیا تھا اور ان کی ٹریننگ ضرور منسوخ کی تھی مگر اس طرح سے کہ ان کی جاب پر اثر انداز نہ ہو۔

شام کو جب شہروز اپنے گھر پہنچے ذائریہ باپ کے گلے لگ کر بے حد روئی خود ملک شہروز سوتیلے بھائی کے منصوبے اور سازش پر بے حد

خائف اور افسردہ بھی تھے وہ اگر کہتے تو بناء کسی ہچکچاہٹ کے وہ اس جائیداد کو ان کے نام کروا دیتے اپنی بیٹی سے بڑھ کر انہیں کچھ عزیز نہ تھا اور اس جائیداد کے چکر میں تو وہ کبھی بھی نہیں رہے تھے جب ابا جی نے عاق کیا انہیں جائیداد کی کوئی پرواہ نہ تھی ان کی غمگسار بیوی اور بیٹی ہی ان کیا قیمتی سرمایہ تھیں ابا جی نے بھی اپنی غلطی کا ازالہ خوب کیا کہ ملک شہروز کے ان کے ساتھ دوسری زمین ان کی بیٹی کے نام نا صرف کر دی بلکہ عجیب سی وصیت میں شرط بھی رکھ دی وہ شاید ذائرہ کی زندگی محفوظ رکھنا چاہتے تھے مگر بھول گئے کہ ان لالچی اور شاطر ذہین کے حامل بیٹے کے لئے اس شرط کا بھی توڑ موجود ہوگا ملک شہروز کو تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ملک عالم جو ہمیشہ ان کی سائیڈ لیتے رہے اندر سے اس طرح سے ان کے ساتھ دشمنی نبھائے گے مگر سچ ہے زر، زمین اور زن ہمیشہ سے جنگ اور فتنے کا باعث رہی ہیں اور رہے گیں اور ان کے لئے کوئی بھی اپنا پرایا بن سکتا ہے محض پچیس ایکڑ زمین رشتوں کے تقدس میں کیا اہمیت رکھتی مگر جو ہمیشہ سے ہر رشتے کو دولت کے ترازو میں تولنے کے عادی ہوں ان کے لئے سبھی کچھ دولت ہوتی ہے اور دولت کی حرص ہمیشہ اچھے برے کا احساس چھین لیتی ہے۔

اور پھر اگلے ہفتے ہی تمام معاملات طے پا گئے ملک عالم اپنے دونوں بیٹوں سمیت ان کے گھر میں موجود تھے اور بھرجائی کے یوں دھوکے دے کر شہر آنے پر برہم بھی تھے مگر جب ملک شہروز نے وہ آئینہ ان کے سامنے کیا جن میں نا صرف انہیں اپنا شاطر اور مکروہ چہرہ نظر آ رہا تھا بلکہ سب اس اصلی چہرے سے واقف ہو چکے تھے ایسے موقع پر بجائے وہ شرمندہ یا معافی کے طلب گار نظر آتے انہیں ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا اور صاف لفظوں میں دھمکی دے دی کہ اگر انہوں نے وہ قیمتی زرخیز زمین ان کے دونوں بیٹوں کے نام نہ کی تو وہ وہیں کریں گے جو کرنے کا سوچ چکے ہیں اور اگر وہ ابھی ذائرہ کا نکاح احسن سے پڑھا کر جائیداد اس کے نام لگا دے اور پھر وہ اسے ابھی طلاق بھی دے دے گی تو ان کی جان چھوٹ سکتی ہے بھائی کی ڈھٹائی اور کمینگی پر ملک شہروز سکتے میں رہ گئے تھے۔

ملک شہروز نے اپنے حصے کی زمین اسی وقت ان کے بیٹوں کے نام کرنے کی حامی بھر لی مگر باپ کی عجیب و غریب وصیت نے انہیں عجیب مصیبت سے دوچار کر دیا تھا جب تک ذائرہ کی شادی نہیں ہوتی تب تک جائیداد منتقلی پر عمل درآمد ناممکن تھا وہ اپنی بیٹی کی زندگی برباد نہیں کر سکتے تھے پھر احسن کی عیار آنکھیں کسی اور ہی منصوبے کا پتہ دے رہی تھیں وہ ملک عالم کی شرط کو کسی صورت نہیں مان سکتے تھے انہوں نے دوسرے کمرے جا کر جہاں پر بے حد سہمی ذائرہ اور پریشان ثمینہ بیگم موجود تھیں جہاں انہوں نے اپنے وکیل اور اپنے بہت ہی اچھے دوست ایس ایچ او کو فون کیا اور تمام صورت حال سے آگاہ کر کے اسی وقت گھر پر بلا لیا ان دونوں کے آنے کے بعد کافی حد تک گفتگو کا رخ بدل گیا شیر جب تک اپنے علاقے کی حدود میں رہے شیر رہتا ہے لیکن جیسے ہی وہ اپنے علاقے کی حدود سے نکل جاتا ہے اس کے پاس آدھی طاقت رہ جاتی ہے جسے وہ خود کو بچانے کے لئے استعمال کر سکتا ہے شکار کرنے کے لئے نہیں یہی حالت اس وقت ملک عالم کی تھی صورت حال کی گمبھیرتا دیکھ کر انہیں اپنے ہٹ دھرم رویے کو بدلنا پڑا اور دباؤ کی وجہ سے وہ لوگ اس بات پر راضی ہو گئے کہ ملک شہروز اپنی جائیداد یعنی ان کے حصے کی پچیس ایکڑ

ملک عالم کے نام کر دے اور اس کے بعد دونوں بھائیوں کا آپس میں کسی قسم کا تعلق رہے گا ایس ایچ او نواز نے تو ملک شہروز کہا تھا کہ وہ اپنا قانونی اختیار استعمال کرتے ئے ان تینوں کو گرفتار کر لیتا ہے ملک شہروز ان لاف پرچہ کٹوا سکتا ہے مگر ملک شہروز جانتے یوں محض وقتی حل سامنے آئے گا ملک عالم بلد ضمانت کروا کر قانون کی گرفت سے ہو جائے گے اور ان کے لئے زیادہ ات کھڑی کر دے گے لہٰذا وہ فوری طور پر ہمیشہ کے لئے اس مسئلے کا حل چاہتے تھے ر ملک عالم کو ملک شہروز کی یہ شرط قبول کرنا وہ ذائرہ کے نام ہو جانے والے جائیداد لی جائے اور اسے اپنے نام منتقل کرنے کے قسم کی سازش سے دست بردار ہو جائے تو جائیداد ابھی اسی وقت ان کے نام کر دے ل نے ملک عالم سے حلفیہ بیان پر دستخط ر انہوں نے اس چیز کی ضمانت دے دی بھی ان کی بیٹی کی شادی میں رکاوٹ نہیں گے اور آج کے بعد ان سے کسی قسم کا تعلق رکھے گے ملک عالم کے دونوں بیٹے بھی پیچ و تاب کھائے بیٹھے تھے اور باپ کے جانے پر کافی برہم تھے انہوں نے بولنا ملک عالم نے سختی سے ڈانٹتے ہوئے خاموش کروا دیا ملک شہروز کی جائیداد ات لے کر وہ تینوں وہاں سے ہمیشہ کے لے گئے۔

شہروز نے سکھ کا سانس لیا اپنے سر سے ا بوجھ سرکتا محسوس کیا لیکن یہ ان کی ی ایک لالچی اور سفاک فطرت انسان خاطر کس حد تک جا سکتا ہے اس کا صلح جو امن اور انصاف پسند انسان کو کبھی نہیں ہو سکتا محض تیسرے ہفتے ہی جب ملک شہروز اپنی بیوی کے ساتھ کسی قریبی جاننے والے کی وفات پر ان کے لواحقین سے اظہار تعزیت کر کے واپس آ رہے تھے تو ایک ٹرک ان کی گاڑی کو بری طرح سے کچلتا ہوا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ماں باپ کی منتظر گھر پر موجود ذائرہ کے انتظار کو تا عمر انتظار بنا گیا تھا اپنی گاڑی پر جانے والی وہ دو جانیں جب ایمبولینس میں کفن میں لپٹی لاشیں بن کر آئیں تو ذائرہ صدمے، بے یقینی اور خوف سے کئی گھنٹے اپنے ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی تھی ماں باپ کب قبر میں اتارے گئے کس نے اتارے، ان باتوں کا اسے قطعی ہوش نہ رہا تھا ہوش تو اسے اگلے روز ان سفاک لوگوں کو اپنے اردگرد چلتے پھرتے دیکھ کر آیا، تائی کے بین تایا عالم کے نہ تھمنے والے آنسو احسن، حسین اور باقی سب کے غم زدہ صورتیں سب ایک ڈرامہ تھیں اس کا ادراک صرف اور صرف ذائرہ کو تھا وہ کیسے ان کے معصوم ہونے کا یقین کرتی جبکہ اس حادثے اتنے بڑے سانحہ کی اطلاع اس نے کسی کو دی ہی نہیں تھی اور اس کے سوا کوئی بھی جاننے والا ان سے رابطے کے طریقے سے واقف نہیں تھا بقول احسن کے وہ تو یونہی چچا جان سے ملنا آیا تھا اور آگے اتنا بڑا سانحہ منتظر تھا لوگ یقین کر سکتے تھے احسن کے من گھڑت بات پر، ذائرہ نہیں چند روز قبل وہ لوگ جس ذلت کا سامنا کر کے اس گھر سے نکلے تھے اتنی جلدی دوبارہ نارمل انداز میں ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا زندگی نے اسے ایسے خودغرضوں میں پھنسا دیا تھا جو ان کے اپنے تھے ہی نہیں ذائرہ آنے والے وقت میں موجود اس کے لئے خطرات اور اندیشوں کی چاپ کو بہت اچھی طرح سے سن رہی تھی اس کے والدین کے قاتل اس کے گھر میں دندناتے پھر رہے تھے

اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی اس کی گواہی آدھی تھی اس کے پاس ثبوت نامکمل تھے اس کا واویلا بیکار تھا قدرت اگر کسی کو اس کی بساط سے بڑھ کر صدمے سے دوچار کرتی ہے تو اس کے اندر ایسی قوت بھی پیدا کر دیتی ہے جو اسے حوصلے سے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کرتی ہے تایا عالم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے مگرمچھ کے آنسو بہاتے سب میں واضح کر دیا تھا کہ قل کی رسم کل گاؤں میں ہی ادا کی جائے گی اور چونکہ اب وہی ذائریہ کے لواحقین ہے لہٰذا ذائریہ ان کے ساتھ ہی جائے گی کسی کو کیا اعتراض ہونا تھا اعتراض کرنے والا تھا ہی کون سب کو تایا عالم کے اقدام پر اطمینان محسوس ہوا تھا لیکن ذائریہ اسے تو گویا لٹکانے کے سزا سنا دی گئی تھی وہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ گاؤں جا کر اس کا کیا حشر کیا جائے گا احسن جیسے بدقماش انسان سے نکاح اور وہی جائیداد جس کی خاطر اس کے ماں باپ کی جان لے لے گئی اس کے نام اور پھر تمام عمر ایک ملازمہ سے بھی کمتر درجے کی اس گھر کا فرد ایسی ہی صورت حال سے دوچار شاید کسی شخص نے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا جیسے محاورہ ایجاد کیا تھا۔

ذائریہ کے پاس صرف آج کی رات تھی وہ سب لوگ اس بے ضرر، ڈرپوک سی لڑکی سے صدمے سے چور لڑکی بے پرواہ تھے آدھی رات کو ذائریہ اپنی جائیداد کے کاغذات اور تعلیمی ڈگریاں، چند ضروری سامان اور کچھ پیسے لے کر نہایت خاموشی سے اپنے ہی گھر کی دہلیز پار کر گئی تھی جو خطرہ اس کی جان اور عزت کو اس گھر میں تھا وہ اسے دہلیز پار کرانے پر مجبور کر گیا تھا اور اسے یقین تھا کہ اللہ رات کے شر سے اس کی حفاظت فرمائے گا۔

☆☆☆

آدھی رات کو جب ڈاکٹر ابرا[illegible] دروازے پر بیل ہوئی اور انہوں نے درواز تو بے حد ڈری سہمی، اپنوں کے لگائے زخموں چور ذائریہ سے انہیں کچھ بھی پوچھنے کی ضرور رہی اس کے چہرے پر رقم غم اور وحشت لٹی پٹی زندگی کی داستاں سنا رہے تھے۔

ڈاکٹر ابراہیم، ذائریہ کے والد ملک کے بہت اچھے اور قریبی دوست تھے ذائر ان کے انڈر ہی اپنا ہاؤس جاب مکمل کیا تھ اس کے استاد بھی تھے اور انہوں نے ثابت تھا کہ وہ ملک شہروز کے سچے اور خالص ہیں ذائریہ کو ان کے پورے گھرانے اپنی اور دوستانہ آغوش میں سمو لیا تھا ڈاکٹر ابراہیم ہی بیٹیاں تھیں فاریہ اور ماریہ دونوں نے بھرپور کمپنی دی ڈاکٹر ابراہیم اور ان کی مس اس کی دلجوئی کرتے تھے اور پھر ایک ڈیڑ بعد ہی ڈاکٹر ابراہیم کی کوششوں سے پوسٹنگ ایک پسماندہ دور افتادہ گاؤں مرکز صحت میں ہو گئی تھی کیونکہ ڈاکٹر ابراہیم تھا کہ اس شہر میں وہ لوگ اسے ڈھونڈ نکا اتنی آسانی سے وہ اس کی جان نہیں چھوڑ اسے جلد از جلد ایسی جگہ شفٹ کر دیا جا۔ پر ان کا گمان بھی نہ جائے ان کا ارادہ میں کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر وہ ذائریہ کی دے گی اور اس کے بعد وہ جائیداد جو اس منتقل ہو جائے گی ان ظالموں کے نام سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کرے۔

ذائریہ ان کی اس بات سے متفق نہیں کے لئے ان لوگوں کو اس جائیداد کے دیکھنا چاہتی تھی لیکن یہ تو ایک دیوانے کا اس سے وہ باخوبی واقف تھی اور روز چاپ سے بیتتے جا رہے تھے زخموں

تھے مگر وقت نے انہیں رسنے سے روکنا گردیا تھا۔

ایک دن جب ڈاکٹر ابراہیم نے بتایا کہ ان کی نگرانی ہو رہی ہے انہیں شک ہے کہ آنے جانے پر نظر رکھی جا رہی ہے لہٰذا مرف اس گاؤں تک خود کو محدود رکھے اور کی شہری حدود میں آنے جانے سے پرہیز وہ اور محتاط ہو گئی تھی ان کی ڈھیر ساری نے اس کے خوف کو قدرے زائل کر دیا ۔ن یہیں گاؤں میں رہنا تھا جس جگہ اور ں سے وہ متنفر ہو چکی تھی ویسی ہی ملتی جلتی لوگوں میں رہنا اس کے لئے باعث تھا لیکن قدرت بھی نہ جانے اسے ابھی تحانات سے دوچار رکھنا چاہتی تھی نہ جانے ھانا چاہتی تھی کیا سبق دینا چاہتی تھی اور ہدری رب نواز سے ملاقات شاید ایسے سے ملا کر ہی وہ اسے جینے کی راہ پر گامزن ہتی تھی۔

☆☆☆

گاڑی ایک جھٹکے سے ایک پرشکوہ، دلفریب کے اندر جا رکی تھی ذائریہ پیچھے کا دروازہ نیچے اتر آئی۔

آؤ بیٹا جی آؤ۔" رب نواز، ذائریہ کی تے ہوئے آگے بڑھا۔

یلی باہر اور اندر سے خوبصورت تھی خاص در کا وسیع لان نہ جانے کون کون سے دں کی سجاوٹ کی گئی تھی رنگ برنگے کی بہار امڈی ہوئی تھی لان کے وسط میں مرکا فوارہ دلکش چھب دکھا رہا تھا دیواروں ہ پھل دار درخت گرمیوں میں ٹھنڈک اور ا احساس بخش رہے تھے ایک عجیب سا فرحت کا احساس ہوتا تھا نوارد کو اس

حویلی میں آ کر کہیں سے بھی نہیں لگتا تھا کہ یہ حویلی کسی پسماندہ گاؤں کا حصہ ہے خاصی آرٹسٹک سوچ سے تعمیر کردہ حویلی تھی۔

"ذینی!...... ذینی! چوہدرانی جی کہاں ہے بھئی۔" چوہدری نے وسیع و عریض لاؤنج میں داخل ہو کر اپنے بائیں جانب رخ موڑے آواز دیتے ہوئے کہا اور ذائریہ لاؤنج میں آ کر بھی چونکے بنا نہ رہ سکی سادہ سجاوٹ لاؤنج کو عجیب سی خوبصورتی دے رہی تھی اصل میں لاؤنج وہ جگہ تھی جہاں پر عمارت کا بقیہ تمام حصہ اینچ تھا ایک طرف سے چھت سے ڈھکا صحن نما لاؤنج نئی اور پرانی عمارت کا امتزاج تھا جہاں پر چھت موجود تھی وہاں کے حصے کو چنیوٹی فرنیچر سے آراستہ کیا گیا تھا ٹی وی ٹرالی بھی رکھی تھی اور جہاں پر صحن تھا جو قدرے فاصلے پر موجود تھا وہاں پر رنگین پایوں والی دو چار پائیاں اور اسی طرز کا فرنیچر موجود تھا اسی کے قریب سے ایک خوبصورت لکڑی کی گرل والا زینہ اوپر کی جانب جاتا تھا اور اوپر منزل بھی سفید ستون والے برآمدے اور اس کے پیچھے رنگین شیشے کے دروازوں والے کمروں پر مشتمل تھی، جہاں پر جدید فرنیچر موجود تھا اس کے پیچھے بڑا سا جدید طرز کا تعمیر شدہ کچن واضح نظر آ رہا تھا پورا گھر ان ڈورز پلانٹس سے ہرا بھرا اور سجا ہوا تھا صحن کے دائیں جانب ایک چھوٹا برآمدہ نظر آتا تھا جس کے کونے میں دیہاتی طرز کا کچن بنا ہوا تھا جس کسی نے بھی پرانے اور نئے حالات کو عمارت کی صورت میں یکجا کیا تھا خوب کیا تھا۔ دونوں جگہیں اپنی اپنی جگہ پر ہی اچھی نہیں بلکہ ایک دوسرے میں ہم آہنگ سی ہو کر اچھوتا سا آئیڈیا پیش کر رہی تھیں ذائریہ کو بھی گھر کی تزئین و آرائش کا بے حد شوق تھا اگر وہ ڈاکٹر نہ ہوتی تو یقیناً ایک کامیاب انٹیریئر ڈیکوریٹر ہوتی ہے اسے

یہ پرانی اور جدید تہذیب کو یکجا کرنے کا آئیڈیا بڑا اچھا اور اچھوتا لگا تھا اور اس کی آنکھوں میں ستائش امنڈ آئی تھی۔

''میں صدقے میں واری میری دھی رانی آ گئی۔'' دیہاتی طرز کے بنے برآمدے کے پچھلی جانب سے ایک دروازے میں جو بظاہر اوٹ میں تھا اور ایک سرخ و سفید صحت مند قدرے فربی مائل سادہ سے حلیے میں ایک خاتون برآمد ہوئیں اور جلدی سے برآمدے کو عبور کرتی لاؤنج میں کھلنے والے دروازے سے خیر مقدمی انداز میں آگے بڑھیں اور بڑے پیار اور جوش سے ذائرہ کو گلے لگا لیا۔

''بھئی کہاں رہ گئیں تھیں مہمان موجود اور میزبان غائب؟'' چوہدری نے جلدی سے پوچھا جو تلاشنے والی نظروں سے ذینی کو دیکھ رہے تھے۔

''اور یہ باقی ملازمہ وغیرہ کدھر ہیں، کوئی بھی ادھر نظر نہیں آ رہا سب کو ذائرہ بیٹی کے استقبال کے لئے اندر ہی ہونا چاہیے تھا۔'' چوہدری رب نواز نے ایک بار پھر ذینی کو جواب کا موقع دیئے بغیر استفسار کیا اور ساتھ ہی قدرے ملامت زدہ لہجے میں تبصرہ بھی۔

''اوہ سوال پر سوال کیے جا رہے ہیں جواب تو دینے دیں اور اس سے پہلے میری دھی رانی کو بیٹھنے تو دیں۔'' زلیخا جلدی سے ذائرہ کو لے کر صوفے کی جانب بڑھ گئی اور ذائرہ کے لبوں پر زلیخا کی چوہدری کو سرزنش کرنے کے انداز پر مسکراہٹ آ گئی۔

''معذرت بیٹا جی واقعی مجھے اندر ہی ہونا چاہیے تھا پر اصل میں چوہدری جی نیلی کو دوائی دینی تھی بخار بڑا تیز ہو گیا ہے اس کا ڈاکٹر آیا ہے ابھی اور آپ تو جانتے ہیں سکندر کے سوا وہ کسی سے دوائی نہیں لیتی بڑی اڑی کرتی ہے چھمو آئی تھی مجھے بلانے کو بڑی مشکل اور نخروں سے کھ ہے اس نے دوائی سارا وقت سکندر کو ا نظریں اِدھر اُدھر کھوجتی رہی ہیں گلو اور چھمو ا ہی ہیں شانی سوپ بنا رہی ہے سکندر کے شاید اب دینے چلی گئی ہو اور دھی رانی تم سناؤ حال چال ہے تمہارا؟'' زلیخا نے ایک ہی سان میں چوہدری رب نواز کے سوالوں کے جوا دیے اور خاموش گفتگو سنتی ذائرہ سے آخر حال چال دریافت کیا۔

''یہ نیلی کون ہے؟ جو ان سب کی اتنی لا ہے؟'' ذائرہ نے سوچا۔

''جی میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' اخلاقاً ذائر نے جواب دیا۔

''اتنی بڑی ہو گئی ہے نیلی پر سکندر کے ب رہتی نہیں، اتنے دن سے اس کے پاس بھی نہ گیا اداس ہو گئی ہے مجھے تو لگتا ہے تاپ (بخار بھی اسی وجہ سے ہو گیا ہے اور سکندر کو تو نہیں نہ نیلی کی بیماری کا کسی بھی چیز کی پرواہ کیے بغیر جائے گا اپنی لاڈو بیگم کے نخرے اٹھانے چوہدری رب نواز نے بھی ایک صوفے پر ہوئے تبصرہ کیا اور ساتھ ہی زلیخا سے پوچھا۔

ذائرہ کو نیلی نامی ذات سے دلچسپی تجسس محسوس ہونے لگا تھا نہ جانے کون ہو ہیں جو پورا گھر ان کے لئے اس قدر پریشان اور سکندر صاحب سے تو کوئی خاص ہی رشتہ تعلق ہے صاحبہ کا، ذائرہ نے دل میں سوچا ان دونوں کی پریشانی کا خیال کرتے ہوئے یو ازراہ ہمدردی زلیخا سے کہا۔

''کیا بیماری ہے نیلی صاحبہ کو؟ میں بھی ڈا ہوں آپ کہیں تو میں چیک کر لیتی ہوں؟'' ذائرہ کے اس جملے پر دونوں میاں بیوی ساختہ ہنس پڑے ذائرہ ان دونوں کو یوں دیکھ کر جھینپ سی گئی۔

''ذائرہ پتر نیلی کسی خاتون محترمہ کا نام نہیں بلکہ بھینس کا نام ہے ساہیوال سے خاص طور پر اعلیٰ نسل کی بھینس لے کر آیا تھا سکندر خود اس وقت بچھڑی تھی سکندر نے بہت دلار اور خیال سے پالا ہے اسی سے بہت مانوس ہے نخریلی بھی بڑی ہے دن میں ایک بار باڑے کا چکر نہ لگا لے سکندر تو چارہ کھانا بند کر دیتی ہے موسمی بخار ہے اسے ڈنگر ڈاکٹر میرا مطلب ویٹنری ڈاکٹر آیا ہے اس کا چیک اپ کرنے یو ڈونٹ وری بیٹا جی۔'' چوہدری رب نواز نے ہنستے ہوئے ذائرہ کی غلط فہمی دور کی اور ذائرہ اصل صورت حال جان کر مزید جھینپ گئی۔

''آئے ہائے آتے ہی باتیں شروع ہو گئیں ذائرہ بیٹا مجھے بڑا افسوس ہوا جان کر تمہارا ساتھ جو سانحہ گزرا بیٹا بس اتنا کہوں گی کہ اللہ کو صبر کرنے والے لوگ بڑے عزیز ہوتے ہیں اور بیٹا وقت کے ساتھ صبر تو آ ہی جاتا ہے پر صبر کرنا اور بات ہے تم صبر کرنا سیکھو اللہ ہر مشکل آسان کر دے گا۔'' زلیخا نے مکمل طور پر ذائرہ کی جانب متوجہ ہوتے اور اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر نرمی سے سہلاتے ہوئے کہا۔

ذائرہ کو اس سادہ دیہاتی سے حلیے کی خاتون سے اتنی گہری بات اور اس انداز میں ادا کرنے کی توقع نہ تھی وہ حیرت سے بس انہیں دیکھتی رہ گئی۔

''باقی باتیں بعد میں ہو گئیں میرا بیٹا مجھے یہ بتائے کہ کھانا پہلے کھایا جائے یا تم سکندر سے پہلے ملو گی اس کا چیک اپ اچھی طرح سے کرنا جس مہارت سے تم نے اس روز نا کافی سامان کے باوجود اس کی ٹریٹمنٹ کی فضلو نے تفصیلاً بتایا تھا مجھے، مجھے تو تمہیں پر یقین ہے تمہارا علاج سے اس کے زخم جلدی بھر جائیں گے۔'' زلیخا بیگم کے منہ سے اتنی صاف لہجے میں اردو سن کر ذائرہ کو پھر سے حیرت ہوئی اس کی تائی وغیرہ سے تو اتنی روانی سے شستہ انداز میں اردو نہیں بولی جاتی تھیں دیہاتی پن ان کے لہجے میں در آتا تھا۔

''جی...... پہلے چیک اپ کر لیتی ہوں، اس جاہل کا۔'' آخری جملہ دل میں ادا کرتے ہوئے ذائرہ نے جواب دیا۔

''چلو پھر میں بھی اتنی دیر میں حویلی کا چکر لگا آؤں ڈاکٹر آیا ہوا ہے ذرا مال مویشی کا معائنہ اپنی موجودگی میں کروا آؤں کھانا پر مل بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں آئی ہوپ یو ڈونٹ مائنڈ۔'' چوہدری رب نواز نے صوفے سے اٹھتے ہوئے اپنے ارادے سے دونوں کو آگاہ کیا اور آخری جملہ خاص طور پر ذائرہ کے لئے ادا کیا۔

''آف کورس ناٹ۔'' ذائرہ نے جھٹ جواب دیا وہ ان دونوں میاں بیوی کے دیہاتی سادہ حلیے اور انداز گفتگو کو سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی جس طرح سے گھر جدید اور پرانی طرز کا بنا اور سجایا گیا مکین بھی ویسے بھی تھے مطابقت اور غیر مطابقت سے۔

''ارے مائنڈ کیوں کرنے گی مہمان تھوڑی ہے یہاں پر اس کا اپنا ہی گھر جیسے چاہے اٹھے بیٹھے۔'' زلیخا نے جلدی سے جواب دیا۔

''آپ نے ذائرہ کے رہنے کے لئے کمرہ سیٹ کروا دیا۔'' چوہدری نے کچھ یاد آنے پر یکدم پوچھا۔

''نہیں ابھی نہیں میں نے کہا خود آ کر اپنی مرضی کا کمرہ منتخب کرے پھر میں اس کی پسند کے مطابق چھمو یا شانی سے کہہ کر سیٹ کروا دوں گی۔'' زلیخا نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"چلیں یہ اچھا کیا ابھی اس کی ضرورت نہیں اور کیوں کا جواب میں خود ہی کھانے پر آکر آپ کو دوں گا۔" چوہدری رب نواز نے کہا اور بیگم کے چہرے پر سوالیہ تاثرات کو ابھرتے دیکھ کر جھٹ اگلا جملہ ادا کیا۔

"چلیں ٹھیک ہے اور ذائریہ آؤ بیٹا سکندر پتر کے کمرے میں چلتے ہیں۔" چوہدری اسی جانب بڑھ گیا جس جانب زلیخا کی آمد ہوئی تھی اسی وقت داخلی دروازے سے کوئی چار پانچ خواتین برآمد ہوئیں حلیے سے دیہاتی اور قدرے غریب گھرانے کی نمائندہ نظر آتی تھیں زلیخا ان کو دیکھ کر ان کے استقبال کے لئے جلدی سے آگے بڑھیں۔

"بسم اللہ...... بسم اللہ جی آیاں نوں بی بی جی کیا حال ہے تہاڈا؟" ایک بوڑھی سفید چادر میں لپٹی خاتون سے گلے ملتے احتراماً زلیخا نے پوچھا اور انہیں دیہاتی طرز کے سجے پورشن کی جانب لے کر بوڑھی ساتھ ہی ذائریہ کو بھی ادھر آنے کا اشارہ کیا سب خواتین بچھی چارپائیوں پر بیٹھ گئیں زلیخا اور ذائریہ دیہاتی نچ رنگین پایوں والی کرسیوں پر ٹک گئیں۔

"سکندر پتر کا پتہ چلا دل پریشان ہو گیا آج ہی وظیفہ پورا کر کے اٹھی تھی بہو نے بتایا اسی وقت سوچا خیر خبر لے آؤں یہ سب بھی خیر خبر لینے آئیں ہیں۔" اسی معمر خاتون نے جواب دیا اور ذائریہ کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"یہ ذائریہ ہے ڈاکٹر ذائریہ ہمارے گاؤں میں ڈاکٹر بن کر آئی ہے چوہدری صاحب کے شہری دوست کی بیٹی ہے اور ذائریہ یہ نور بی بی ہیں پورے گاؤں کی نور بی بی گاؤں کے بچوں کو سپارہ پڑھاتی ہیں میرے سکندر نے بھی انہیں سے قرآن پاک پڑھا ہے اور یہ ان کی بیٹی، بہو اور رشتے دار خواتین ہیں۔" زلیخا نے دونوں فریقین کے درمیان تعارف کا مرحلہ سرانجام دیا۔

"السلام علیکم!" ذائریہ نے جلدی سے دوبارہ سلام کیا۔

"وعلیکم السلام جیتی رہو بیٹا تمہارے آنے کی خبر ہو گئی ہیں گاؤں میں اللہ تمہارا بھلا کرے اب گاؤں کی عورتوں کو تمہاری موجودگی سے بڑی آسانی اور حوصلہ رہے گا آہستہ آہستہ مریض آنا شروع ہو جائیں گے۔" نور بی بی نے شفقت سے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ذائریہ پتر آپ ایسا کرو کہ اوپر سکندر کے کمرے میں چلے جاؤ یہ سیڑھی چڑھ کر دائیں جانب کونے میں جو کمرہ وہی اس کا ہے شانی بھی سوپ دینے گئی ہے سکندر کو کمرے وغیرہ کی صفائی کر رہی ہوگی اسے اپنے ساتھ ہی نیچے لیتی آنا لسی پانی کا انتظام کرے پرونوں (مہمانوں) کے لئے یہ کم بخت گھٹنے کا درد میں تو ایک بار سیڑھیاں چڑھ لوں تو اتنی جلدی نیچے نہیں آسکوں گی جاؤ شاباش یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے شانی اس وقت صفائی میں مگن ہوگی سکندر نے اس کے ناک میں دم کیا ہوگا اپنی موجودگی میں رگڑ رگڑ کر صفائی کروا رہا ہوگا۔" زلیخا نے ذائریہ کو جھجکتے دیکھ کر ذائریہ سے کہا اور چاروناچار ذائریہ میڈیکل باکس اٹھائے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئیں۔

ذائریہ کو اوپر آکر اپنے دائیں جانب کونے میں بنے کمرے کو تلاش کرنے میں قطعی دقت نہ ہوئی اور وہ دبیز قالین پر دھیرے دھیرے قدم رکھتی کمرے کی جانب بڑھی جیسے ہی اس نے دروازہ کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہلکا سا نیم وا دروازہ ایک دم پورا کھلا اور ذائریہ اپنے سامنے کھڑی ہستی کو دیکھ کر ٹھٹک گئی یہی حالت سامنے والی کی تھی۔

آنسو سے لبریز چہرہ، بالوں کی لٹیں نکلی میں ملگجا حلیہ اور سب سے بڑھ کر دوپٹے سے بے نیاز سراپا دونوں کو ہی توقع نہ تھی کہ ایسی صورت حال کا اچانک سامنا ہو جائے گا۔

"یہ لے کر جاؤ۔" سخت لہجے میں ادا کیے گئے جملے پر دونوں ہی متوجہ ہوئیں۔

آواز کے تعاقب میں ذائریہ کی نظریں بیڈ روم کے وسط تک گئیں جہاں پر سکندر ہاتھ میں پیلے رنگ کا دوپٹہ لئے کھڑا تھا اس کے چہرے پر غصہ نمایاں تھا شانی غیر متوازن چال سے پلٹی اور وہاں پہنچ کر آگے بڑھتے ہوئے دوپٹے کو تھام لیا۔

"اچھی طرح سے اوڑھو اسے اور دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔" سکندر کی آواز دھیمی مگر لہجے میں غراہٹ نمایاں تھی۔

ذائریہ کو ایک لمحے میں ساری صورت حال کا اندازہ ہو گیا اسے لگا سامنے سکندر کی جگہ احسن عالم اور شانی کی جگہ وہ خود ڈری سہمی اپنی عزت اس درندے سے بچاتی ذائریہ ہے۔

سکندر کا انداز یوں تھا جیسے اس کے اور شانی کے علاوہ وہاں کوئی تیسرا موجود ہی نہیں رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر کوئی خفت، کوئی شرمساری کے تاثرات تو کجا چہرے پر ابھرتے وہ ذائریہ کے سراپے کو ہی مکمل نظر انداز کیے ہوئے تھا۔

"ڈھیٹ انسان۔" ذائریہ نے نفرت سے واپس پلٹ جانا چاہا جبھی زلیخا بیگم سیڑھیاں چڑھتیں اس کی جانب بڑھتی آئیں۔

"چل پتر میری بھی مت ماری گئی ایک پل کو لگا جیسے سویرا ہے گھر کے ہر کونے سے باخبر تھی تمہیں یوں ایسے ہی اوپر بھیج دیا دھیان ہی نہیں رہا کہ میری دھی رانی تو پہلی بار ہمارے گھر آئی ہے خیال آتے ہی اوپر آئی ہوں بس یہ گھٹنوں کا درد، اوپر آنے سے گریز ہی کرتی ہوں میں...... شانی پتر جا جلدی سے نیچے جا کر پرونوں کے لئے لسی پانی کا انتظام کر میں سکندر پتر کا چیک اپ کروا کر آتی ہوں، سن نور بی بی کی خاطر تواضع میں کمی نہ ہو، آجا بیٹا۔" زلیخا نے قریب آتے پہلے ذائریہ کو مخاطب کیا اور قریب سے گزرتی شانی کو رک کر بھی ہدایت جاری کی جس پر وہ محض سر ہلاتے ہوئے جلدی سے سیڑھیاں اترتی چلی گئی اور ذائریہ اس صورت حال میں عجیب سے مخمصے میں پھنس گئی وہ کمرے میں جا کر اس شخص کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہ رہی تھی اور پہلی ملاقات میں یوں اس کی ماں کو اس کے کرتوت سے بھی آگاہ نہیں کر سکتی تھی یوں انکار کرنے کی کوئی ٹھوس وجہ نہ تھی اس کے پاس سو چاروناچار وہ کمرے میں داخل ہوئی۔

"ہائے میں مر جا تو کیوں اٹھ کھڑا ہوا ہے؟" زلیخا نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ہنوز اسی طرح کھڑے سکندر کو لتاڑا۔

"ماں جی میری ٹانگ میں گولی نہیں لگی جو اٹھ کے کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔" سکندر نے خاصے جھنجلائے لہجے میں جواب دیا، ذائریہ اس کے اس بدتمیز لہجے کے پیچھے چھپے محرک کو اچھی طرح سے سمجھ رہی تھی۔

"ہونہہ کم ظرف، نفس کا مارا کمزور انسان۔" وہ ایک بار پھر دل ہی دل میں سکندر کو برے القاب دیئے بغیر رہ نہ سکی تھی۔

"اچھا چل لیٹ جا اب ذائریہ پتر تیرے زخموں کا معائنہ کر لے، خاص طور پر بازو کے زخم رات کو بھی ہلا جلا کر تو نے خون نکال لیا تھا، اس سے اس کو بخار بھی ہو گیا تھا ایک دو دن میں ہی میرا پتر کتنا کمزور ہو گیا ہے میں صدقے جاؤں۔" زلیخا بیگم نے آگے بڑھتے پہلے سکندر سے کہا اور

پھر ذائریہ اس کی حالت سے آگاہ کیا آخر میں لہجے میں وہی ممتا کی پریشانی در آئی۔

''ہونہہ کمزور! ابھی اپنی کمزور ملازمہ سے زبردستی کر کے اپنی کمزوری ہی تو ظاہر کر رہا تھا۔'' ذائریہ نے تنفر سے سوچا۔

''میں ٹھیک ہوں، چیک اپ کی ضرورت نہیں۔'' سکندر نے بیڈ کی جانب بڑھتے دو ٹوک لہجہ اختیار کیے کہا اور بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''اور یہ جو بخار سے تیرا ماتھا تپ رہا ہے وہ۔'' زلیخا نے ماتھے پر اپنا ہاتھ رکھتے پریشانی سے کہا۔

''اتر جائے گا دوائی لے لی ہے میں نے اور اب آرام کرنے دے مجھے پلیز اس وقت میرا کوئی چیک اپ ویک اپ کا موڈ نہیں اور پلیز ماں جی اب کمرے کی صفائی وغیرہ کرنے کوئی نہ آئے خوامخواہ شانی نے آ کر کمرے کی صفائی کرنی شروع کر دی اچھی بھلی نیند آ رہی تھی ڈسٹرب کر کے رکھ دیا۔'' سکندر نے بیڈ پر لیٹ کر دوسری جانب لیٹتے ہوئے قدرے روکھے لہجے میں کہا اور ذائریہ کو اس کے انداز پر ایک دفعہ پر غصہ آ گیا یہ شخص دوسری ملاقات میں بھی بلا جواز اس کی انسلٹ کر رہا تھا جیسے وہ تو مری جا رہی تھی اس کا چیک اپ کرنے کے لئے زلیخا آنٹی کا خیال نہ ہوتا تو جو کچھ وہ چند لمحے پیشتر دیکھ چکی تھی اچھی خاصی کھری کھری سناتی۔

''ٹھیک ہے آنٹی آپ انہیں آرام کرنے دیں زخموں کی وجہ سے بخار وغیرہ تو ہو گا احتیاط سے کام لے تو وہ بھی اتر جائے گا مکمل بیڈ ریسٹ کریں یوں بیڈ سے اٹھ کر بے احتیاطی نہ برتے تو ان کے لئے اچھا ہو گا۔'' ذائریہ نے حتی الامکان لہجے کو ہموار رکھتے ہوئے زلیخا کو مخاطب کیا اور در پردہ اپنے لفظوں سے سکندر کو بہت کچھ جتلا دیا جس پر اس نے کروٹ بدلتے اس پر ایک خاموش سلگتی نظر ڈالی اور پھر اچانک بولا۔

''ارے نہیں ڈاکٹرنی جی مجھے واقعی چیک اپ کی ضرورت ہے ہائے لیٹتے ہی ایک بار پر زخم میں درد ہو رہا ہے ہائے اماں۔''

''ہائے اماں صدقے پتر دیکھ تو سہی کہیں کوئی ٹانکا تو نہیں اکھڑ گیا؟ رات کو اس ہاتھ میں رائفل پکڑی تھی اس نے وہ کون سی کاغذ کی ہوتی ہے مجھے تو رات سے ہی وہم ہے کہیں بے احتیاطی سے زخم ہی نہ بگڑ جائے۔'' زلیخا نے بیٹے کی خواہ مخواہ کی دہائی پر گھبراتے جلدی سے ایک جانب رکھی کرسی کو بیڈ کے قریب رکھتے ذائریہ سے کہا اور ذائریہ اندر ہی اندر سکندر کی چالاکی پر کل کھا کر رہ گئی وہ اچھی طرح سے جانتی تھی کہ سکندر محض اسے چڑانے کے لئے یہ سب کر رہا ہے ورنہ اس سے قبل تو اسے کسی قسم کے درد کا احساس نہیں تھا۔

''جی!'' سنجیدہ لہجے میں کہہ کر وہ کرسی پر بیٹھ گئی اور پیشہ وارانہ انداز میں سکندر کا چیک اپ کرنے لگی، وہ ایک پل میں تولہ ایک پل میں ماشہ جیسی شخصیت کے حامل سکندر سے خاصی بیزار ہو چکی تھی چیک اپ کر کے وہ جلد از جلد اس کمرے سے ہی نہیں اس حویلی سے بھی چلی جانا چاہتی تھی۔

''بی پی نارمل ہے، بخار زخموں کی وجہ سے ہی ہے ٹانکا وغیرہ نہیں اکھڑا مگر انہیں رائفل وغیرہ پکڑ کر بازو کو ایکسر سائز کروانے کی ضرورت نہیں بس ریسٹ کریں ٹھیک ہو جائیں گے۔'' ذائریہ نے بازو کے زخم کا معائنہ کرنے کے بعد زلیخا سے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''یہی تو بات ہے رات کو ہی جا رہا تھا ان لوگوں سے بدلا لینے کے لئے بڑی مشکل سے اس

کے بابا نے روکا اور رائفل لی تھی اس کے ہاتھوں غصے میں کچھ نہیں سوجھتا اسے۔'' زلیخا نے تبصرہ کیا۔

''ہاں تو کھلا چھوڑ دوں اپنے دشمنوں کو ہاتھ پیر نہ توڑوں تا کہ اگلی دفعہ پھر......''

''اچھا آنٹی کافی دیر ہو گئی ہے اب مجھے چلنا چاہیے۔'' سکندر کی بات کو کاٹتے اور اسے نظر انداز کرتے ذائریہ نے جلدی سے زلیخا کو مخاطب کیا اس کے اس ماحول سے دل اچاٹ ہو چکا تھا، چوہدری رب نواز کے پرشفیق رویے سے وہ یہاں تک چلی آئی تھی مگر سکندر سے مل کر اس کی طبیعت پر ایک بار پھر بیزاریت طاری ہو چکی تھی۔

''ارے نہیں بیٹا کھانا بالکل تیار ہے آؤ نیچے چلتے ہیں کھانا تو کھا لو۔'' زلیخا نے جلدی سے سکندر کے پاس سے اٹھتے ہوئے ذائریہ سے کہا۔

''نہیں آنٹی پلیز اس تکلف کی ضرورت......''

''آہ...... ہائے۔'' ذائریہ کی بات مکمل ہوئے بغیر سکندر نے ایک بار پھر درد کا واویلا مچا دیا نہ جانے کیوں ذائریہ کو لگا جیسے ایسا کر کے وہ اسے خواہ مخواہ چڑا رہا ہے۔

''صدقے میں واری کیا ہوا میری جان۔'' زلیخا فکر مندی سے پلٹی۔

''بس اماں بازو میں بڑا درد ہو رہا ہے۔'' سکندر نے کراہتے ہوئے اور شرارتی نظروں سے۔ ذائریہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا ذائریہ سکندر کے اس رویے کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

''میں انہیں درد کا انجکشن لگا دیتی ہوں اس سے فوری آرام آ جائے گا۔'' زلیخا کے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات کو پڑھتے ذائریہ نے جلدی سے کہا وہ اب اس کمرے سے جانا چاہتی تھی سکندر اسے خواہ مخواہ روکنے کا ڈرامہ کر رہا تھا نہ جانے اسے ایسا کیوں محسوس ہو رہا تھا۔

''ارے نہیں بیٹا یہ بھلا انجکشن کب لگوائے گا۔'' زلیخا نے جلدی سے کہا۔

''جی!'' ذائریہ نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں حیرت سے زلیخا کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''بچپن میں ایک دفعہ بخار میں کسی اناڑی کمپاؤنڈر نے اس کے بازو میں انجکشن لگایا تھا نہ جانے کیسے اور کس طرح انجکشن نکالتے ہوئے سوئی ٹوٹ کر اس کے بازو میں رہ گئی بڑی مشکل ہو گئی ایک طرح سے آپریشن کر کے نکلوانی پڑی بس اس وقت کا خوف اس کے دل میں بیٹھ گیا اور اب ماشاءاللہ اتنا گبھرو جوان ہو کر بھی اس خوف سے نہیں نکلا اس لئے انجکشن نہیں لگواتا کچھ بھی ہو جائے ہسپتال میں بھی ہوش میں آ کر کب اس نے ڈرپ وغیرہ لگوائی اور نہ ہی انجکشنز بڑی مشکل ہو گئی تھی۔'' زلیخا نے ذائریہ کو تفصیلاً آگاہ کیا اور اس بات پر سکندر کے چہرے پر ماں کے لئے ابھر آنے والے ہلکے سے خفگی اور شرمندگی لئے تاثرات پر ذائریہ کو اپنی مسکراہٹ دبانا بڑی مشکل ہو گئی۔

''تو یہ وجہ تھی اس روز میڈیکل سینٹر میں مجھ سے انجکشن نہ لگوانے کی محترم کہہ رہے تھے کہ زنانی کے ہاتھوں سے نہیں لگواؤں گا اصل میں تو خوف کی بناء پر کسی سے بھی نہیں لگوا سکتے اتنا جوان مرد چھوٹی سی سوئی سے ڈرے اصل بات کو یوں پوشیدہ رکھنا چاہ رہا تھا۔'' ذائریہ کو میڈیکل سینٹر میں سکندر کا رویہ انجکشن لگانے پر یاد آ گیا۔

''اماں آپ ڈاکٹرنی صاحبہ کی خدمت وغیرہ کریں میں اب سوؤں گا۔'' سکندر نے جلدی سے اپنی خفت مٹانے کے لئے کہا اور تکیے نیچے

کر کے بیڈ پر پیچھے ہو کر لیٹ گیا، ذائریہ کو اس کا یہ خفت زدہ انداز بڑا مزہ دے گیا۔

''اچھا پتر ٹھیک ہے آؤ ذائریہ پتر ہم نیچے چلتے ہیں۔'' زلیخا نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

''جی چلئے۔'' ذائریہ نے جلدی سے میڈیکل باکس اٹھایا اور ان کی ہمراہی میں نیچے چلی آئی جہاں پر چوہدری رب نواز پہلے سے ہی موجود تھے۔

''لو بھئی خوب ذائریہ بیٹا کی مہمان داری کرنے کی بجائے آپ نے اسے سکندر کا چیک اپ کرانے پر لگا دیا پہلے اس کی کوئی خاطر تواضع تو کرلیتیں ہمارے گھر تو وہ ایک خاص مہمان اور شہروز کی بیٹی کے طور پر آئی ہے نہ کہ محض ایک ڈاکٹر۔'' چوہدری رب نواز نے شفقت سے ذائریہ کی جانب دیکھتے ہوئے اپنی بیگم کو ٹوکا۔

''جی بس نور بی بی آئیں تھیں سکندر پتر کی خیر خیریت معلوم کرنے، ارے شانی پتر چل گئیں نور بی بی؟'' زلیخا بیگم نے چوہدری رب نواز کو گول مول سا جواب دیتے اٹالین طرز کے بنے کچن میں موجود شانی سے دریافت کیا جو خانساماں کے ساتھ مل کر کھانا ٹیبل پر سجانے کی تیاری کر رہی تھی۔

''جی چوہدرانی جی جلدی تھی جی ان کو کہہ رہی تھیں کہ آپ سے مل لیا ہے نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے اس لئے اب وہ چلے گی، ڈاکٹرنی صاحبہ آئیے ناں جی میں آپ کو حویلی دکھاؤں ہمارے چھوٹے چوہدری نے اسے بڑے اچھے نئے اور پرانے انداز میں بنوایا اور سجا رکھا ہے خاص طور پر باغ جی باہر کے ملک سے پودے منگوا کر لگوائے ہیں جی بڑے مہنگے اور بڑے ہی پیارے آئیے ناں جی میں آپ کو دکھاتی ہوں۔'' شانی نے جی جی کی رٹ لگاتے بصد اصرار ذائریہ سے کہا۔

''ہاں ہاں پتر جاؤ دیکھ آؤ تمہیں واقعی اچھا لگے گا گارڈن دیکھ کر سکندر نے اس کا نام ڈریم گارڈن رکھا ہوا ہے اور بہت محنت سے خود بنوایا ہے خاص اس کی اپنی سوچ ہے ہمارے پرانے باغ کو یہ نئی شکل دینے کی، دیکھ آؤ باہر اس وقت قدرے دھوپ تیز ہو گی مگر جب تک نذیر (خانساماں) کھانا لگاتا ہے گھوم آؤ، میں تو جب بھی دنیا کے جھمیلوں سے بیزار ہوتا ہوں سکندر پتر کے ڈریم گارڈن میں چلا جاتا ہوں ذہن پرسکون ہو جاتا ہے۔''

چوہدری راب نواز نے جھٹ شاہینہ کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا اور ذائریہ چوہدری صاحب کی آخری بات پر چونک سی گئی وہ حیران ہوئی کہ انہیں کیسے پتہ چلا کہ وہ اس ماحول سے بیزاریت محسوس کر رہی ہے ابھی چند لمحے پیشتر شانی جیسی ڈری سہمی فاختہ اور سکندر جیسے ظالم شکرے جیسی صورت حال کا اچانک سامنا کر کے اس پل اسے بالکل وہ اپنے بابا جیسے لگے جو یونہی اس کے اندرونی کیفیت کو سمجھ کر حل دے دیا کرتے تھے اور وہ چونک کر حیرت سے پوچھے بنا نہ رہتی تھی کہ ''بابا آپ کو کیسے پتا چلا؟'' اور وہ ہمیشہ مسکرا کر ایک ہی جواب دیا کرتے تھے ''جان پدرتم میرے وجود کا حصہ ہو جتنا میں اپنے وجود سے باخبر ہوں اتنا ہی تم سے'' اپنی زبان پر آئے سوال ''آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں اس وقت ہر چیز سے بیزار ہو چکی ہوں اور مجھے ذہنی سکون کی ضرورت ہے'' کو پیچھے دھکیلتے اور آنکھوں میں اترتی نمی کو چھپانے کے لئے وہ مجبوراً اور بیزار کیفیت کے ساتھ منتظر کھڑی شاہینہ کے ساتھ دائیں جانب بنے کچے برآمدے سے ہوتی سامنے لان میں چلی آئی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ واقعی لان بے حد محنت اور خوبصورتی سے سجایا گیا تھا بیرونی دیوار کے ساتھ کچنار، املتاس اور پھل دار درخت قطار در قطار موجود تھے جن کے گھنے سائے گرمی کی تپش میں ٹھنڈک کا احساس اجاگر کر رہے تھے املتاس کے ایک درخت پر بڑا سا جھولا بھی لٹکایا گیا تھا کچنار کے درخت پر آتشی گلابی اور ہلکے کاسنی رنگ کے پھول پیلے پھولوں کے ساتھ بڑا خوبصورت کمبینیشن پیش کر رہے تھے، اسی طرح پورے لان پر گہری دبیز سبز رنگ کی امریکن گراس لگائی گئی تھی اور اس پر گراس مشین چلا کر کافی ہموار کیا گیا تھا باقی سائیڈز پر گول دائروں کی صورت میں خوبصورت طرز اور رنگوں سے مزین پودوں کی کیاریاں بنائی گئیں تھیں ایک کیاری میں سرخ جربرا (Gerbera) تو دوسری کیاری میں گلابی ایسٹلب (Astilbe) اگائے گئے تھے اسی طرح سے چنبیلی موتیا اور رات کی رانی کی علیحدہ سے باڑ بنائیں گئی تھیں لان کے وسط میں چھوٹا سا تالاب تھا جو ہلکی آسمانی رنگ کی ٹائلز سے بنایا گیا تھا تالاب میں سفید اور گلابی رنگ کے کنول اپنے بڑے بڑے پتوں کے ساتھ تیرتے پھر رہے تھے اس میں ایک راج ہنس کا جوڑا بھی موجود تھا جو اپنے سفید موم جیسے پروں کے ساتھ نخوت سے گردن اٹھاتے تیر رہا تھا تالاب کے وسط میں ایک فوارہ موجود تھا جو کسی بھی دیکھنے والے کو ایک پل ٹھہر کے دیکھنے پر مجبور کر دیتا تھا یہ ایک سفید سنگ مرمر سے تراشے گئے کھلے ہوئے پھول کی پتیوں کی طرز کا فوارہ تھا جس کی گول ستون کی سفید ٹہنی تھی اور اوپر مڑی ہوئی بڑی پانچ پتیوں پر مشتمل کھلا ہوا پھول تھا جس کے وسط میں تین جل پریاں ایک دوسرے سے کمر جوڑے خاص ادا سے اپنی مچھلی کی شکل والے دھڑ کے ساتھ بیٹھیں ہوئی تھیں ان کی مخروطی انگلیوں میں بڑی بڑی سیپیاں موجود تھیں جو انہوں نے قدرے نیچے کی جانب جھکا کر پکڑی ہوئی تھیں انہیں سیپیوں سے پانی کی دھار گر رہی تھی اور پھر وہی دھار مڑی ہوئی پتیوں سے ڈھلک کر ہلکی آبشار کی صورت میں تالاب میں گر رہی تھیں۔

''واؤ بیوٹی فل!'' ذائریہ کے منہ سے بے اختیار نکلا اتنا خوبصورت فوارہ دیکھ کر واقعی کچھ دیر کو خود پر چھائی بیزار کیفیت کو یکسر فراموش کر چکی تھی۔

''ڈاکٹرنی جی آئے جی میں آپ کو مور کا گھر دکھاؤں بڑے خوبصورت دو جوڑے ہیں جی وہاں پر۔'' شانی نے ذائریہ کو متوجہ کرتے ہوئے کہا اور اپنے دائیں جانب بنی کونے والی دیوار کی جانب بڑھی جس کے ساتھ ایک بڑا سا لوہے کی جالی کا کمرہ نما پنجرہ بنایا گیا تھا پورے پنجرے پر سفید رنگ کا پینٹ کیا گیا تھا بڑے سے پنجرے کے اندر سفید رنگ اور سبز نیلے رنگ کا خوبصورت موروں کا جوڑا موجود تھا پنجرے کے اندر ایک سوکھا تنا بھی ٹیڑھا سا کر کے رکھا گیا تھا جس پر ایک مور اپنی بڑی خوبصورت سبز گولڈن دم کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

''ارے واقعی یہ تو بہت خوبصورت ہیں۔'' ذائریہ نے ان کی جانب ستائش بھری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''آہ، ہاں بی بی ہمارے چوہدری سکندر نے خاص طور پر لاہور سے کسی دوست سے کہہ کر منگوائے تھے یہ جی اتنی دور سے لے کر آئے تھے جی اور بڑا خیال کرتے ہیں جی ان کا چھوٹے چوہدری ہر خوبصورت چیز کو اپنی قید اور ملکیت میں رکھنا چاہتے ہیں چوہدریوں کی بس یہی سوچ ہوتی مجھے بھی اپنی قید میں رکھنا چاہ رہے تھے انکار

کرنے پر زبردستی کرنے لگے وہ تو جی بھلا ہو آپ کا جو آپ آ گئی۔'' شاہینہ نے بے بسی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا اور ذائرہ یہ کو کچھ پل پہلے گھبرائی روئی شاہینہ کی صورت یاد آ گئی۔

''ہاں مگر تم تو خود کمرے سے بھاگ نکلی تھی میں ابھی بس دروازہ کھولنے ہی والی تھی۔'' ذائرہ یہ نے اس واقعہ کو سوچتے ہوئے کہا۔

''ہاں جی وہی وہ میرے پیچھے ہی آنے والے تھے دیکھائیں کیسے میرا دوپٹہ کیسے میری عزت......'' اس سے آگے شاہینہ سے بولا ہی نہ گیا اور وہ رو پڑی بے چاری کب سے اس خوفناک واقعہ کو دل میں دبائے بیٹھی تھی۔

''اوہ پلیز روؤ مت میں خود انکل چوہدری سے بات کرتی ہوں تم انہیں سب کچھ بتا دینا انکل خود ہی اس کا دماغ ٹھکانے لگا لیں گے اس کے بعد وہ تم پر بری نظر ڈالنے کی جرأت نہیں کرے گا۔'' ذائرہ یہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے اور چپ کرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''ناں جی ناں آپ کو قسم ہے جی آپ کسی کو اس بات کی خبر نہیں کریں گی وڈے چوہدری تو جی میرے ساتھ میرے ماں باپ کے بھی ٹکڑے کر ڈالیں گے۔'' شاہینہ نے بدکتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''نہیں شانی وہ ایسے نہیں ہیں۔'' ذائرہ یہ نے تسلی دینی چاہی۔

''بالکل جی وہ ایسے نہیں ہیں پر جہاں بات ان کے لاڈلے اکلوتے بگڑے بیٹے کی آئے گی وہاں وہ مجھ معمولی تانگے والے کی بیٹی اور اپنی معمولی ملازمہ کی بات پر یقین کہاں کریں گے چوہدری سکندر تو سرے سے مکر جانا ہے ہم غریبوں کے پاس ایک عزت ہی ہوتی ہے اس ساری بات میں میری عزت رل جائے گی بدنام ہو جاؤں گی جی میں آپ کو رب کا واسطہ آپ اس بات کا ذکر کسی سے بھی نہیں کرو گی میں اسی لئے بہانے سے آپ کو یہاں لے کر آئی ہوں مجھے ڈر تھا جی کہ کہیں آپ چوہدرانی جی یا چوہدری صاحب سے بات نہ کر دو آپ شہری ہو جی یہاں کے ماحول یہاں کے لوگوں کے بارے میں آپ کو کچھ پتہ نہیں جی رب کا واسطہ ہے آپ کسی سے بھی کچھ نہیں کہیں گی۔'' شاہینہ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے منت بھرے لہجے میں ذائرہ یہ سے کہا۔

''تو پھر تم کیا کرو گی تمہاری خاموشی اس کمینے انسان کا حوصلہ بڑھا دے گی ضروری تو نہیں ہر بار تم بچ نکلو اور......''

''میں جی بہانہ کر کے اپنے گھر چلی جاؤں گی اب اس بات کے بعد میں اس حویلی میں تھوڑی رہوں گی ایسی کمینی حرکت تو وہ یہاں کر سکتا ہے ناں میرے گھر آ کر تو نہیں بس جی میں آج شام تک اپنے گھر چلی جاؤں گی آپ بس خاموش رہیے گا وہ بڑی ضدی، غصیلہ اور عیاش پسند انسان ہے جی اگر ضد میں آ گیا تو میرا جینا حرام کر دے گا۔''

''او کے ٹھیک ہے اگر میرے خاموش رہنے سے تم بچ سکتی ہو تو میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔'' ذائرہ یہ نے گھبرائی سی شانی کو دلاسہ دیا۔

''وعدہ جی پکا وعدہ جی۔'' شانی نے کہا۔

''پکا وعدہ بھئی اب چلے اندر میں بھی اب واپس جانا چاہتی ہوں کس یہ وڈیرے، زمین دار خود کو برتر اور باقیوں کو کمتر سمجھنے والے لوگوں سے مجھے ویسے بھی وحشت ہوتی ہے میں جلد از جلد یہاں سے فارغ ہو کر جانا چاہتی ہوں۔'' اتنا کہہ کر ذائرہ یہ نے واپسی کی جانب قدم بڑھائے اتنے میں خوبصورت ماحول میں آ کر جو اس نے ذہنی سکون نصیب ہوا تھا وہ شانی کی باتوں سے رخصت ہو چکا تھا۔

''ہونہہ اتنی آرٹسٹک سوچ رکھنے والا شخص اتنی بیمار اور گندی سوچ بھی رکھ سکتا ہے افسوس صد افسوس۔'' ذائرہ یہ نے ڈریم گارڈن پر ایک نظر ڈالتے ہوئے سوچا اور اندر کی جانب بڑھ گئی۔

ڈائننگ ہال میں پر لطف کھانے کو جلدی جلدی کھاتے اور بظاہر چوہدری چوہدرانی کی باتوں پر ہوں ہاں میں جواب دیتے اس نے کھانے کو نبٹانا چاہا ڈائننگ ہال کی خوبصورت پر تعیش سجاوٹ پر غور کرنے کی بجائے اسے اب واپس دیہی مرکز صحت جانے کی جلدی تھی اور کھانا ختم ہوتے ہی اس نے جانے کی جلدی مچا دی چوہدری نے اسے اپنا سیل نمبر دیا تا کہ بوقت ضرورت ذائرہ یہ ان سے رابطہ کر سکے ذائرہ یہ جلدی سے اپنے سیل پر وہ نمبر نوٹ کیا اور باہر گاڑی کی جانب بڑھی چوہدرانی اور چوہدری اسے باہر تک چھوڑنے آئے آنٹی زلیخا نے اسے خوبصورت دو سوٹ دیئے جو بعد اصرار اسے قبول کرنے پڑے اور ان کی محبت کو محسوس کرتے اور سکندر کے بارے میں اپنے دل میں مزید نفرت محسوس کرتے وہ گاڑی میں بیٹھی اس حویلی میں دوبارہ کبھی نہ آنے کا قصد کیے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حویلی سے رخصت ہو گئی۔

☆☆☆

شام کو اس کی ڈاکٹر ابراہیم سے بات ہوئی جس میں اس نے چوہدری رب نواز اور حویلی جانے کے بارے میں بتایا ڈاکٹر ابراہیم نے تسلی دی اور اس بات کی تصدیق کی کہ چوہدری رب نواز شہروز کے بہت اچھے دوستوں میں سے ایک ہیں اور انہوں نے ذائرہ یہ کی خاص طور پر پوسٹ اس گاؤں میں کروائی بھی چوہدری رب نواز کی سے تھی وہ وہاں پر ہر طرح سے محفوظ ہے انہیں اطمینان تھا، چوہدری رب نواز کے بارے میں اسے قبل از وقت آگاہ نہ کرنے کوئی خاص وجہ نہ تھی ایک تو اسے جلد از جلد ان کے گھر سے جانا پڑا دوسرا وہ چاہتے تھے کہ چوہدری صاحب سے اس کا خود تعارف ہو ذائرہ یہ کو ان کے اطمینان پر اطمینان ہوا تھا ساتھ ہی انہوں نے بتایا کہ مسز ابراہیم نے کسی رشتے کرانے والی خاتون سے رابطہ کیا ہے ذائرہ یہ کے سلسلے میں اور اس خاتون نے کسی ڈاکٹر کے رشتے کے بارے میں اطلاع فراہم کی ہے شاید چند ایک روز میں یہ لوگ یا وہ لوگ ایک دوسرے سے ملیں گے ذائرہ یہ اس سلسلے میں کیا کہہ سکتی تھی وہ جس کشتی میں سوار تھی اس کا ملاح اب کوئی نہیں تھا ہواؤں کے رخ ہی اسے ساحل تک لے جا سکتے تھے اور اسے کسی نہ کسی ساحل تک تو پہنچنا ہی تھا اور پھر وہ ڈاکٹر ابراہیم کے توسط سے ہو یہی اس کے لئے بہتر ہے آخر میں ڈاکٹر ابراہیم نے اسے ڈھیر ساری تسلی تشفی دی تھی وہ مطمئن تھے کہ چوہدری رب نواز واپس گاؤں آ چکے ہیں اور ان کا اطمینان ذائرہ یہ کو بھی قدرے پرسکون کر گیا تھا اسی اطمینان میں وہ سکندر اور شانی کے واقعہ کا ذکر ڈاکٹر ابراہیم سے کرنا بھول گئی وہ تو جب سیل آف کیا تو اسے یاد آیا لیکن دوبارہ فون کر کے یہ بات خاص طور پہ بتانا اسے اہم اور مناسب نہ لگی ویسے بھی وہ شانی سے وعدہ کر چکی تھی۔

فضلو اور پینو وہیں پر موجود تھے وہ اس کے حویلی سے ہو کر آنے پر خاصے خوش اور پرجوش دکھائی دیتے تھے اپنے وڈے چوہدری اور چوہدرانی جی کا ذکر بڑی عقیدت اور احترام سے کرتے رہے جنہوں نے کبھی ملازموں کو ملازم نہیں سمجھا اور پھر باتوں کے دوران فضلو نے بتایا کہ وڈے چوہدری یعنی رب نواز انکل دو

جانے سے پہلے فضلو کو ذائرہ کی آمد کے بارے میں بتا کر اور اس کو خاص خیال رکھنے کی ہدایت دے کر گئے تھے گویا وہ ذائرہ کی آمد سے واقف تھے کچھ دیر برآمدے میں ان کی باتیں سن کر آخر کار تھکن کا باعث ذائرہ آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے کی جانب چلی آئی ویسے بھی شام ڈھلنے لگی تھی اور لائٹ کا بھی کوئی اعتبار نہیں تھا۔

جونہی وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی نہ جانے کیوں اسے اپنا گھر خاص طور پر اپنا بیڈروم یاد آ گیا کتنے شوق سے سجا رکھا تھا اس نے اپنے انٹریئر ڈیکوریٹر صلاحیت اور شوق کا استعمال وہ اپنے گھر اور خاص طور پر اپنے کمرے پر وقتاً فوقتاً پورا کرتی رہتی تھی کچھ دنوں پیشتر ہی اس نے اپنے کمرے کی تمام کلر اسکیم چینج کی تھی گولڈن، کاسنی اور آف وائٹ رنگوں کے امتزاج سے سجایا تھا، اس نے کمرہ کاسنی پھولوں والا دبیز قالین، کاسنی رنگ کے پردے جن کے باڈر گولڈن تھے آف وائٹ رنگ کا فرنیچر جن کے باڈرز پر ہلکا گولڈن رنگ کیا گیا تھا، بلیک کلر کا ایل سی ڈی مانیٹر والا کمپیوٹر، ایک طرف بڑا میوزک سسٹم اور بک ریک ایک سائیڈ پر چائنا صوفہ جن پر قالین کے پھولوں سے ہم رنگ کا خوبصورت ریشمی کور چڑھایا گیا تھا اور دو بڑے بڑے فلور کشن بڑی سی گلاس ونڈو جس کے باہر تھوڑی سی جگہ بڑھا کر گملے رکھنے کی جگہ بنائی گئی تھی اوز جس میں اس کے بابا نے خاص طور پر پیلا، سرخ اور گلابی رنگ کے جربرا کے گملے رکھے ہوئے تھے بابا کو باغبانی کا بے حد شوق بلکہ جنون تھا بقول ان کے ان کے اندر کا کسان انہیں باغبانی پر اکسائے رکھتا تھا آخر ان کی رگوں میں ایک کسان ایک زمین دار کا خون دوڑ رہا تھا اور یہ خون انہیں ایک چھوٹے سے لان پرنٹ نئے پودے لگانے اور ان کی دیکھ بھال کرنے پر اکسائے رہتا تھا بقول ان کے کسان کی اصل محبوبہ اس کی زمین ہوتی ہے اور وہ اسے کہیں بھی چلا جائے فراموش نہیں کر سکتا۔

ذائرہ کو بارش میں اپنی کھڑکی میں بھیگ جربراز کو دیکھنے کا بڑا لطف آتا تھا اسی طرح میوزک سننا اسے بے حد پسند تھا میڈیکل کی ٹف روٹین والی پڑھائی سے جب وہ تھک جاتی میوزک سسٹم پر دھیمے سروں میں میلوڈیز گانے سن اسے ہمیشہ فریش کر دیتا تھا اسی طرح جب کوئی ٹف ٹیسٹ یا امتحان دے کر فارغ ہوتی ایک آدھ دن گھر کی سجاوٹ میں تبدیلی، اچھا ناول پڑھنے اور اچھا میوزک سننے میں گزارتی اور اس طرح اس کی ساری تھکاوٹ، اکتاہٹ اڑن چھو ہو جاتی پڑھائی میں وہ ہمیشہ سے بہترین تھی ثمینہ بیگم کو بھی اسے پڑھائی کے لئے اور بہترین مارکس کے لئے ٹوکنا نہ پڑا ویسے بھی اپنے نانا جی کی وجہ سے اچھے سر کے گانے سننے اسے موروثی طور پر ملا تھا ثمینہ بیگم کبھی کبھی حیران ہوتیں کہ انہوں نے تو کبھی موسیقی، اچھے سریلے گانے وغیرہ پر دھیان نہ د، مگر ذائرہ کی سننے کی حس بہت اعلیٰ تھی وہ جب بھی ٹینس ہوتی گٹار اور بانسری سے مزین دھنیں سی ڈی پلیئر پر سنا کرتی اور آج اسے اپنا گھر ب طرح یاد آ گیا تھا کبھی کبھی نہ جانے اسے ایسا کیوں لگتا کہ یوں چھپ کر گھر سے نکل کر اس نے اپنا گھر، اپنی بہترین یادیں سب ان ظالموں کے سپرد کر دی نہ جانے کیا حشر کیا ہو گا انہوں اس بے زبان گھر کا جو شہروز کی فیملی کی جنت تھا انسے بے طرح مس کرنے لگتی جیسا کہ اب بھی رہی تھی اور ایک یہ کمرہ تھا لمبائی کے رخ کا چھوٹا سا کمرہ اکھڑا ہوا پلستر زدہ فرش چھوٹی سیدھی سلاخوں والی کھڑکی کے قریب اس کی نما سی چارپائی جس کے تکیے والی سائیڈ پر ایک کر پر اس کی چند کتابیں اور بیگ پر کپڑے رکھے ہوئے تھے دائیں جانب دیوار کے ساتھ لوہے کی عام سی میز جس پر چند برتن رکھے ہوئے تھے اور سامنے دیوار میں نصب چھوٹی سی دو طاقوں کی الماری اسے ایک دم اپنے کمرے میں موجود تین پاٹوں والی بڑی سی الماری یاد آ گئی۔

ماضی اور حال کتنا فرق تھا ایک خوشحال اور شہری سہولتوں سے مزین زندگی بسر کرنے والی ذائرہ آج دربدر بے سکون اور بہترین سہولتوں سے ناپید زندگی گزارنے پر مجبور تھی محض چند ایکڑ زمین کی وجہ سے لیکن یہ تو اس کے لئے محض چند ایکڑ زمین تھی ان خونی رشتے داروں کے لئے جن پر خون سوار تھا شاید یہی زمین کے ٹکڑے سب کچھ تھے انسان اور انسانی زندگی سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا اس کی رگوں میں خون ایک بار پھر بے چین ہونے لگا تھا کاش وہ ایک بار اپنے ماں باپ کی موت کا بدلہ ان سے لے سکتی ایس ایچ او نواز بابا کا بہت اچھا دوست تھا وہ سب کچھ انہیں بتا کر قانون کی مدد لے سکتی تھی اور وہ یقیناً اس کی بھرپور مدد کرتا مگر ان سب سے بڑھ کر اسے اپنی عزت اس درندے سے بچانی تھی وہ بہادر بن سکتی تھی اور اب بھی تو وہ نامساعد حالات کا سامنا بہادری سے ہی کر رہی تھی مگر احسن عالم کی آنکھوں میں اپنے لئے پسندیدگی سے زیادہ ہوس اور غلاضت کو اس کے اندر کی عورت باخوبی پہچان چکی تھی اسے اپنی عزت اپنی جان سے بھی عزیز تھی اور اگر وہ تمام عمر احسن کی پہنچ سے خود کو محفوظ کر لیتی اور اس کی ناپاک ارادوں اور خیالات کو تڑپتا چھوڑ دیتی تو یہ بھی تو ایک طرح سے بدلا ہی تھا حالات نے اسے بہت اچھی طرح سے سمجھا دیا تھا کہ زندگی جوش اور جذباتی پن سے نہیں بلکہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھانے سے ہی سہل کی جا سکتی ہے۔

''آہ، ڈریم گارڈن میں موجود جربراز کی کیاری نے مجھے اپنا گھر یاد دلا دیا تھا تو واقعی ڈریم گارڈن لیکن اسے بنانے میں جس کی سوچ پیچھے کارفرما تھی وہ کسی نائٹ میئر (ڈراؤنے خواب) سے کم نہیں کیا **Combination** ہے ڈریم گارڈن اور **Nightmare** کا۔''

چارپائی پر لیٹتے ہوئے اور اپنی سوچوں کو جھٹکتے ہوئے ذائرہ نے زیر لب کہا اور سونے کی کوشش کرنے لگی آنکھیں بند کیے کبھی اسے تین جل پریاں سیپیوں سے پانی گراتیں نظر آتیں، کبھی آنٹی زلیخا اور انکل رب نواز کی باتیں یاد آنے لگتی کبھی کڑے تیوروں کے ساتھ کھڑا اسکندر ہاتھ میں دوپٹہ لئے نظر آتا اور کبھی سہمی ڈری شانی الجھی لٹوں اور کبھی مور کے پنجرے کے پاس منت کرتی ہاتھ جوڑتی شانی نظر آتی نہ جانے آج کی رات وہ وہاں پر خود کو کیسے محفوظ رکھے گی۔

اس کے حبس زدہ کمرے میں گھر گھر کی آواز دیتا چھت کا پنکھا جو آواز زیادہ اور ہوا کم دیتا تھا کے ساتھ ذائرہ کو اپنی الجھی سوچوں، بے ربط یادوں کے ساتھ سونا دشوار لگ رہا تھا لیکن کروٹ بدل کر اور ہر قسم کی سوچوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش میں وہ خود کو پھر سے آنکھیں میچیں سونے پر آمادہ کرنے لگی آخر کار نیند کی مہربان دیوی کو اس پر رحم آ گیا اور اس کا ہاتھ تھامے وہ اسے نیند کی نیلگوں وادی کی سیر کرانے لے ہی گئی۔

☆☆☆

''پینو باجی نہیں آئی ابھی تک؟'' ذائرہ نے تھکن کے باعث کرسی پر اپنی گردن ٹکاتے پاس ایک بوڑھے مریض کو دوائی دیتے فضلو سے یونہی پوچھا صبح سے آج مریضوں کا کافی ہجوم رہا تھا

بلکہ ایک بالکل ساتھ والے گاؤں سے ایک دو مریض آئے تھے بے چاری عورت کے پیٹ میں کافی درد تھا مگر وہ باتونی بھی بہت تھی باتوں کے دوران ذائریہ سے اس کا نام پوچھ لیا اور نام بتانے پر بے ساختہ بولی۔

''ہائے دھیاں تیرا ناں بڑا اوکھا ہے کوئی سوکھا سا نام بتا۔'' ذائریہ کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی تھی اور پھر معصوم لہجے سے اس کے والد کا نام دریافت کیا تو معلوم ہونے پر پھر منہ بنانے لگی۔

''یہ بھی اتنا سوکھا نہیں۔'' عورت کے چہرے پر سادگی اس طرح سے پھیلی ہوئی تھی کہ ذائریہ بے ساختہ اس کے سوالوں کا جواب دیتی چلی گئی۔

''وہ جی چاچا رحمیاں کی سوانی (بیوی) نے بلایا ہے جب دو سوانیاں ایک جگہ اکٹھی ہو تو گھنٹے دو تو اپنے مردوں کی برائیوں میں لگاتی ہیں اگلے دو گھنٹے اردگرد کی عورتوں کی چغلیوں میں پھر کہیں جا کر پانچ منٹ کی اصل بات کرنی ہوتی ہے۔'' فضلو کی جانب سے حسب معمول تفصیلاً جواب موصول ہوا تھا، ذائریہ اپنے خیال سے نکل کر فضلو کی بات پر محض مسکرا کر رہ گئی۔

چوہدری رب نواز کا بھی فون دس بجے ذائریہ کو آیا تھا خیر خیریت کے ساتھ ساتھ کسی چیز کی طلب کے بارے میں دریافت کر رہے تھے بلکہ کہہ رہے تھے کہ ایک چھوٹا جنریٹر مگر ذائریہ نے سختی سے منع کر دیا تھا وہ کسی کی نوازشوں اور عنایتوں کا بار اٹھا کر خود کو زیر بار نہیں کرنا چاہتی تھی ذائریہ کے اصرار پر مجبوراً چوہدری رب نواز کو ہتھیار ڈالنے پڑے تھے صبح ناشتہ بھی آنٹی زلیخا نے بھجوایا تھا اور انہوں نے کہہ دیا تھا کہ تین وقت کا کھانا حویلی سے ہی آئے گا ذائریہ آنٹی زلیخا کی محبت کے آگے کھل کر اور سختی سے انہیں منع نہ کر پائی تھی لیکن اس کا ارادہ تھا کہ ایک دو روز بعد سلسلے کو کسی نہ کسی طرح سے ختم کروا دے گی۔

''ہائے توبہ بڑی گرمی ہے اوے فضلو پانی پلا۔'' پینو اپنی اوڑھنی کے پلو سے جھل مارتی کمرے میں داخل ہوئی اور بینچ پر ٹکتے ہوئے ساتھ والے کمرے میں موجود فضلو کو بلند آواز میں پکارا۔

''لیس سرکار! حکم کرنا تھا کوئی شاہی سواری بھجوا دیتا جو ملکہ صاحبہ کو لے کر آ جاتی، شرم تو نہیں آتی یوں مجھے آواز دے کر پانی پلانے کا کہہ رہی ہے۔'' فضلو نے پانی کا گلاس پینو کی طرف بڑھاتے ہوئے پہلے نرم لہجے میں اور بعد میں لتاڑتے ہوئے کہا ذائریہ کو اس کے انداز اور پینو کے تاثرات پر ہنسی آ گئی دونوں نمونے ہی تھے۔

''ناں کیوں شرم آئے تجھے شرم آتی ہے جب تو پانی مانگتا ہے؟''

''اوہ میں...... میں تو......''

''ناں کیا تو؟''

''اوہ میں تو تیرا مجاجی خدا ہوں بھول کیو جاتی ہے۔'' فضلو کے مسکینت سے ادا کیے گئے جملے پہ ذائریہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''مسکھرا (مسخرا)۔'' پینو نے ڈھیر سے کہا۔

''ڈاکٹرنی صاحبہ کو ہنسانا تھا سو وہ ہو گیا پر بو مجھے بتا ناں اتنی دیر لگا کر کیوں آئی ہے ڈاکٹر صاحبہ بھی تیرا پوچھ رہی تھی۔''

''اڑیا بس! شام کو شانی دھی کی ساتھ وا... پینڈ کے کرموں جولاہے کے منڈے کے ساتھ منگنی کی رسم ہے شام کو وہ لوگ آ رہے ہیں شانی کی ماں کے ساتھ تیاریوں میں مدد کروا کر آ ہوں بے چاری اچانک یوں منگنی ہونے پر گھبرا پڑی تھی اور شانی وہ چارپائی پر چادر تانے سو

میں ہی اس کے ساتھ صفائی ستھرائی کروا لی ہوں کھانے کا بتا آئی تھی اب جاؤں گی پر بعد۔'' پینو نے تفصیل سے آگاہی دی اور یہ کے بھی کان کھڑے ہوئے۔

''یوں اچانک کل تک تو شانی حویلی میں ہی مجھے اس نے تو کوئی ذکر نہیں کیا منگنی وغیرہ ذائریہ نے اچنبھے سے پوچھا۔

''وہ جی وڈے چوہدری نے رشتے کروایا شام کو چاچا رحمیاں کو حویلی بلا کر بتایا اور شانی ساتھ بھجوا دیا شانی کی ماں بتا رہی تھی کہ وڈے دری کہہ رہے تھے کہ دھی رانی بڑی ہو گئی ہے نظر میں ہے بلاوجہ کی دیر کیوں کرنی بس کل م منگنی کی رسم اور دو تین دن بعد ویاہ سارا خرچا نے ہی اٹھانا ہے آج بھی دیگیں مہمانوں لئے حویلی سے پک کر آئے گیں شانی چھوٹی سے حویلی میں ہے بڑی خدمت کی ہے جی نے اور چوہدری صاحب اپنے ملازموں کا بڑا کرتے ہیں ویاہ شادی جہیز کھانے وغیرہ کا واپنے سر لے لیا ہے۔'' پینو نے کہا اور ذائریہ بجھ میں پس پردہ اصل بات سمجھ آ گئی یقیناً شانی سکندر کی پہنچ سے محفوظ رکھنے کے لئے انکل نے ارا انتظام کیا ہوگا نہ جانے جلدی میں کس مخص کے پلے باندھی جا رہی ہے تقریباً ے جیسے حالات سے دوچار ہے بے چاری ریب مزارع مالک کے حکم کے آگے کچھ نہیں پاتے اور حویلی کی پرانی ملازمہ کی پاداش میں ں یوں بیٹی کو کسی نکھٹو سے بیاہنے کو تیار ہو ہیں یہ سکندر اور احسن جیسے لوگ آخر معصوم ں کا جینا کیوں حرام کیے رکھتے ہیں۔'' ذائریہ افسردہ دل کے ساتھ سوچا اور سکندر پھر اسے بار پھر غصہ آنے لگا اسی کی وجہ سے یوں شانی زندگی کا فیصلہ کر دیا گیا تھا۔

''بے چاری شانی۔''

دو عورتیں ایک تین سالہ بچے کو اٹھائے کمرے میں داخل ہوئیں اور اسٹول پر بیٹھ کر ایک نوجوان عورت نے اپنے بیٹے کو ذائریہ سے چیک اپ کروانے کے لئے آگے کیا۔

''ہاں جی کیا پرابلم میرا مطلب کیا مسئلہ ہے اسے؟'' ذائریہ بچے کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔

''پتہ نہیں جی کیا مسئلہ ہے۔'' عورت گویا ہوئی، ذائریہ آہ بھر کر رہ گئی۔

''کیا بیماری ہے اسے؟'' ذائریہ نے دوسرے انداز میں اپنا سوال دہرایا۔

''پتہ نہیں جی نکمی شوہر کی مار کھاؤ، ساس کی گالی گلوچ سنوں سارا دن جانوروں کی طرح گھر بار کا کام کروں دوسرے بالوں کو سنبھالو اور پھر اس کی ریل ریل سن کر اسے بھی سنبھالو۔'' عورت نے نہایت بیزاری سے جواب دیا اور ذائریہ اس کے انداز پر بس حیران سی ہو کر رہ گئی۔

''افوہ نذیراں تو پھر شروع ہو گئی ڈاکٹرنی صاحبہ جو پوچھ رہی ہیں اس کا جواب دے۔'' ساتھ آئی عورت نے گھورتے ہوئے کہا۔

''چاچی مجھے نہیں پتہ اسے کیا سیاپا ہے بس ہر وقت روتا رہتا ہے تعویذ گنڈا دم درود سب کیا ہے پر ڈھیٹ کو اثر ہی نہیں۔'' اب کی بار بھی اکتائے ہوئے انداز میں جواب موصول ہوا۔

''بیٹا پیٹ میں درد ہوتی ہے؟'' میلے ادھورے لباس میں موجود بچے سے ذائریہ نے پوچھا اور ساتھ ہی اس کے پیٹ پر ہاتھ رکھا بچے نے اثبات میں سر ہلا دیا، کچھ دیر مزید چیک اپ کے بعد پرچی پر دوائی لکھ کر ذائریہ نے فضلو کے حوالے کر دی۔

''کتنے بچے ہیں تمہارے؟''

"ساتواں نمبر ہے جی اس کا تین پیدا ہونے سے پہلے ہی مر گئے مرن جوگے نے مارا تھا اور دھکا دیا نشے میں تھا جی۔" عورت کی دکھ بھری اور بیزار داستان پھر شروع ہوئی تھی۔

"اچھا تم اسے پانی ابال کر پلایا کرو اور صفائی کا بھی خاص خیال رکھو اور سنو اگر اتنے ہی برے حالات ہیں تو بچے کیوں پیدا کیے جا رہی ہو محض ان میں اپنے حالات کی مجبوری اور بیزاری بھرنے کے لئے۔" ذائریہ نے ٹوکتے اور قدرے سخت لہجے میں اس عورت سے کہا۔

"ہاں تو میں اور کیا کر سکی ہوں جی اور ویسے بھی یہ اپنا رزق خود لے کر آتے ہیں۔" عورت نے اپنی جاہلانہ سوچ کا فلسفہ بگھارنا چاہا پر فضلو نے آ کر اسے پڑیوں کے بارے میں ہدایت کی اور دوسرے مریض کو اندر آنے کے لئے کہا اور وہ دونوں عورتیں سلام کرتی باہر چلی گئیں اس کے بعد ایک کے بعد ایک مریض آتے گئے جن کے ملتے انہی کی طرح عجیب و غریب سے تھے چھوٹی سی بیماری بتانے سے پہلے لمبی ساری تمہید میں ہی کافی وقت لے جاتے تھے اور پھر بھی ان کی تشفی نہیں ہوتی تھی اور جاتے جاتے اس بات کی بھی تصدیق کرنا بھی نہیں بھولتے تھے کہ ذائریہ یہی پر ہے یا بس واپس چلی جائے گی وغیرہ وغیرہ۔

پنو، ذائریہ کی اجازت سے چچا رحمیاں کے گھر چلی گئی تھی اس نے آج رات وہی رہنا تھا وہ کچھ تامل کا شکار تو تھی پر ذائریہ نے خود ہی اجازت دے دی تھی یہ کہہ کر کہ فضلو یہی پر موجود ہے ذائریہ کو کوئی پریشانی نہیں ہو گی وہ آرام سے منگنی کی تقریب میں شامل ہو اور صبح آرام سے آ جائے پنو نے تو اسے بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی، مگر ذائریہ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا اور فضلو بھی ذائریہ کی وجہ سے رک گیا تھا فضلو کو شام سے ہی برآمدے وغیرہ کی لائٹس آن کرنے اور بیرونی گیٹ کو تالا لگانے کی ہدایت دے کر ذائریہ اپنے کمرے میں چلی آئی تھی اپنے کمرے کی کنڈی لگانا وہ نہیں بھولی تھی ویسے بھی فضلو نے تسلی دی تھی کہ آج رات وہ برآمدہ میں ہی سوئے گا فکر کی کوئی بات نہیں اور اتنے دنوں سے ذائریہ اس خاموش عمارت میں رہ رہی تھی مانوس ہو گئی تھی ابھی کچھ دیر لائٹ جلائے وہ میڈیکل کی ایک کتاب پڑھ کر خود کو آتی جاتی سوچوں سے بچانے کی کوشش میں مصروف ہو گئی جس میں کافی حد تک کامیاب بھی رہی اور نہ جانے کس پل اس کی آنکھ لگ گئی۔

☆☆☆

"ٹھاہ! ٹھاہ!"

عجیب سے شور سے اس کے حواس بیدار ہوئے تھے گہری رات کے سناٹے میں درختوں پر بیٹھے پرندوں نے اڑ کر درختوں کے گرد چکر لگا کر عجیب سا شور برپا کر ڈالا تھا ساتھ ہی ذائریہ کے دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی ذائریہ متوحش سی ہو کر چارپائی سے اٹھی اس کی چھٹی حس کسی خطرہ کا احساس دلا رہی تھی اسے۔

"ڈاکٹرنی جی! ذائریہ بی بی جی دروازہ کھولے جی میں فضلو ہوں۔" فضلو کے لہجے اور دستک کے انداز پر ذائریہ پریشان اور گھبرائی ہوئی دروازے کی جانب بڑھی۔

"آہ! دروازہ کھولے جی جلدی۔" فضلو کی آواز میں کراہ بھی شامل ہوئی تھی اور ذائریہ نے جلدی سے کنڈی گرا کر دروازہ کھولا اور برآمدے کی پیلی ملگجی روشنی میں فضلو کے بائیں بازو سے واضح خون نکلتا دیکھ کر ذائریہ تو گھبرا ہی اٹھی تھی۔

"یہ...... یہ کیا؟ کیا ہوا ہے؟"

"گولی لگی ہے جی! پر اس کو چھوڑ، میں نے آپ کو اس لئے جگایا ہے کہ میرا پنو ساتھ لے گئی ہے وڈے چوہدری کا نمبر کے پاس ہے ناں جی ان کو جلدی سے فون کریں اور انہیں کے بندے بھجوا دیں اور جلدی آپ فکر نہ کریں جی میں کھڑا ہوا یہاں پر ی جان سے گزر کر ہی وہ اس دروازے تک گے بس جی آپ جلدی سے فون کر دیں وازے کو اندر سے کنڈی لگا لیں جلدی ے جی۔" فضلو نے تیز تیز بولتے اور ادھر یکھتے ذائریہ سے کہا۔

"مگر تمہیں تو گولی لگی ہے اور...... اور کیا ہوا ہے؟ گولی کیسے لگی؟" ذائریہ نے گھبرائے ربط انداز میں پوچھا۔

"زندگی رہی تو بتا دوں گا بس وڈے ی کو فون کرئے جلدی اور دروازہ بند کر فضلو نے خود طاق بند کرتے ہوئے تیزی ذائریہ نے کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ ے کو کنڈی لگائی اور گھبرائی ہوئی سی تکیے سے سیل فون نکال کر انکل رب نواز کا کر فون کرنے لگی اس کا حلق بالکل خشک تا بیل جا رہی تھی مگر رات ڈیڑھ دو بجے ہوئے ہو گے نہ جانے کوئی فون اٹھاتا بھی مسلسل جاتی بیل کی آواز ذائریہ کے عجیب بوجھ بن کر سنائی دے رہی تھی اور مراسوں میں عجیب سا تناؤ آتا جا رہا تھا۔

لو!" بھاری گمبھیر سوئی اور سماعت سے

ے...... ہیلو انکل میں ذائریہ!" ذائریہ لکتے خود کو بولنے پر اکساتے ہوئے

ائریہ! آپ اس وقت؟ فون بند کریں وں۔" ساتھ ہی رابطہ منقطع ہو گیا تھا

ذائریہ نے آواز کو پہچان لیا تھا یہ سکندر کی آواز تھی مگر نمبر تو انکل کا تھا ذائریہ نے میز اور کرسی کو دروازے کے ساتھ لگا کر خود کمرے کے ایک کونے میں دبک کر بیٹھ گئی اسے لگ رہا تھا کہ کوئی خوفناک احساس اس عمارت میں سے چاروں طرف سے دھیرے دھیرے اس کو گھیرنے کے لئے اس کے قریب کھسکتا آ رہا ہے چور یا پھر احسن تو بو سونگھتا یہاں تک نہیں پہنچ گیا اس خیال نے اس کے رہے سہے حواس بھی اچک لئے تھے اپنی بے بسی اور خوف پر اسے بے تحاشہ رونا آنے لگا تھا اور ایک انجان اور شہر سے دور ایک عمارت میں پھنس کر رہ گئی تھی ناں تو پولیس کو فون کر سکتی تھی اور نہ ہی پندرہ کو ایک ہی نمبر سے آگاہی تھی اور نا معلوم وہ آتا بھی ہے کہ نہیں اس نے تو اس کی بات بھی نہیں سنی تھی اور فضلو بے چارہ اسے گولی لگی تھی اب تک زندہ بھی ہے یا اس کی وجہ سے جان...... اس خیال سے وہ مزید خوفزدہ ہو گئی تھی اور گھٹنوں میں سر دے سکڑی سمٹی بے ساختہ اپنے رب کو روتے ہوئے یاد کرنے لگی تھی۔

گیٹ پر عجیب سی آواز پیدا ہوئی ذائریہ بری طرح سے ڈر گئی تھی شاید فائر بھی ہوا تھا وہ...... وہ لوگ مجھ تک پہنچ گئے کیا ایسی حالت میں خودکشی مجھ پر حلال ہے ڈوبتے دل کے ساتھ اس نے سوچا تبھی اس کے دروازے پر زوردار دستک ہوئی تھی ذائریہ خوف سے دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔

"دروازہ کھولے! ذائریہ دروازہ کھولیں۔" آواز کو پہچان کر بھی وہ اٹھنے کی ہمت نہیں پا رہی تھی ساتھ ہی اس نے اتنی مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا کہ ہاتھ کی انگلیاں سفید پڑ گئی تھیں اسے بالکل سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا کرے وہ بے حد خوفزدہ ہو چکی تھی۔

"پلیز جلدی کریں دروازہ کھولیں۔" ایک بار پھر تیز دستک ہوئی تھی اور ذائریہ نے اپنے حواسوں کو یکجا کرتے ہوئے تیزی سے اٹھی اور کرسی میز کو دروازے سے کھسکا کر دروازے کی کنڈی کی جانب ہاتھ بڑھایا دستک مستقل ہو رہی تھی۔

"ذائریہ آر یو او کے گھبرائیں نہیں دروازہ کھولیں۔" کنڈی گرا کر ذائریہ نے دروازہ کھولا تو سامنے ہی پریشان سا سکندر کھڑا نظر آیا نہ جانے اسے کیا ہوا کہ روتے ہوئے وہ اس کے سینے سے جا لگی وہ بے حد خوفزدہ تھی ایسی صورت حال کا سامنا کرنے کا اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا ایک پل کو وہ یکسر فراموش کر گئی کہ وہ کہاں پر ہے اور سکندر کون ہے نہ جانے کیوں اسے اس شخص کی پناہ میں آنا خود کو محفوظ ہو جانے کی مانند لگا وہ شخص جسے وہ بے تحاشہ ناپسند کرتی تھی سب کچھ بھول گئی اور لاشعوری طور پر وہ کر بیٹھی جس کا شعوری طور پر وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی ساتھ ہی اس نے ہچکیوں کے ساتھ بلند آواز میں رونا شروع کر دیا۔

"ٹیک اٹ ایزی سب ٹھیک ہے ہمیں یہاں سے نکلنا ہے فضلو کی حالت ٹھیک نہیں۔" کچھ ہی دیر بعد اس نے تمام حسیں بیدار ہوئیں تھیں وہ کس کے سینے پر سر رکھے رو رہی تھی اور کس کی بانہوں نے اس کے وجود کو تھام رکھا تھا ایک جھٹکے سے اس نے سکندر سے خود کو جدا کیا تھا اور سکندر بھی عجیب سے احساس سے جاگا تھا۔

"میڈیکل باکس لے لیں ہمیں یہاں سے جانا ہے۔" کمرے میں موجود میڈیکل باکس خود سکندر نے آگے بڑھ کر اٹھایا اور اس کا ہاتھ پکڑے باہر کی جانب بڑھا ہر طرف سناٹا اور اندھیرا تھا ذائریہ کو اردگرد کچھ لوگوں کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا باہر اندھیرے میں بڑی گاڑی کھڑی اس کے پیچھے بھی کوئی گاڑی جس ہیڈ لائٹس آن تھیں۔

"تم لوگ یہیں پر رہو مختارے تم اور فضلو کے ساتھ پیچھے بیٹھو۔" سکندر نے ڈرائیو سیٹ سنبھالتے ہوئے کسی کو ہدایت جاری کی اور گاڑی سٹارٹ کر کے تیزی سے آگے کی ج بڑھا دی تھی۔

☆☆☆

قد آدم آئینے میں یونہی بھٹکتی نظر ا ایک پل کو ٹھہری تھی اور وہ جو کمرے کے وسط چپ چاپ کھڑی تھی ایسے ہی دو قدم اٹھا کر کے سامنے جا کھڑی ہوئی یہ سیاہ فریم کا آٹھ کا بڑا سا آئینہ تھا جو دیوار میں فرش تک فٹ تھا آئینے کے دائیں بائیں جانب لوہے کے فریم کے اسٹینڈ دیوار میں نصب کیے گئے تھے پر پرفیومز، ہیر برش وغیرہ رکھے ہوئے تھے طرح کا سنگھار میز اس نے پہلی دفعہ دیکھ لیکن وہ وقت ایسی چیزوں پر حیرت ہونے یا سراہنے کا نہیں تھا۔

اس نے بوجھل اداس سی پلکیں اٹھا وجود کو آئینے میں دیکھا تھا فریش گرین بر شلوار جس پر ہلکا گولڈن کام اس کے رنگ نکھار دے رہا تھا نہ جانے کس وقت ا زیب تن کیا تھا وہ اپنے حواس میں تھی ہی نہ جانے کس ملازمہ نے اسے تیار کیا تھا روبوٹ کی مانند جو کہتے گئے وہ کرتی چلی۔ شفاف آنکھوں میں کاجل کی گہری سیاہ روئی روئی آنکھوں کے گلابی ڈورے ہو چمکتی گلابی رنگ کی لپ اسٹ، کانو گولڈن بندے، ہاتھوں میں سبز اور چوڑیاں بالوں کی چوٹی بنا کر اس پر ٹکا یار دوپٹہ، شرارتی سی نکلیں لٹیں دیکھا جاتا تو وہ بے حد حسین لگ رہی تھی وہ جو خود کو پھیکے رنگوں کے ڈھیلے ڈھالے لباس میں ہمیشہ ہر قسم کے میک اپ سے عاری رکھتی تھی تا کہ کوئی بھی ایک بار نظر ڈال کر دوبارہ نہ ڈالے آج یوں قدرے سج سنور کر بے حد حسین نظر آ رہی تھی اوپر سے چہرے پر چھائی اداسی، سنجیدہ سی چپ اسے اسپرا بنائے دے رہی تھی۔

روئی روئی سوجی سوجی آنکھوں سے اس نے کمرے میں یونہی پھر نظر دوڑائی اور وہ جیسے کسی ٹرانس، کسی خواب آگیں حالت سے بیدار ہوئی تھی اس کا فشار خون بڑھنے لگا تھا ایک بار پھر اس کا دل چاہا تھا کہ وہ دھاڑیں مار مار کر روئے، زمین آسمان ایک کر ڈالے، قرینے سے سجے پھولوں سے آراستہ کمرے کی ہر چیز کو تہس نہس کر ڈالے اور اس شخص کو بھی، لبوں کو دانتوں تلے کچلتے اور مٹھیاں کھولتے بند کرتے وہ بے حد اذیت سے گزر رہی تھی۔

وہ ہار گئی تھی کتنا فرار چاہا تھا اس نے مگر زندگی کا ہر راستہ اس ایک منزل پر ہی آ کر رکا تھا بے حد بھاگ دوڑ کے باوجود بے بس کر دی گئی تھی تقدیر کے ہاتھوں یا پھر اپنوں کے ہاتھوں وہ اپنے جو پرایوں سے بھی بدتر تھے۔

دروازے پر آہٹ ابھری تھی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا ہتھیلیوں میں پسینہ اتر آیا تھا ایک پل کو اسے لگا کہ وہ ایک ننھی سی فاختہ ہے جو شکرے سے بچنے کے لئے اڑ اڑ کر تھک گئی ہے اور شکرے نے اس کا تعاقب نہیں چھوڑا اس کی ہمت جواب دے رہی تھی۔

"نہیں ذائریہ شہروز نہیں! مجھے یوں ہمت نہیں ہارنی مجھے اپنی بقاء اپنی عزت نفس کی جنگ لڑنی ہو گی میں اس اجڈ جاہل گنوار انسان کو بتا دوں گی کہ مجھے حاصل کرنا اس کی زندگی کی سب سے بڑی بھول ہوتی، بہت بڑی بھول جواب وہ بھگتے گا۔"

دروازہ کھول کر وہ اندر آیا تھا اور پھر پلٹ کر اس نے دروازہ لاک کر ڈالا آنے والے وقت کا سوچ کر ذائریہ کی سانسیں ناہموار اور ہمت جواب دینے لگی تھی۔

"نہیں ذائریہ نہیں مجھے اس کے آگے ہارنا نہیں جھکنا نہیں ہرگز نہیں ہمت کرو تمہیں ابھی اور اسی وقت بات کرنی ہے اس کے غرور کا ابھی منہ توڑ جواب نہ دیا تو یہ تمہیں روند ڈالے گا۔" ذائریہ نے دل ہی دل میں اپنی ہمت بندھائی اور اپنی جانب جیت کے نشے میں چور بڑھتے شخص پر نفرت اور غصے کی نظر ڈالی۔

ذائریہ کے منہ سے نکلے جملوں پر وہ ایک پل کو ٹھٹکا چہرے پر حیرت واضح نمودار ہوئی اور پھر اس وقت اس موقع پر اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے اس کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہونے لگے وہ اس کی باتوں پر مشتعل ہو چکا تھا وہ کمزور تھی، بے بس تھی مگر منہ میں زبان رکھتی تھی اور اسی صلاحیت کا اسے استعمال کرنا تھا ورنہ تمام عمر اس کی قدر خریدے ہوئے بے زبان جانور سے بڑھ کر نہ ہوتی۔

احساس توہین اور غصے کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ وہ ایک ہی جست میں اس کے مقابل آن کھڑا ہوا تھا اس کے مردانہ وجود اور دراز قد کے سامنے وہ بالکل نازک اور کمزور لڑکی تھی جسے وہ چاہتا تو ہاتھ بڑھا کر من مانی کرتے ہوئے وہ سب حقوق اس سے حاصل کر لیتا تو جو چند لمحے پیشتر بے حد مجبوری کے عالم میں ذائریہ شہروز نے خود نکاح نامے پر دستخط کر کے اسے سونپے تھے مگر اب وہ اس کے مقابل اپنے منتشر

ہوتے حواسوں کو بمشکل سنبھالے اپنے وجود کو اس عیاش پسند انسان سے بچانے کی آخری سعی کرنے کے لئے کھڑی تھی اپنی جان سے بڑھ کر اپنی عزت بچانے کی خاطر اس نے یہ انتہائی مجبور قدم اٹھایا تھا نکاح نامے پر دستخط کرتے بس اسی چیز کا احساس تھا اور اب اپنی عزت نفس کا سودا اسے منظور نہیں تھا اس شخص نے اسے آخر کار جیت لیا تھا پر اب وہ اسے ہرانا چاہتی تھی جبھی تو اتنی بڑی بات بلا خوف و خطر اس نے کہہ ڈالی تھی۔

☆☆☆

اس رات اس کی چھٹی حس نے جس خطرے کی بو سونگھی تھی وہ اگلے روز ایک تلخ حقیقت بن کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

حویلی پہنچتے ہی سکندر نے ذائرہ کو فوراً فضلو کو طبعی امداد فراہم کرنے کا کہا تھا ذائرہ کو چیک اپ کرنے پر معلوم ہوا کہ گولی بازو میں پیوست ہوگئی ہے اور آپریشن کے سوا کوئی چارہ نہیں خون بھی بہت بہہ رہا تھا فضلو کا رنگ پیلا پڑتا جا رہا تھا خود ذائرہ اس صورت حال سے خاصی گھبرا گئی تھی سکندر کے کہنے پر وہ جتنی میڈیکل ٹریٹمنٹ فضلو کو دے سکتی تھی دی اور اور اسی وقت سکندر، فضلو کو گاڑی میں بٹھا کر فوراً اپنے دو بندوں سمیت شہر کی جانب روانہ ہوگیا تھا اور ذائرہ آنٹی زلیخا کی بانہوں میں آکر بری طرح سے رو پڑی تھی۔

آنٹی زلیخا نے ہی اسے سنبھالا تھا تسلیاں دی تھیں حوصلہ دیا تھا انکل رب نواز شام سے ہی کسی ضروری کام کے سلسلے میں شہر گئے ہوئے تھے اور اپنا سیل فون سکندر کے کمرے میں بھول گئے تھے جبھی ذائرہ کی کال سکندر نے خود اٹینڈ کی تھی ذائرہ کو فضلو کے ساتھ ساتھ پینو کا خیال آ رہا تھا وہ دونوں میاں بیوی کی نوک جھونک میں موجود محبت سے خوب واقف ہو چکی تھی اور اب اس کی وجہ سے اگر فضلو کو کچھ ہوگیا تو وہ پینو کا کیسے سامنا کرے گی یہ رات اس کے اعصاب پر بے حد بھاری تھی آنٹی زلیخا پیار سے اسے اپنے کمرے میں لے کر آ گئی تھیں اور بیڈ پر لٹا کر اسے سونے کی ہدایت دی تھی خود وہ اس کے قریب تکیے کے پاس بیٹھ کر نرمی سے ذائرہ کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی تھیں ساتھ ہی وہ دھیمی آواز میں درود ابراہیمی پڑھ رہی تھیں ذائرہ کو ان کا یوں سہلانے پر اپنی مما کی بے تحاشا یاد آ گئی اور وہ پلٹ کر ان کی گود میں منہ رکھ کر بلک اٹھی تھی اسے یوں سسکتا دیکھ کر خود آنٹی زلیخا کی آنکھوں میں بھی نمی اتر آئی تھی اس نے روتے ہوئے اپنی زندگی کی تمام داستان سنا ڈالی تھی وہ درد بھی بیان کر ڈالے تھے جو اس نے آج تک خود سے بھی نہ کہے تھے اور آنٹی زلیخا جو اس کے حالات سے چوہدری رب نواز کی زبانی پہلے سے واقف تھیں اس کی زبانی سن کر مزید افسردہ ہوگئی تھیں اور اس کی بے چینی کو بھانپتے ہوئے انہوں نے اسے اٹھ کر وضو کر کے نماز پڑھنے کی تلقین کی تھی اس روز ذائرہ اور آنٹی زلیخا کے درمیاں ایک ماں بیٹی، ایک غمگسار دوست کا رشتہ استوار ہوگیا تھا۔

☆☆☆

جائے نماز پر بیٹھتے نہ جانے کتنا وقت بیت گیا تھا صبح کے آثار نمودار ہونے لگے تھے جبھی باہر چوہدری رب نواز کی آواز پر ذائرہ متوجہ ہوئی تھی اور کب سے اپنے رب کے آگے ہاتھ پھیلائے ہاتھوں کو آمین کہہ کر سمیٹتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور جلدی سے باہر کی جانب بڑھی تھی۔

چوہدری رب نواز نے اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور خیر یت دریافت کی تھی اس وقت وہ سب لوگ کھلے روشن ہوا دار لاؤنج میں موجود تھے چوہدری سکندر بھی وہیں پر تھا وہ دونوں باپ بیٹا شاید اکٹھے ہی آئے تھے انہی کی زبانی معلوم ہوا کہ فضلو کی حالت ابھی تشویش ناک ہے خون بہت بہہ چکا ہے آپریشن کر کے گولی تو نکال دی گئی ہے ابھی فضلو کی جان کا خطرہ ہے، آئی سی یو میں اسے شفٹ کر دیا گیا ہے انہیں ذائرہ کی بے حد فکر ہو رہی تھی اس لئے وہ گاؤں آ گئے اور پھر سکندر نے آ کر رات کے واقعہ کا بھی کھوج لگانا وہ بھی ساتھ آ گیا تھا اس نے شہر ہی انکل کو اطلاع کر کے ہسپتال بلا لیا تھا انکل نواز نے مزید بتایا کہ صبح جب فضلو کو کچھ دیر ہوش آیا تو اس کا پولیس بیان لیا جا چکا تھا فضلو نے بمشکل بتایا تھا کہ آدھی رات کو اس نے کسی گاڑی کے رکنے کی آواز سنی تھی گو گاڑی کسی حد تک فاصلے پر کھڑی کی گئی تھی مگر فضلو ایوٹی دینے کے لئے جاگ رہا تھا پھر اس نے دو سائے گیٹ کے قریب دیوار پر نمودار ہوتے دیکھے اس نے فوراً ایک کا نشانہ لے کر اپنی بندوق سے فائر کیا وہ دونوں چوکس تھے ایک کو تو فائر لگا اور وہ دیوار سے باہر جا گرا دوسرے نے فضلو پر فائر کیا اور گولی اس کے بازو میں لگی لیکن فضلو نے دٹ میں ہو کر اس پر فائر کیا تب تک وہ دیوار سے باہر کود گیا اور شاید اپنے زخمی ساتھی کو لے کر وہاں سے فرار ہوگیا ذائرہ کے اکیلے وہاں ہونے کی وجہ سے فضلو ان کا پیچھا نہیں کر سکا اور نہ ہی وہ جانتا تا کہ بس وہ دو لوگ تھے یا کوئی اور بھی ہے اس کے بعد کی تفصیل ذائرہ نے انکل رب نواز کو بیان کر دی جو شاید وہ سکندر سے پہلے ہی سن چکے تھے اس دوران آنٹی زلیخا ناشتے بنوانے لگیں اور ذائرہ نے جب سکندر کی آمد کا ذکر کیا تو ساتھ ہی اپنے جذباتی پن اور خوف کی وجہ سے سکندر کے گلے لگنا بھی یاد آ گیا جس کا ذکر تو اس نے نہیں کیا مگر اسکی گالوں پر شفق اور چہرے پر یکدم خفت کے آثار نمودار ہوئے جسے صرف سکندر ہی سمجھ پایا اور اپنے چہرے کی سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے اس نے اپنی مسکراہٹ دبالی۔

سکندر نے بتایا کہ آدھی رات کو یوں ذائرہ کا فون آنا آواز کی گھبراہٹ وہ سمجھ گیا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے جبھی مزید سوالوں میں وقت ضائع کیے بغیر وہ مسلح گارڈ لے کر دیہی مرکز صحت جا پہنچا تھا جہاں پر برآمدے میں فضلو چچا تقریباً بے ہوش ہو چکے تھے۔

واقعات سے واضح نہیں ہو پا رہا تھا کہ یہ کوئی چور ڈاکو تھے یا کوئی اور مگر سکندر کا کہنا تھا کہ یہ کوئی چور ڈاکو نہیں تھے کیونکہ دیہی مرکز صحت میں ایسی کوئی قیمتی چیز نہیں جسے چرایا جائے ماسوائے ذائرہ کے اور ذائرہ سکندر کے تبصرے پر جز بز ہو کر رہ گئی تھی۔

''یہ شخص بدتمیز ہی نہیں منہ پھٹ بھی حد سے زیادہ ہے۔'' سب کی موجودگی میں سکندر کا اسے یوں کہنا برہم سا کر گیا تھا مگر وہ خاموش ہی رہی تھی اور وہ کتنی قیمتی چیز ہے اس کا اندازہ کسی عام چور ڈاکو کو تو ہرگز نہیں ہو سکتا اور پھر سکندر نے ذائرہ کو اس روز آنے والے تمام مریضوں کی تفصیل پوچھی تھی اور کرید کرید کر ان کے متعلق سوال کیے تھے اور جب ذائرہ نے ایک ایک بات کو یاد کرتے ہوئے ساتھ والے گاؤں سے آنی والی بے حد باتونی مریضہ کا ذکر کیا جس نے باتوں باتوں میں اس کا اور اس کے پیا کا نام جان لیا تھا تو سکندر قدرے چونک گیا۔

''ساتھ والا گاؤں تو ملک دلاور کا ہے، میرا خیال ہے میرا شک صحیح سمت جا رہا ہے۔'' وہ بڑبڑایا تھا ذائرہ نے نا سمجھی والے انداز میں دیکھا تھا اس وقت سب کے چہروں پر عجیب سی سنجیدگی

درآئی تھی۔۔۔

"ملک دلاور ہمارا سب سے بڑا مخالف، سب سے بڑا دشمن، پچھلے دنوں اسی کے بندے نے مجھ پر گولی چلائی تھی معاملہ گڑبڑ ہے لگتا ہے مجھے ملک دلاور سے دو دو ہاتھ آج ہی کرنے پڑے گے ابھی جا کر اس کا دماغ ٹھکانے لگاتا ہوں چوہا اپنے آپ کو شیر سمجھنے لگا ہے۔" سکندر نے غصے میں آتے ہوئے کہا مگر چوہدری رب نواز نے اسے پھر سے بٹھا دیا اور کہا کہ ابھی فی الحال یہ محض ایک شک ہے اور وہ صرف اور صرف کھوجی اور ٹرینڈ کتے لے کر دیہی مرکز صحت جائے اور وہاں سے گاڑی اور چوروں کا سراغ لگائے سکندر اسی وقت روانہ ہو گیا وہ شاید ذائرہ سے معلومات حاصل کرنے کے لئے ہی حویلی آیا تھا اس وقت اسے فضلو چچا کی بڑی فکر تھی فون پر بار بار وہاں پر موجود بندوں سے فضلو کی حالت معلوم کر رہا تھا۔

"میں اپنے آپ پر چلائی گئی گولی تو اسے معاف کر سکتا ہوں لیکن اگر فضلو چچا کو کچھ ہوا تو ملک دلاور کو میں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" سکندر اتنا کہہ کر حویلی سے نکلتا چلا گیا تھا، ذائرہ اپنی جگہ چور سی بن گئی تھی اگر اس کی وجہ سے فضلو کو کچھ ہوا تو پھپھو باجی......؟ ایک بار پھر اسی خیال نے وہ بے چین ہو اٹھی تھی اور اس سے آگے کچھ سوچا ہی نہ گیا تھا، انکل نواز نے دوٹوک انداز میں کہہ دیا تھا کہ ذائرہ اب حویلی میں ہی رہے گی وہ اپنے جگری دوست کی نشانی کو کھونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے بے حد اصرار کے بعد دو تین لقمے ناشتے میں زہر مار کرنے کے بعد انکل نواز اپنی گاڑی میں اسے خود دیہی مرکز صحت لے کر گئے تھے تا کہ وہ اپنا تمام سامان پیک کر کے حویلی میں شفٹ ہو جائے۔

جس وقت وہ لوگ مرکز صحت کی عمارت میں داخل ہوئے دھوپ میں تیزی آ چکی تھی سکندر بھی وہیں پر موجود تھا کھوجی اور کتے عمارت کے پچھلے حصے کی تفتیش کر رہے تھے ابھی کوئی سراغ واضح نہیں ہوا تھا ذائرہ اپنے کمرے میں جا کر خاموشی سے پیکنگ کرنے لگی کچھ ہی دیر بعد، ہینڈ بیگ کندھے پر لٹکائے وہ باہر چلی آئی دوسرا بیگ سکندر کے اشارے پر ایک ملازم لینے کے لئے بڑھا وہ باپ بیٹا کھوج کے متعلق ہی باتیں کر رہے تھے جب بیرونی گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھول کر دو تین لوگ اندر داخل ہوئے تھے پہلے شخص کو اندر آتا دیکھ کر ذائرہ کے قدم برآمدے کی اترتی سیڑھیوں پر یکدم تھم گئے تھے خوف سے اس کے ہاتھ سے ہینڈ بیگ چھوٹ گیا تھا ایسی صورت حال کا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا کچھ فاصلے پر کھڑے انکل رب نواز کے پاس جانے کی بھی ہمت نہ رہی تھی سکندر نے ذائرہ کی بدلتی کیفیت کو بھانپ لیا تھا اور اس کے لبوں سے نکلا نام تک بھی اس کی رسائی ہو گئی تھی جسے سن کر اس کی کنپٹی کی رگیں تن گئی تھیں شہر سے گاؤں واپسی پر وہ اپنے بابا سے ذائرہ کے متعلق پوری تفصیل سے اس کے بارے میں جان چکا تھا۔

ملک دلاور کے ساتھ آئے ملک احسن بڑا کروفرانہ اور دوٹوک انداز اختیار کیا تھا ذائرہ پر ایک عصیلی نظر ڈالتا وہ چوہدری رب نواز جانب بڑھ گیا تھا اور بلند آواز میں اس نے بہت کچھ بتایا تھا کہ ملک دلاور جو بہت دور پرے رشتے دار ہے کے پاس آشکار کرنے کی نیت آیا ملک احسن تب چونک گیا تھا جب باتوں باتوں میں ملک دلاور نے ساتھ والے گاؤں کسی ڈاکٹرنی کے آنے کا ذکر کیا اور جس کی سے چوہدری سکندر بچ نکلا تھا اور اسی نے کل اس عورت کو مریضہ بنا کر یہاں بھیجا تھا جس نے ڈاکٹرنی کا نام ذائرہ اور اس کے باپ کا نام ملک شہروز بتایا تھا شک کی گنجائش نہیں رہی تھی پچھلے دو ڈھائی ماہ سے جسے وہ پاگلوں کی طرح ڈھونڈ رہے تھے شہر اور ارد گرد کی جگہوں پر ابھی تک اپنے بندے چھوڑے ہوئے تھے قدرت اتنی آسانی سے اس کا کھوج ملک احسن کو دے گی اس کی اسے امید نہ تھی لہٰذا رات کو ملک دلاور کے بندے آئے تھے انہوں نے اپنی "چیز" لے جانے کے لئے کہ ان کے وفادار چوکیدار نے کام خراب کر دیا اور اس کے فائر سے زخمی ہونے والا بندہ صبح دم توڑ گیا۔

ملک احسن طاقت اور غرور کے نشے میں چور ہر بات کا اقرار اور انکشاف کر رہا تھا اسے کسی بات کا ڈر یا خطرہ نہیں تھا نہ جانے کیوں شاید ملک دلاور کی شہ پر سکندر کو چوہدری رب نواز نے اشارا کر کے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ذائرہ تو یہ سب سن کر سکتے میں آ گئی تھی گیا۔ اس کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں تھی جو وہ ان ظالموں سے چھپنے کے لئے استعمال کر سکتی قدرت اسے اس ظالم کے حوالے کرنے پر نہ جانے کیوں تلی ہوئی تھی جو اس طرح کے اتفاقات رونما ہو رہے تھے اور اب آگے بڑھ کر ملک دلاور نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ ان کی دشمنی اور مخالفت اپنی جگہ لیکن اس بار جیت ان کا مقدر تھی کیونکہ ان کا ارادہ پنچایت بلانے کا تھا جس میں ملک احسن ثابت کر دے گا کہ ذائرہ اس کی منگ ہے اور ملک دلاور سے دشمنی نبھانے کے لئے اب کی بار چوہدری سکندر اور چوہدری رب نواز نے ملک احسن کی منگ کو ورغلا کر نکالنی چاہی ہے اور پنچائیت ان کے حق میں ہی فیصلہ دے گی اس کا باخوبی اندازہ چوہدری رب نواز کی بھی ہو چکا تھا اس لئے وہ لوگ اتنا اچھل اچھل کر باتیں کر رہے تھے۔

بقول ملک دلاور کے سبھی لوگ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ دیہاتوں میں موجود پنچائیت یا جرگے کے اپنے اصول اپنے قانون ہوتے ہیں اور یہ سسٹم برسوں کے فرسودہ رسموں میں جکڑا سسٹم ہے جس میں ظالم کو مزید طاقت اور کمزور کو مزید کمزور ہی کیا جاتا ہے اور جو فیصلہ پنچائیت سنا دے اس کی پاسداری ہر حال میں کرنا پڑتی ہے قانون بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور پنچائیت سے ٹکر لینا گویا اپنے علاقے کی سرداری سے ہاتھ دھونا تھا اور یقیناً چوہدری رب نواز ایک عام سی لڑکی کے لئے اتنا بڑا قدم تو اٹھائے گے نہیں کہ اپنے ہی علاقے سے بے دخل کر دیئے جائے۔

وہ لوگ پکا انتظام کر کے آئے تھے تبھی اتنے نڈر ہو رہے تھے اور اکڑ میں تھے ملک احسن کے

چہرے پر مسلسل مسکراہٹ جمی ہوئی تھی وہ کن انکھیوں سے ذائریہ کو دیکھتے ہوئے اس کی حالت سے بھی اندر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

ملک دلاور احسن اور ذائریہ کے معاملے میں احسن کی حد سے زیادہ حمایت کر کے چوہدریوں کے خلاف درپردہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا تھا زچ کر کے رکھا ہوا تھا چوہدری سکندر نے اسے اور آج موقع خوب ہاتھ آیا تھا تمام باتوں کا بدلے لینے کا اس سے بڑی بات اور کاری وار کیا ہو گا کہ چوہدریوں کی پناہ میں آئی لڑکی پنچائیت کے فیصلے سے ملکوں کے حوالے کر دی جائے دو کوڑی کی عزت رہ جائے گی چوہدریوں کی یہ سوچ سوچ کر ہی دلاور کے دل میں ٹھنڈک اتر رہی تھی تبھی تو ملک احسن کا براہ راست ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تھا اس نے۔

شام کو پنچائیت بٹھانے کی بات ملک دلاور پنچائیت سے کر کے آیا تھا پنچائیت کے کچھ سرداروں کو وہ پہلے سے ہی اپنا حامی بنا کر آیا تھا فیصلہ انہی کے حق میں ہونا تھا اس کا یقین اور اس کا بندوبست وہ کر کے آئے تھے اب تو وہ محض ذائریہ کو اپنی تحویل میں لینے آئے تھے اور شام کو سب نے پنچائیت میں اکٹھا ہونا ہے یہ بتانے آئے تھے۔

بے بس اور خاموش کھڑے چوہدری رب نواز اور سکندر کی صورتیں دیکھ کر ملک دلاور کا اونچے اونچے قہقہے لگانے کو دل چاہ رہا تھا ایسی ہی کیفیت ملک احسن کے ذائریہ کو دیکھ کر ہو رہی تھی۔

پنچائیت کا ایک آدمی بھی ان کے ہمراہ تھا کارروائی پوری کروانے کے لئے ملک دلاور کے اشارے پر ملک احسن ذائریہ کی جانب بڑھا اس کا ہاتھ تھام کر اپنے ساتھ لے جانے کے لئے وہ اس کے چچا کی بیٹی تھی اس سے وہ انکار نہیں کر سکتی تھی اور یہی بات اسے پنچائیت میں ملک احسن کی منگ بھی ثابت کر دیتی احسن نے خوب سوچ سمجھ کر پنچائیت والی چال چلی تھی ایک بار پنچائیت کا فیصلہ ہو جاتا تو کوئی بھی قانون ذائریہ کی مدد نہیں کر سکتا تھا اور نہ کوئی انسان ملک احسن کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا تھا وہ پورے استحقاق سے ذائریہ کو اپنے ساتھ لے کر جا سکتا تھا اور ذائریہ نے جس طرح دھوکے دے کر دوبارہ فرار ہونے کی جرأت کی تھی اس کی سزا بھی وہ سوچ چکا تھا۔

اپنی حویلی سے جا کر اس کا ارادہ ذائریہ سے نکاح کر کے اس کی تمام جائیداد اپنے نام لکھوانے ایک رات کی بیوی بنانے کے بعد طلاق دینے کا تھا اور طلاق کے بعد تمام عمر اپنی باندی بنا کر رکھنے کا تھا اتنا گھناؤنا ارادہ اور اتنا رذیل خیال تھا اس کے دماغ میں ذائریہ کے بھرپور شباب نے اس کی نفس پرست فطرت کو پاگل کر رکھا تھا وہ بھول چکا تھا کہ ذائریہ اس کے چچا کی بیٹی ہے اس کا خون سفید نہیں بلکہ سیاہ ہو چکا تھا اور ذائریہ نے ملک احسن کی نظروں میں اس کے غلیظ ارادے پڑھ لئے تھے اسے زمین آسمان گھومتے نظر آ رہے تھے کوئی جائے اماں نہ تھی انکل رب نواز اور باقی لوگوں کا یوں بے بس خاموش کھڑا دیکھ کر اس کی رہی سہی امید بھی ختم ہو چکی تھی اپنی طرف بڑھتے احسن کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کے گرد اندھیرا چھا رہا تھا وہ کس کو پکارے کوئی بھی یہاں اس کا مددگار نہ تھا ملک احسن نے سختی سے اس کا ہاتھ تھاما اور تقریباً بے جان وجود کا گھسیٹتا ہوا بیرونی گیٹ کی جانب بڑھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

"عریشہ پاکستان آرہی ہے۔" امی کی اطلاع پہ میں نے بے یقینی سے انہیں دیکھا، ردا کا ہاتھ بالوں میں کنگھی کرتا جہاں کا تہاں رہ گیا، ثمرین نے ایسا منہ بنایا جیسے کڑوی کسیلی گولی نگل لی ہو، کچھ ثانیے تک کمرے میں سکوت طاری رہا۔

"چھ ماہ پہلے تو آئی تھی، غضب خدا کا، دوبئی نہ ہوا پڑوس ہو گیا، جو آئے دن آن وارد ہوتی ہے۔" آخر میں نے خاموشی توڑی۔

"تم لوگوں کو آخر کیا تکلیف ہے اس کی معصوم جان سے؟ ارے تمہارے اکلوتے ماموں کی اکلوتی اولاد ہے۔" امی جیسے جی بھر کے بدمزہ ہوئیں میری بازپرس سے۔

"ہمیں خدا واسطے کا بیر ہے اس سے، کیونکہ وہ ہمارا سکون برباد کر دیتی ہے۔" ثمرین تو سدا کی منہ پھٹ تھی۔

"ہاں نا امی! اتنا تنگ کرتی ہے، اب ثمرین بھی تو ہے، کتنی اچھی ہے، یہ بھی آپ کی بہن کی اولاد ہے، اگر ہمیں آپ کے رشتہ داروں سے دشمنی ہوتی تو ثمرین بھی بری لگتی، پر یہ ہماری بہن بن کے رہتی ہے یہاں اور وہ عریشہ؟ ہمیں ناکوں چنے چبواتی ہے۔" ردا نے امی کو سمجھانے کی سعی کی، بات اس کی بھی ٹھیک ہی تھی، ثمرین ہماری بڑی خالہ کی بیٹی تھی، گاؤں میں رہنے کے باعث پڑھائی اس نے ہمارے گھر میں رہ کے میٹرک سے آگے جاری کی تھی، وہ بی ایس سی میں تھی ردا کے ساتھ، میں ایم ایس سی کر رہی تھی، مجھ سے بھی دونوں پڑھائی میں اکثر مدد لے لیتی تھیں۔

"ارے اتنی تو سادہ سی ہے میری بھتیجی، تم لوگ اس کی جان کی دشمن بنی ہوئی ہو ایسے ہی۔" امی نے ناپسندیدگی سے ردا کی طرف دیکھا تھا۔

"کیا بحث چل رہی ہے بھئی۔" فرخ بھائی بھی آنکھیں ملتے اپنے کمرے سے برآمد ہوئے تھے۔

"عریشہ آرہی ہے، سلمیٰ کہتی ہے بے چاری گھر میں پڑی پڑی بور ہو جاتی ہے، پاکستان میں رشتہ داروں کے گھر اپنے ہم عمر کزنز میں خوش ہوتی ہے، ایک ماہ کے لئے آرہی ہے۔" امی نے تفصیل بتائی۔

"اچھا ہے نا، بے چاری کا کوئی بہن بھائی بھی نہیں پر کسی میں احساس ہو تب نا۔" آخری بات کہتے ہوئے فرخ بھائی نے ہم تینوں پہ کاٹ دار نظر ڈالی تو ہم بس سر جھکا کے رہ گئے۔

☆☆☆

جب سے اس رقیب روسیاہ کے آنے کا غلغلہ اٹھا تھا ہماری تو مانو نیندیں حرام ہو گئی تھیں، پھپھو کو بھی اس پرکٹی کبوتری سے پیار تھا، پھپھو اپنے شوہر کی وفات کے بعد ہمارے گھر میں ہی رہتی تھیں، بھری جوانی میں بیوہ ہوئیں تو اپنے لخت جگر جمال کو لے کے انہوں نے اپنے بھائی کی دہلیز پکڑی تھی ابو نے بھی ان کو بڑی بہن ہونے کے ناطے ماں کا درجہ دیا تھا، اپنے حصے کی زمین جائیداد بیچ کے جمال نے ایم بی اے کے بعد اپنا شوروم کھولا تھا، یہ گھر ہمیں جنت کا گہوا لگتا ہے، پر عریشہ نہ ہو تب، اور...... اور پھر وہ گئی تھی، امی اور پھپھو سے گلے ملتے ہوئے ہم طنزیہ نظریں ڈالنا نہ بھولی تھی۔

"عروج کیسی ہو؟" اس کے اس طر پوچھنے پہ میں چیں بہ جبیں ہو گئی پر ٹس سے مس ہوتی اس کے لہجے کا طنزپن صرف میں ہی محسو کر سکتی تھی۔

"اس دفعہ تو ہم اپنے ماموں کے گھر رہ نا؟" ردا نے شام کی چائے پیتے وقت اس بظاہر معصومیت سے استفسار کیا تھا۔

"نہیں تو...... مجھے تو تم لوگوں بنا چین ہی نہیں آتا اور اپنی اتنی پیاری پھپھو کو میں چھوڑ کے جا سکتی ہوں کہیں بھلا۔" یہ کہتے ہوئے وہ امی کے کندھے پہ دلار سے سر رکھ کے بولی تو امی تو جی جان سے اس کی ادا پہ نثار ہو گئیں۔

"تو اور کیا، میری بچی۔" کہنے کے ساتھ چٹاخ سے اس کے گال پہ پیار کیا تو میرے سینے پہ جیسے کسی نے دو ہتڑ مارے، ہمیں تو کبھی ایسے پیار نہ کیا تھا امی نے۔

"بڑی خوش قسمت ہیں ممانی، اتنے خلوص سے چاہتی ہے ان کی بھتیجی انہیں۔" جمال کے کہنے پہ میں ٹھٹکی، بغور اس کے چہرے کے تاثرات جانچے، میرا اکلوتا منگیتر تھا وہ، خیر منگیتر شوہر اکلوتے ہی ہوتے ہیں، پر کہیں وہ ناس پٹی جمال کو بھی نہ پٹا گئی ہو میرے انجان پن میں، تفکر کی لکیریں اس سے پہلے میرے چہرے پہ گہری ہوتیں، ابا جان کی آمد پہ سوچوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا وہ آتے ہی محفل کو زعفران زار بنا دیتے تھے۔

☆☆☆

میں، ردا اور ثمرین روز رات کو بارہ بجے تک گپ شپ لگاتے تھے، یہ ہماری عادت بن گئی تھی مگر جب سے عریشہ آئی تھی، ہمیں موقع ہی نہیں ملتا تھا، اس کے لئے الگ روم سیٹ کیا تھا مگر اسے رد کر کے وہ ہمارے ہال نما کمرے میں آن ٹھہری تھی۔

"بھئی ایک ماہ کے لئے آئی ہوں، وہ بھی دور رہوں تم لوگوں سے؟" اس کی بات پہ ہم خون کے گھونٹ پی کے رہ گئے، ہمارے ساتھ وہ رہتی تو تھی پر ہمیں بات کرنے کا موقع ہی نہ دیتی، اپنی ہی دھن میں راگ الاپتی رہتی تھی، ایسی ایسی ہانکیں چھوڑتی تھی کہ ہمیں ہنسی روکنا محال ہو جاتا تھا اس کی فضول گفتگو سے ڈر کے ہم نو بجے ہی بستر میں سونے کی نیت سے گھس جاتے تھے۔

پر ہمارا صبر کب تک ہمارا ساتھ دیتا، میری بھی یونیورسٹی کی اتنی باتیں جمع ہو گئی تھیں، ردا اور ثمرین کی کالج کی، پر ہمیں بات کرنے کا کوئی موقع دیتا تو تب نا، جتنی زبان عریشہ کی چلتی تھی اتنا تو کارخانوں میں مشین بھی نہ چلتی ہو گی اور پھر آواز اس کی؟ نہلے پہ دہلا تھی، مجھے تو پھٹے ہوئے ڈھول کا گمان ہوتا ہے، جبکہ ثمرین کو لگتا تھا کہ اس کے گلے میں لاؤڈ اسپیکر فٹ ہے۔

آج ہمارا پلان تھا کہ ایسے ہی سوتے بنیں گے، جب وہ سو جائے گی تو ہم اپنی باتیں کریں گے، جلے دل کے پھپھولے پھوڑیں گے، جب ہمیں اس کے سونے کا یقین ہو گیا تو آہستہ سے تینوں اپنے بستر سے اٹھیں کہ معاً عریشہ بھی اسپرنگ کی طرح اچھل کے بیٹھ گئی۔

"مجھے بھی نیند نہیں آرہی تھی، شکر ہے تم تینوں اٹھیں۔" اس کے اطمینان بھرے لہجے پہ ہم بس ٹکر ٹکر اس کی صورت دیکھ رہے تھے، جونک کی طرح چپک گئی تھی ہم سے، اس نے اپنا ریڈیو فل والیم میں اسٹارٹ کر دیا تھا اور ہم بس جی ہی جی میں تلملا رہے تھے۔

"عروج! مجھے کیمسٹری کا تھوڑا سا پڑھا دو۔" اس کی بے سروپا باتوں پہ جھنجلا کے ثمرین نے مجھے کہا، اس کی آنکھوں کا اشارہ میں سمجھ گئی تھی کیمسٹری جیسا بور سبجیکٹ یقیناً عریشہ کی بے قرار روح کو چین دے کے سلا دے گا، میں نے بھی پوری دلجمعی سے ثمرین کو پڑھانا اسٹارٹ کیا۔

"واؤ...... مائی فیورٹ چیپٹر Chemical bonds یار عروج! میں بھی سیکھتی ہوں، چلو پڑھاؤ۔" خلاف توقع وہ پہلے سے بھی تازہ ہو کے بیٹھی تو ہمارا جی چاہا سر پیٹ لیں، ردا تو ہمیں ٹھینگا دکھا کے بستر میں گھس چکی۔

تھی، ثمرین بھی جمائیاں لینے لگی، جبکہ عریشہ کے سوالوں پہ میں غصے کے مارے پیچ وتاب کھانے لگی تھی، ثمرین بھی سو چکی تھی، ناچار مجھے بھی سونا پڑا، اپنے بستر پہ لیٹنے سے پہلے میں نے اس کے منہ پہ فاتحانہ مسکراہٹ دیکھ کے دل ہی دل میں اس کے لتے لئے۔

☆☆☆

رات کو کھانا کھاتے وقت عریشہ غائب تھی حالانکہ کھانا بناتے وقت کچن میں تو ہمارے سروں پہ سوار تھی، خیر اس کی تھوڑی دیر کی غیر موجودگی بھی ہمیں شاداں کر گئی۔

''سر میں درد ہے اس کے، سارا وقت تو کچن میں گھسی کھانا بناتی رہتی ہے، منع بھی کرتی ہوں پھول سی بچی ہے، تھک جاتی ہے۔'' امی کے کہنے پہ ثمرین کو پانی پیتے ہوئے اچھو لگا، منہ در منہ تو جواب دے نہیں سکتی تھی کہ ہم کسی کو کام کرتی نظر نہیں آتیں بس وہ نظر آ جاتی ہے، احتجاجی طور پہ ردا نے بھی پلیٹ میں چمچ پٹخی، میں بھی کوئی جوابی کاروائی کرنے کا سوچ ہی رہی تھی کہ عریشہ لاؤنج کی سیڑھیاں اترتی نظر آئی، ہاتھ میں بھی کچھ تھا۔

''عروج! یہ تمہارے بیڈ پہ انڈین اور انگلش موویز کی C-D پڑی تھیں، ان میں سے کون سی اچھی ہے تکے لئے، فارغ بیٹھی تھی کہ سوچا معلوماتی پروگرام دیکھ لوں۔'' اس کے ہاتھ میں سی ڈیز دیکھ کے ہماری سانس اوپر کی اوپر رہ گئی، تھوک نگلنا محال ہو گیا، اس سے پہلے کہ ہم کچھ بولتے، فرخ بھائی تیر کی سی تیزی سے جھپٹے تھے سی ڈیز پہ، آج ہی ردا لائی تھی کسی فرینڈ سے۔

''دکھاؤ تو، یہ کون سی موویز ہیں، اچھا ہم دل دے چکے صنم، مجھ سے شادی کرو گی؟ ہر دل جو پیار کرے گا۔'' فرخ بھائی ایک ایک مووی کا نام پڑھتے ابو کے سامنے ہمارے رنگ فق ہو گئے، عریشہ بظاہر معصومیت سے آنکھیں پٹپٹا کے دیکھ رہی تھی، اس کا منہ نوچ لینے کا دل چاہا۔

''ٹائٹینک Pirates of carabians پیار محبت اور عشق، واہ کیا کولیکشن ہے۔'' اب ان کا رخ ہماری جانب تھا، ابو کی شرم دلاتی نظروں کا سامنا بھی کٹھن تھا۔

''تو کالج میں یہ سرگرمیاں ہیں۔'' اب فرخ بھائی نے ہماری عزت افزائی کرنا شروع کر دی تھی اور ہم بس نظریں زمین میں گاڑے ''صم بکم'' کی تصویر بنے کھڑے تھے، عریشہ نے اپنا روپ دکھانا شروع کر دیا تھا، ہمیں یوں بھرے مجمعے میں بے عزت ہوتا دیکھ کر وہ خوب حظ اٹھا رہی تھی، اسے نہ دیکھتے ہوئے بھی ہم سب کچھ دیکھ سکتے تھے، محسوس کر سکتے تھے۔

☆☆☆

''جمال! یہ چائے آپ کے لئے میں نے بنائی ہے۔'' میرا اندازہ ٹھیک ثابت ہوا تھا، لان کی طرف اسے نکلتا دیکھ کے میں سمجھ گئی تھی کہ وہ جمال کی طرف جا رہی ہے، بھائی کہنے کا تو تکلف وہ کرتی ہی نہیں تھی پر اس کے ارادے مجھے خطرناک لگ رہے تھے، پھپھو کا جھکاؤ بھی اس کی طرف تھا، گھر کا سسرال میں اتنی آسانی سے چھوڑنے والی نہیں تھی، اسی لئے دھم دھم کرتی دونوں کے سر پہ پہنچ گئی، وہ جو شکریہ کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے چائے لے رہا تھا میرے تیور دیکھ کے جز بز سا ہوا۔

''عریشہ! تمہیں امی بلا رہی ہیں۔'' اس کا نک سک سے تیار ہونا مجھے ایک آنکھ نہ بھایا، کیل کانٹوں سے لیس ہو کے مردوں کو رجھانے کے اچھے طریقے ڈھونڈتی ہیں۔

''کیوں؟''

''مجھے کیا پتا۔'' بہت رکھائی سے جواب دیا تھا میں نے، ابھی رات والی بات بھی ذہن میں تھی، میرا نخوت بھرا انداز دیکھ کے وہ رکی نہیں تھی۔

''خبردار جو چائے پی۔'' میں نے چائے جھپٹی تھی جمال سے۔

''پتا نہیں کیا تعویذ گھول کے لائی ہو اور دار جو تم اس سے اٹھکیلیاں کرتے نظر آئے مجھے۔'' میں نے انگلی اٹھا کے وارن کیا تو وہ بھرپور قہقہہ لگا کے ہنسا تھا اور اب سینے پہ ہاتھ باندھے آنکھوں میں شرارت لئے مجھے دیکھ رہا تھا، نہ نے کیوں مجھے اپنے گال دہکتے محسوس ہوئے۔

''میرا یقین نہیں؟ یا اپنی محبت کا یقین نہیں۔'' اس کی بات سن کے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، بے موقع محل بات کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔

''منہ دھو رکھو، کزن ہونے کے ناطے کہہ رہی ہوں ورنہ مجھے پرواہ نہیں۔'' جو منہ میں آیا کہہ کے وہاں سے کھسک لی، پتا نہیں کیا ہوتا جا رہا تھا اس جمال کو، عجیب معنی خیز باتیں کرتا تھا، دیکھنے کے انداز بھی بدل گئے تھے اور میں بھی پڑی، جاہل لڑکیوں کی طرح کیوں بی ہیو کرنے لگتی ہوں اس کے سامنے؟ اس بات کا جواب نہیں تھا میرے پاس۔

''میری بلا سے۔'' سر جھٹک کے جیسے میں نے سوچوں کو بھی جھٹکا تھا۔

☆☆☆

''چائے بنی تو دروازہ ناک کر دینا، میں آ کے لے جاؤں گا۔'' فرخ بھائی کہہ کے یہ جا وہ جا، چائے ہوتی تو وہ میں ہی بنا دیتی، چائے کے ساتھ جن لوازمات کا انہوں نے آرڈر دیا تھا اس کے لئے میرا اکیلا ہونا کافی نہیں تھا ثمرین کی ہیلپ بھی چاہیے تھی، جبکہ ردا کو ہم نے عریشہ پہ نظر رکھنے کی ذمہ داری سونپی تھی، کیونکہ پچھلی دفعہ جب آئی تھی تو ہماری لاپرواہی سے فائدہ اٹھا کے کبھی مرچیں تیز کر دیتی تھی، سالن میں اور کبھی نمک تا کہ بڑوں سے ہماری عزت افزائی ہو، اس لئے اب اسے کچن میں اکیلا چھوڑنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا فرخ بھائی کے دوست آئے تھے، اس لئے ان کے لئے خاص اہتمام تو لازم تھا۔

''لو جی، سموسے اور کٹلٹس تیار ہیں۔'' ثمرین نے ٹرے میں سلیقے سے سارے لوازمات رکھتے ہوئے مطلع کیا، میں نے بھی چائے کو آخری پچ دیا تھا۔

''آج تو بی بی نظر نہیں آ رہیں۔'' عریشہ بار بار باہر کہیں غائب ہو جاتی تھی ردا نے کیک کاٹتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''ہاں بس پانچ دن رہ گئے ہیں اس کے جانے میں۔'' میں نے جیسے خود کو تسلی دی تھی۔

''فرخ بھائی کہہ رہے تھے ہم مغرب کی نماز پڑھنے جا رہے ہیں ہمارے آنے سے پہلے چائے روم میں رکھ دینا۔''

وہ بوتل کے جن کی طرح نمودار ہوئی تو ہم ہڑبڑا کے رہ گئے، ویسے ہی تو میں اسے پھٹا ہوا ڈھول نہیں کہتی تھی، خیر ہم نے ٹرے اٹھائی اور بھائی کے روم میں اندھا دھند گھسے اور اگلا ہی لمحہ قیامت کا لمحہ تھا، بھائی اور ان کے دوست لیپ ٹاپ پہ جھکے نہ جانے کون سی گتھیاں سلجھا رہے تھے ہمارے یوں سر جھاڑ منہ پہاڑ کمرے میں گھسنے پہ سب کی نظریں بے ساختہ اٹھی تھیں ہمارے پاؤں جیسے زمین نے جکڑ لئے تھے، عریشہ میدان ایک دفعہ پھر مار گئی تھی، بھائی کی آنکھوں سے نکلتے شعلوں میں جیسے ہم بھسم ہو گئے

تھے، ان کے دوست اب نظریں ہٹا چکے تھے، ٹرے وہیں نیچے رکھ کر ہم سر پہ پاؤں رکھ کے بھاگے، پر بعد میں کہاں بھاگتے بھائی کے عتاب سے، اس لئے ہماری خوب عزت افزائی ہو رہی تھی اور ہم بس کف افسوس ملتے رہ گئے، اپنی لاپرواہی پہ، جو اس چڑیل کی بات پہ یقین کرنے کی غلطی کر بیٹھے تھے وہ مزے سے پھپھو کو مٹھیاں بھر رہی تھی، جمال کی نظروں میں بھی افسوس تھا، نہ جانے ہمارے لئے یا ہمارے کیے پہ۔

☆☆☆

''میں دیکھ رہی ہوں تم ماں بیٹے کا جھکاؤ اس پر کٹی کبوتری کی طرف۔'' جمال کو ٹی وی دیکھتا دیکھ کے میں اس کے سر پہ جا پہنچی تھی۔

''اُف......اب کیا ہوا؟''

''اکلوتی ہے نا، امیر بھی ہے، پر پیاری تو ذرا نہیں، چھوٹے چھوٹے بال اور میک اپ سے لتھڑا تھوبڑا پتا نہیں تم لوگوں کو......''

''اوہو عروج! کیا بچوں جیسی باتیں کرتی ہو، منفی سوچ مت رکھو، اس کی اچھی عادات کی وجہ سے امی سے بنتی ہے اس کی، باقی میں تو......''

''کیا میں تو؟ اس کے چٹکلوں پہ قہقہے سب سے اونچے تمہارے ہی ہوتے ہیں۔'' میں پھاڑ کھانے کو دوڑی۔

''باقی وہ پیاری ہو نہ ہو میرا کیا لینا دینا، اپنی ذات پہ اعتماد رکھو اور مجھ پہ بھی۔'' اس کے لہجے کا ٹھہراؤ ہنوز برقرار تھا، وہ اور بھی بہت کچھ کہہ رہا تھا پر میرے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔

''وہ تو شرارتیں کرتی ہے جس کا تم لوگ برا منا جاتی ہو۔''

''کیا کیا کیا؟ شرارتیں؟ بھری محفل میں عزت اتار دینا کہاں کی شرارت ہے؟ بھائی کے سامنے تو ہمیں ذلیل کرنے کی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتی۔'' اس کی بات سن کے تو جیسے میرے لگ گئے، اسی لئے تن فن کرتی وہاں سے گئی۔

''اپنا یہ سوٹ مجھے دو، میں پہن کے ا خالہ کے گھر جاؤں گی۔'' اس کے ہاتھ میں آف وائٹ سوٹ دیکھا جس پہ گولڈن کام تو میرا پسندیدہ سوٹ تھا یہ۔

''نہیں...... میں نے ابھی ایک دفعہ بھی خ نہیں پہنا تو۔'' اس کے ہاتھ سے میں نے سوٹ انتہائی بے مروتی سے چھینا تھا، ساتھ صاف جھوٹ بولا، پارٹی میں پہن چکی تھی میں اسے کیوں دوں اپنا سوٹ، میرے اس طرز عمل وہ چپ سی ہو گئی، دل خفا بھی ہوا پر پھر اس کارستانیاں یاد آ گئیں تو دل کو چپ کروا دیا ڈانٹ کے۔

☆☆☆

ہماری مشترکہ دوست کرن کی شادی تھ بڑی مشکل سے ابو سے اجازت لی تھی اس بارات پہ جانے کی، کیونکہ دوسرے شہر میں جا۔ کی اجازت اتنی آسانی سے نہیں ملتی تھی، کلاس فیلو تو میری تھی وہ کالج میں پر ہمارے گھر آنا ج رہتا تھا اس کا تو اب اس کی دوستی ثمرین اور سے بھی تھی، وہ دونوں تو اپنے سوٹ رات کو پریس کر کے سوئیں تھیں میں سدا کی ست مزا واقع ہوئی تھی۔

''یہ کیا......؟'' شرٹ کے عین بیچ و استری جتنا جلنے کا نشان واضح تھا، ا خوبصورت سوٹ کا یہ حشر دیکھ کے میری چیخ نکا گئی، ردا بھی پھٹی پھٹی نظروں سے بس سوٹ دیکھے جا رہی تھی، یہ شیطانی اسی ڈائن کی تھی برداشت جواب دے چکی تھی، آندھی طوفان مانند میں سیڑھیاں اتر کے عریشہ کے سر پہ پہنچ دھاڑی تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' شرٹ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا کے انتہائی کینہ طوز نظروں کا وار کیا تو وہ سہم گئی۔

''اے شیطان کیا ہوا؟'' امی نے اپنا چشمہ درست کرتے ہوئے پوچھا۔

''میری شرٹ اس نے جلا دی ہے۔'' میں رونکھی ہو گئی تھی۔

''کمال ہے بیٹا! خود جلا کے الزام کسی اور کے سر ڈالنا بھلا شرافت ہے کوئی؟'' پھپھو مجھے اس سمے زہر لگیں، پانسہ ہی الٹا محسوس ہوا۔

''ہائے ناس پٹی! اتنا مہنگا سوٹ جلا ڈالا۔'' امی میری بات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے سوٹ کا رونا رونے لگیں۔

''میں نے نہیں عریشہ نے جلایا ہے۔''

''استری لے کے تو تم اوپر گئی ہو ابھی، الزام لگاتے ہوئے شرم نہیں آتی؟ گھر آئی بچی پہ؟'' امی کمر پہ ہاتھ رکھ کے اب ریڈی ہو گئی تھیں، میری درگت بنانے کے لئے۔

''میری بات کا کوئی یقین کیوں نہیں کرتا؟'' میں چلا اٹھی تھی۔

''یقین کرنے کو کوئی ثبوت بھی تو ہو بیٹا! اگر تم سے جل ہی گیا ہے تو دل مت چھوٹا کرو، میں بنوا دوں گی۔'' پھپھو نے جیسے میری سات پشتوں پہ احسان کیا تھا۔

''امی! یہ سوٹ عریشہ نے ہی جلایا ہے، اس دن بھائی کے کمرے میں بھی اس نے ہمیں بھیجا تھا۔'' ردا بھی بولی تھی مجھے یوں تن تنہا دیکھ کے۔

''ہائیں ہلیں ہائیں...... یہ میری اولاد ہے؟ ایک نمبر کی نکمی اور بدزبان، الزام پہ الزام دھرے جا رہی ہیں میری معصوم بچی پہ۔'' امی کی تو آنکھیں کھل گئی تھیں، پھپھو اپنی مسکراہٹ چھپا گئیں۔

''ہم کدھر نکمے ہیں؟ وہ تو آپ ہیں سارا دن آپ اور پھپھو بیٹھی رہتی ہیں چارپائی پہ، ہم پڑھنے کے باوجود سارا کام کرتے ہیں، شادی سے پہلے ہی اتنے ظلم۔''

''عروج!'' بھائی کی دھاڑ پہ الفاظ میرے منہ میں ہی کھو گئے کہیں۔

''یہ سیکھتی ہو یونیورسٹی میں؟ اتنی لمبی زبان ہے تمہاری؟ بان سے کوئی ایسے بات کرتا ہے؟ شرم سے ڈوب مرو۔'' لاؤنج کے دروازے میں ان کو ایستادہ دیکھا تو بے بسی سے رونا آ گیا، جمال بھی ان کے پیچھے کھڑا تھا۔

''ایسی اولاد سے اچھا ہے بندہ بے اولاد ہی رہے، گز بھر زبان ہے اس کی، آپا! میری مانیں تو ابھی بھی وقت ہے سوچ لیں، دیکھ لیں اس کی زبان۔'' اب کے وہ پھپھو سے مخاطب تھیں۔

انہوں نے کیا کہا تھا میں نے سنا نہیں، پاؤں پٹخ کے واک آؤٹ کر گئی تھی میں۔

☆☆☆

صبح اس کی فلائیٹ تھی آٹھ بجے کی خوشی کے مارے ہمیں تو نیند نہیں آ رہی تھی، بڑی مشکل سے کروٹ پہ کروٹ لے لے کے آنکھ لگ گئی تھی، چھ بجے الارم بولنے سے پہلے ہی میری آنکھ کھل گئی تھی، ہاتھ منہ دھو کے کچن میں آئی، امی ناشتہ بنانے کی تیاری کر رہی تھیں۔

''تو؟ اتنی سویرے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے۔'' خلاف معمول مجھے دیکھ کے ان کا تفکر بجا تھا۔

''ایسے ہی، میں آملیٹ بناتی ہوں۔'' اپنی ہی دھن میں پیاز ٹماٹر کاٹنے لگی۔

''بچی نہیں ہوں میں، سب سمجھتی ہوں، میری بچی کی جانے کی خوشی ہے تجھ منحوس ماری کو۔'' امی کی تیز پاٹ دار آواز گونجی تھی، میں نے

بھی نفی نہ کی، بس کھلکھلا کے ہنس دی، ساڑھے چھ ہوئے تو مجھ سے صبر نہ ہوا ثمرین اور ردا کو بھی جگا دیا۔

''امی! فرخ بھائی کو بھی جگا دوں؟ عریشہ کو ائیر پورٹ وہی لے کے جائیں گے نا؟'' ردا نے بھی تیزی دکھائی۔

''صرف فرخ کیوں؟ میں بھی جاؤں گی، تم لوگ نہیں جاؤ گی؟'' امی برا منا گئیں۔

''اوہو ہم بھی جائیں گے، آدھا گھنٹہ تو ائیر پورٹ تک لگے گا، ابھی جگائیں یا سب کو، ناشتہ کرتے تیار ہوتے ساڑھے سات تو ہو جائیں گے۔'' ثمرین نے اپنے تئیں انہیں سمجھانا چاہا۔

''ہاں، یہ بھی ہے، جاؤ فرخ کو جگاؤ وہ تو نہاتا بھی ہے ناشتے سے پہلے۔'' امی نے گویا اجازت دے دی، ردا ان کو جگا آئی تھی۔

''وہ...... امی! عریشہ کو بھی نہ جگا دیں؟'' میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''کیوں؟ ابھی تو پونے سات ہیں، ساری پیکنگ کر کے سوئی ہے وہ، بس ناشتہ کر کے جانا ہی ہے اسے، سات بجے جگانا۔'' ہم بس انہیں دیکھ کے رہ گئے، بڑی مشکل سے گھڑی نے سات بجائے تھے۔

''عریشہ! اٹھو۔'' میں نے اس کا کندھا ہلایا تھا، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

''اٹھو نا۔'' میں نے اسے جھنجھوڑا، پر وہ تو گدھے گھوڑے بیچ کے سوئی پڑی تھی۔

میری تمام کوششیں بے سود ثابت ہوئیں، دل پہ ہاتھ رکھ کے چیک بھی کیا کہ مر مرا تو نہیں گئی کہیں، پر ایسے لوگ اتنی جلدی کہاں مرتے ہیں اس کی ڈھٹائی پہ کڑھتی ہوئی ثمرین اور ردا کو بلا لائی، وہ بھی پریشان ہو گئیں۔

''اٹھ۔'' ثمرین نے اسے ہلایا۔

''چڑیل...... ڈائن...... اٹھ...... ہمیں پتا ہے تو جانا نہیں چاہتی...... ڈرامہ کر رہی ہے۔'' ثمرین تو جیسے آج سارے حساب بے باق کرنے کے موڈ میں تھی۔

''اٹھو نا۔'' ردا بھی بیڈ پہ چڑھ کے اسے ہلانے لگی۔

''اٹھتی ہے یا گلا دباؤں؟'' میں نے ہاتھ اس کے گلے پہ رکھ کے دھمکی دی، ویسے بھی اس کے ظلم و ستم ذہن کی اسکرین پہ جھلملائے تھے اور اس کی آنکھیں پٹ سے کھل گئیں، میں نے گھبرا کے ہاتھ پیچھے کیا تھا، کھسیا گئی تھی میں مگر ثمرین پرسکون تھی۔

''اٹھ گئیں؟ اٹھو تیار ہو، ساڑھے سات تک تمہیں جانا ہے، ورنہ فلائیٹ مس ہو جائے گی۔'' ثمرین نے گھڑی دیکھ کے کہا، سوا سات تو ہونے کو تھے اور پھر واش روم میں وہ گھسی تو ہم دروازہ پیٹ پیٹ کے تھک گئے، مگر وہ برآمد ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

''نکل نا عریشہ کی بچی، ساڑھے سات ہونے کو ہیں۔'' ہم دروازہ بجا بجا کے روہانسے ہو گئے اس نے تو جیسے قسم کھا رکھی تھی نہ جانے کی۔

''آئے ہائے بے غیرتو، اس کو غسل خانے میں بھی چین سے نہیں چھوڑو گی؟ جس گھر میں جاؤ گی آگ لگاؤ گی۔'' امی بھی دھینگا مشتی کی آواز سن کے اوپر چلی آئی تھیں۔

''فلائیٹ مس ہو جائے گی نا۔''

''تو ہونا، کون سا جنت کا ٹکٹ مس ہو جائے گا؟'' امی ہمیں برا بھلا کہتی چلی گئیں، ہمیں بھی مجبوراً لاؤنج میں آنا پڑا، فرخ بھائی اطمینان سے خبر نامہ ملاحظہ کر رہے تھے، ساڑھے سات ہو گئے تھے، مگر ان کے چہرے پہ کوئی پریشانی ڈھونڈنے

سے بھی نہ مل رہی تھی اور وہ سیڑھیاں اترتی نظر آئی، ابھی تو اس نے ناشتہ بھی کرنا تھا۔

''سوری پھپھو چ...... آہ......'' دوسرے ہی پل وہ سیڑھیوں سے لڑھک آئی تھی، بمشکل سے دو سیڑھیوں سے جان بوجھ کے گری تھی وہ پر اس کی دلدوز چیخوں نے گھر سر پہ اٹھا لیا تھا، امی، پھپھو اور فرخ بھائی تو اسکی جانب بھاگے تھے۔

''ہائے پھپھو جان! ہائے بابا جان، میرا پاؤں نکل گیا۔'' اس کے اس نئے ڈرامے پہ ہمارا دل خون کے آنسو رونے لگا۔

''بس میری بچی، ابھی ڈاکٹر کو بلاتے ہیں۔'' پھپھو اسکا سر سہلا رہی تھیں۔

''نہیں...... میں نے گھر جانا ہے۔''

''ایسے کیسے گھر جانا ہے؟ ٹوٹے ہوئے پاؤں کے ساتھ بھیج دوں، جہاز پہ بٹھا کے، میرا بھائی کیا سوچے گا، تو بہ بھاڑ میں گئی فلائیٹ نہیں جاؤ گی تم کہیں۔'' امی کا پیار مجھے زہر لگنے لگا، تھک ہار کے ہم صوفے پہ ڈھے گئے تھے۔

☆☆☆

''تمہارے ماموں ممانی بھی پاکستان آ رہے ہیں۔''

''تو؟'' امی کے کہنے پہ میں نے بھنویں اچکائیں۔

''تو کیا کیا مطلب؟ زبان نہیں ہے تیرے منہ میں انگارے چباتی ہے۔'' امی حسب سابق شروع ہو چلی تھیں۔

''آپ کے خاندان والوں نے ہمارے گھر کی راہ ہی لے لی ہے۔''

''کیڑے پڑیں تیری زبان میں، میرا بھائی تیرے گھر نہیں آ رہا، اپنے گھر آ رہا ہے، اور آیا کون ہے جو تو میرے خاندان کے بخیے ادھیڑ رہی ہے؟ آنے دو ثمرین کو، اس کو بھی بتاؤں گی پیٹھ پیچھے اس کے تمہارے نیک خیالات۔''

''امی میں تو۔'' ان کی زبان فراٹے بھر رہی تھی، اس سے پہلے کہ ثمرین اور ردا آ جاتیں کالج سے میں نے ان کو چپ کرانے کی سعی کی۔

''ثمرین تو بہن جیسی ہے میری، اس کی بات تو نہیں کر رہی، میں تو عریشہ......''

''بستر پہ پڑی ہے بچی، تم لوگوں نے اس پہ اس دن ایسا ہلہ بولا کہ وہ ڈگمگا کے گری تھی اور وہ اس نے اپنے ماں باپ کو ہوا تک نہ لگنے دی کہ پاؤں میں موچ ہے۔''

''پاؤں ہی نکلا ہے، ٹوٹا تو نہیں ہے۔'' میں جی بھر کے بدمزہ ہوئی تھی، ہفتے سے بستر پہ پڑی تھی کبھی تیل ہلدی سے مالش ہوتی تو کبھی کسی سے ڈاکٹر نے بھی اچھا کام کیا تھا اس کے ساتھ پاؤں ہوا میں معلق رکھنے کے لئے چھت پہ لگے پنکھے سے باندھ دیا تھا، وہ تو دن کو میں کسی کام سے روم کی جانب گئی تو کھڑکی سے دیکھا، میرے قدموں کی چاپ سن کے جمپ لگا کے بیڈ پہ چڑھی تھی اور پاؤں چادر کے پھندے میں پھنسا کے لیٹ گئی تھی، میرا شک سچ نکلا تھا، یہ سب نرا ڈرامہ تھا، پر میری بات پہ یقین کون کرتا۔

''اپنا بھی نکلا تو پوچھوں گی بی بی۔''

''افوہ امی، میں تو خوش تھی کہ گھر میں ہی شادی ہو گی، پر آپ تو میری ماں نہیں ساس بنی ہوئی ہیں، وہ بھی پرانے زمانے کی۔'' میں نے بھی آنسو آنکھوں میں بھر کے انہیں دیکھا کہ شاید ان کا دل پسیج جائے۔

''مگر مچھ کے آنسو نہ بہا، ڈرامے باز، چل کھانا لے کے جا عریشہ کے لئے۔'' نظریں چرا کے نیا حکم صادر کیا، میں بھی انہی کی بیٹی تھی، دل ان کا ضرور موم تھا، بس زبان سخت تھی۔

''میری پیاری امی۔'' میں نے ان کو گال پہ

پیار کیا تھا۔

"لو بھلا خواہ مخواہ ہی۔" وہ جھینپ گئی تھیں۔

عریشہ کے لیئے چاول پلیٹ میں ڈال کے میں روم میں آ گئی تھی، جو لیٹی ہوئی تھی منہ پہ تکلیف دہ آثار لے کے۔

"یہ ڈرامہ کب تک جاری رکھو گی؟"

"کون سا ڈرامہ؟" وہ کمال کی اداکارہ تھی۔

"یہ پاؤں والا، یہ ڈرامہ فوراً بند کرو ورنہ۔"

"ورنہ کیا؟"

"میں یہ بٹن آن کر دوں گی پنکھے کا پہلے تو پاؤں نکلا نہیں پھر ضرور نکل جائے گا، بلکہ ٹوٹ جائے گا۔" یہ کہتے ہوئے میں نے بٹن پہ ہاتھ رکھا۔

"نہ نہ...... یہ مت کرنا۔" وہ پاؤں کھول کے ایک دم نیچے اتری تھی بیڈ سے تیر نشانے پہ لگا تھا، میں نے اسے اتنا حواس باختہ کیا کہ اسے یاد بھی نہ رہا کہ پاکستان ہے یہ بجلی گئی کب ہوتی تھی۔

"کیوں کرتی ہو اوچھی حرکتیں؟" میرا لہجہ سرد تھا۔

"میں تو بس شرارت کرتی ہوں۔" اس نے شرمندگی سے جواب دیا تھا دروازے پہ جمال حیران پریشان کھڑا تھا، ہم دونوں کی نظر اس پہ پڑی تو وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا ندامت کے سائے مزید گہرے ہوئے تھے عریشہ کے چہرے پہ۔

"تم لوگ مجھے توجہ نہیں دیتی تھیں جیسے ثمرین کو دیتی تھیں، میں تو رشتوں کو ترسی ہوئی لڑکی تھی، تم لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لئے میں اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتی تھی، پھر تم لوگوں کو باقی گھر والوں کے سامنے نیچا دکھا کے مزہ بھی آتا تھا۔" وہ میکانکی انداز میں بولتی گئی اور میں دم سادھے سن رہی تھی۔

"مجھے پھپھو اور آنٹی (پھپھو) انکل وغیرہ کی محبت اچھی لگتی تھی، ان کی نظروں میں میں معتبر بننا چاہتی ہوں، پھر یہ گھر مجھے اچھا بھی بہت لگتا ہے سادہ بے ریا لوگ ہیں یہاں، میں نہیں جانا چاہتی یہاں سے اور میری شرارت کبھی ایسی تو نہیں ہوئی کہ کسی کو جانی نقصان ہوا یا کوئی اور بڑا نقصان، پھر مجھ سے اتنی نفرت کیوں؟" اب وہ سراپا سوال بنی کھڑی تھی، ٹھیک ہی کہتی تھی وہ، ہم اسے وہ مقام وہ محبت نہیں دے سکے تھے جو ثمرین کو دیا تھا، پتا نہیں کیوں؟ بس ہوتے ہیں کچھ لوگ جو اچھے نہیں لگتے دل کو یا پھر ہم خود ہی فاصلے پیدا کر دیتے ہیں، میں وہاں سے نکل آئی تھی، اس کی شخصیت میں خلا تھا اکیلی تھی وہ، ماموں تو دن کو کام کرنے جاتے تھے، ممانی کو اپنی فرینڈز سے فرصت نہیں تھی، تب ہی تو یہ پاکستان آئی تھی، امی بھی سمجھتی تھیں تب ہی اسے ماں جیسا پیار دیتی تھیں۔

☆☆☆

"تم ٹھیک ہی کہتی تھی، عریشہ تو ایک نمبر کی ڈرامے باز ہے۔" جمال کی بات پہ مجھے کوئی خوشی محسوس نہ ہوئی، کوئی اور وقت ہوتا تو شاید میں خوشی کے مارے کھل اٹھتی۔

"تم جیسی چہرے سے خوبصورت ہو ویسی دل کی بھی پیاری ہو، منافقت سے پاک۔" وہ میری تعریفیں کر رہا تھا، میں بس پھیکا سا مسکرائی تھی۔

"یار! عریشہ اتنی بھی بری نہیں جتنی ہمیں لگتی ہے۔" میرے کہنے پہ ردا اور ثمرین مجھے یوں دیکھنے لگیں جیسے میرا دماغ چل گیا ہو۔

"وہ اتنی نہیں اس سے کہیں زیادہ ہے۔" ثمرین نے ناگواری سے کہا۔

"اور ایک نمبر کی بدتمیز، مجھ پہ تو اتنا رعب جھاڑتی ہے۔" ردا نے منہ بنایا۔

"یار ہم خود ہی اسے وہ مقام نہیں دیتے جو اسے دینا چاہیے، سوچا نا، ورنہ وہ ایک محبت کرنے والی لڑکی ہے۔"

"ہاں، رشتوں کی پیاسی، توجہ کی حقدار۔" امی اور پھپھو بھی آ گئی تھیں۔

"جی۔" ہم تینوں نے یک زبان کہا۔

"جی ہاں، ہم نے تو فرخ کے لئے اسے مانگ بھی لیا ہے۔" امی نے سکون سے مطلع کیا۔

"واٹ؟" ہم تینوں ہی اچھل پڑے، سر گھومنے لگا، کہاں تو مجھے ڈر تھا کہ وہ میرا منگیتر چھین لے گی، مگر یہاں تو بازی ہی الٹ گئی تھی، ہمارا اکلوتا خوبصورت گھبرو جوان بھائی ہی لے اڑی تھی وہ تو، بھائی کی اس پہ مہربانیاں سمجھ آنے لگیں، کہاں تو ایک ماہ برداشت نہیں ہوتی تھی، اب پوری زندگی ہمارے سینوں پہ مونگ دلنے والی تھی۔

"آپ کو کوئی اور نظر نہ آئی؟" ردا نے دکھ سے پوچھا۔

"نہیں...... اس جیسی کوئی نہیں۔" پھپھو نے اطمینان سے جواب دیا اور پھر خراماں خراماں کمرے سے چلی گئیں ہم بس ٹکر ٹکر ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے۔

"ٹھیک ہی کہتی ہے عروج! ہم نے اسے وہ مقام ہی نہیں دیا جس کی وہ حقدار تھی۔" ثمرین کھوئی ہوئی سی بولی۔

"ہاں، اب تو اس مقام سے بڑھ کے مقام دے دیا امی نے اسے۔" ردا بھی مری ہوئی آواز میں بولی۔

"بس اب اس سے دشمنی ختم کر کے دوستی کا ہاتھ بڑھانا ہو گا۔" میں نے بھی کہا۔

"یہ لو۔" ہم تینوں کے سامنے عریشہ کا ہاتھ تھا، ہمارے ہاتھ بڑھانے پہ اس نے ایک دم ہاتھ کھینچ لیا تھا اور پھر ہم چاروں کھلکھلا کے ہنس دیں۔

☆☆☆

سحر کی سولی

سندس جبیں

''مجھے جھوٹ بولنے والوں سے سخت نفرت ہے۔''

صبح ہی صبح ناشتے کی میز پہ ''طالعہ'' نے خاصے خراب موڈ میں کہا تھا، فاروق احمد نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''آپ سے کس نے جھوٹ بولنے کی جرأت کرلی طالعہ؟'' انہوں نے حیرانی ظاہر کی۔

طالعہ نے خفا نظروں سے انہیں دیکھا جیسے ان کے انجان بننے پہ ناراض ہو۔

''ابو! خاور نے پھر مجھ سے جھوٹ بولا۔'' وہ افسردگی سے بولی تھی، فاروق احمد چونک گئے۔

''کیسا جھوٹ؟''

''اس نے کہا تھا کہ وہ فرائیڈے تک واپس آجائے گا مگر آج سنڈے ہے اور اس شخص کا کچھ پتا نہیں۔'' وہ بے چین سی تھی۔

''تو بیٹا جی! آپ خود اس سے پوچھ لیتیں۔'' انہوں نے سہولت سے کہا اور چائے کا مگ اٹھالیا۔

ناولٹ

''مگر میں کیوں پوچھتی؟'' وہ اکڑ گئی۔

''اتنے حتمی لہجے میں بات نہیں کرتے طالعہ! وہ ضرور کہیں مصروف ہوگا، آپ خود کر لیتیں نا؟'' انہوں نے پیار سے سمجھایا تھا۔

''مگر جب اس نے کہا تھا تو اسے آجانا چاہیے تھا۔'' وہ ہنوز اسی لہجے میں بولی تھی۔

''دوستی کے درمیان انا نہیں، ہونی چاہیے بیٹا! یہ سب کچھ برباد کر دیتی ہے۔'' وہ فلسفیانہ انداز میں بولے تھے۔

''ابو جان! آپ کو اچھی طرح پتا ہے کہ میں بالکل انا پرست نہیں ہوں۔'' وہ احتجاجاً بولی تھی۔

وہ ہلکے سے مسکرا دیئے، چائے کا مگ واپس دھرا اور اس کی طرف دیکھا۔

''تو پھر اب تک آپ نے اس سے پوچھا،

کیوں نہیں کہ وہ کب آ رہا ہے؟" جواباً وہ خفیف سی ہو گئی۔

"مجھے لگتا ہے مجھے اس کو کال کر ہی لینی چاہیے۔" وہ آہستہ آہستہ سلائس کترنے لگی۔

"بالکل، میں چلتا ہوں، یونیورسٹی نہیں جائیں گی آپ؟" انہوں نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ابو! آج تو سنڈے ہے۔" وہ انہیں یاد دلاتے ہوئے ہنس دی۔

"اوہ اچھا، میں بالکل فراموش کر چکا تھا۔" وہ کہتے ہوئے باہر کی جانب مڑ گئے۔

"اللہ حافظ ابو۔" وہ بلند آواز سے بولی تھی۔

وہ زیرلب "اللہ حافظ" کہتے باہر نکل گئے، ان کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر میز پر نظریں جمائے کچھ سوچتی رہی پھر سر جھٹک کر چائے کے سیپ لینے لگی، ابھی اس نے چائے ختم ہی کی تھی جب اس کی ملازمہ آ گئی۔

"فریدہ! تم یہ میز سے برتن اٹھا لو اور کچن دیکھ لو پھر میں آگے کا کام تمہیں سمجھاتی ہوں۔" وہ ہدایت دیتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اس نے سیل فون اٹھایا اور خاور کو کال کرنے لگی، مسلسل پانچویں بیل پر بھی فون نہیں اٹھایا گیا، اس نے تشویشی انداز میں فون کو دیکھا اور ایک بار پھر کال ملانے لگی اور اگلے ہی لمحے اسے دھچکا لگا، فون کاٹ دیا گیا تھا۔

"خاور نے میرا فون کیوں نہیں ریسیو کیا؟" وہ حد درجہ الجھ گئی تھی۔

اس نے ایک بار پھر امید و یاس میں ڈولتے ہوئے کال کی اور اسے دوسرا دھچکا لگا، خاور کا نمبر اب بند جا رہا تا، وہ چند لمحے خالی الذہنی کے عالم میں بیٹھی رہی، پھر فون ایک طرف ڈال کر خود اٹھ

ئی۔

"کیا وہ مجھ سے بہت ناراض ہے؟ میں نے تو اس سے کچھ بھی نہیں کہا تھا، میر اس سے کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔" وہ الجھاد میں گھری سوچے جا رہی تھی۔

☆☆☆

ساحل سمندر پر چہل قدمی کرتے ہو اس نے اپنی دو سالہ بیٹی کو ہوا میں اچھالا جو کہ کے بازوؤں میں آتے ہی کھلکھلا اٹھی تھی اس بے ساختہ اس رحمت و برکت کے پرنور وجود ماتھے پر بوسہ دیا اور اپنے ساتھ چلتی نورالعین محبت پاش نظروں سے دیکھا تھا۔

"تمہیں پتا ہے احمد! تم میں کیا چیز اٹریکٹو ہے؟" نورالعین مسکرا کر بولی تھی۔

"کیا؟" وہ اشتیاق سے پوچھنے لگا۔

"تم بہت Startling (چونکا دینے والی چیز) ہو۔" اس نے نیوز کاسٹرز کے سٹائل میں انکشاف کیا، اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"Startling؟ وہ کیسے؟"

"تم واقعی ایسے ہو، تمہاری ہر ادا، ہر بات، ہر عمل...... ہر چیز...... ہر ہر چیز چونکا دینے والی ہے۔" وہ بڑے اطمینان سے بولی تھی۔

"اچھا؟" وہ ناقابل یقین نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

"ریئلی، میں سچ کہہ رہی ہوں، مجھے سچ میں کچھ پتا نہیں ہوتا کہ کس بات پر تمہارا کیا ردعمل ہو گا؟ کسی بات کے جواب میں تم کیا کہو گے؟ کسی سے مل کر تم کیا ری ایکٹ کرو گے، آئی ڈونٹ نو۔" وہ شانے اچکا کر بولی تھی، اس نے افسوناک نظروں سے نوالعین کو دیکھا۔

"پھر تم مجھے Startling نہیں Unpredictable کہو۔" اس کے لہجے میں

وہ آہستہ سے ہنس دی۔

دیکھا تم برا مان گئے، میں توقع کر رہی تھی مجھ سے تفصیل جانو گے کہ آخر ایسی کیا وجہ میں تمہیں ایسا لگتا ہوں مگر تم نے مجھے ہمیشہ ح غلط ثابت کر دیا۔"

نور! پلیز......" وہ احتجاجاً بولا تھا۔

اوکے...... اوکے...... میں تمہیں ہرٹ نا چاہتی تھی، سوری۔" نورالعین نے فوراً انداز میں ہاتھ اٹھا دیئے۔

کوئی جواب دیئے بغیر چہل قدمی کرتا رہا، من نے دو تین بار اس کو دیکھا کہ شاید وہ لے مگر وہ ہنوز چپ تھا۔

کہاں گم ہو؟" وہ زیادہ دیر اس کی لی برداشت نہیں کر سکی۔

"میں حساب کتاب کر رہا ہوں۔" وہ کی سے بولا۔

"حساب کیسا؟" وہ چونکی۔

"یہی کہ ہم کتنے سالوں سے ساتھ ہیں؟" ن ٹون میں بات کر رہا تھا۔

"یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو احمد؟" اس کا اب ہونے لگا۔

"بتاؤ ناں؟" وہ اصرار کرنے لگا۔

"آٹھ سالوں سے۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"آٹھ سالوں سے۔" وہ زیرلب بڑبڑایا، برانگی سے اس کی طرف سے مڑا تھا۔

"ہم نے چار سال یونیورسٹی میں اکٹھے ارے تھے نورالعین! کیا یہ چار سال کافی نہیں Mutual compatibility کے ؟" اس کے سوال نے نورالعین کو مشتعل کر

"تمہارا مطلب ہے کہ ہم میں کوئی Mutual compatibil نہیں ہے؟"

وہ چبھتے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

"تمہاری باتوں سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔" وہ پرسکون سا بولا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس کے اس سکون نے نورالعین کو مزید مشتعل کر دیا تھا۔

"یعنی ہمارا آٹھ سالوں پر مشتمل تعلق...... ہماری شادی...... کچھ بھی نہیں جسٹ فیک۔" وہ بھڑک اٹھی تھی اور اس کا لہجہ بھی معمول سے بلند ہو گیا تھا، احمد کے چہرے پر ناپسندیدگی کے تاثرات ابھرے تھے۔

"ہائپر ہونے کی ضرورت نہیں نور، بات یہ نہیں کہ ہمارا تعلق پیور ہے یا فیک، بات یہ ہے کہ آخر ایسا کون سا جگسا پزل ہوں میں جو تمہیں میری سمجھ نہیں آتی، میری کیا چیز پریشان کرتی ہے تمہیں؟ میں جاننا چاہتا ہوں۔" وہ رسانیت سے بولا تھا۔

وہ بھی ٹھنڈے انداز میں بیٹھ گئی، گیلی ریت نے اسے عجیب سی ٹھنڈک پہنچائی تھی، چند لمحے وہ آتی جاتی لہروں کی روانی دیکھتی رہی پھر بے بسی سے ہونٹ کاٹتی اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے خود سمجھ نہیں آتی، میں سمجھنے کی کوشش کرتی ہوں مگر ناکام ہو جاتی ہوں، میں پتا نہیں۔" وہ بے ربط سی ہر کر بات ادھوری چھوڑ گئی۔

احمد کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا تھا، وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر ایک جھٹکے سے اٹھا اور پارکنگ کی سمت چل پڑا، نورالعین نے بھی اس کے پیچھے قدم بڑھا دیئے، وہ اب اپنی گاڑی میں رکھے جوتے نکال کر پہن رہا تھا، پھر اس نے فولڈ کی ہوئی جینز کے پائنچے نیچے کیئے اور ننھی گڑیا کو نورالعین کو تھما دیا، وہ اب فرنٹ سیٹ پر براجمان ہو کر گاڑی سٹارٹ کر رہا تھا، نورالعین

نے گڑیا کو گود میں بھرتے ہوئے گاڑی کا دروازہ کھولا اور سیٹ پر بیٹھ کر زور سے دروازہ بند کر دیا تھا۔

''ایک چھٹی اور وہ بھی برباد۔'' انجن کے شور میں وہ مدھم سا بڑبڑائی تھی، وہ نہیں جانتی تھی الٹی گنتی شروع ہو چکی تھی، گاڑی تیزی سے بیک ہوئی اور ٹائروں کی چرچراہٹ سے فضا گونج اٹھی تھی۔

☆☆☆

سورج کی سنہری روشنی اور نرم دھوپ نے پورے کیمپس کو اپنی آغوش میں سمیٹا ہوا تھا، طلبہ کی ٹولیاں گھاس پر براجمان اپنے اپنے مشغلوں میں مصروف تھیں، اسی جمگھٹے میں ایک طرف گھنے درخت کی چھاؤں اور دھوپ کے ملے جلے امتزاج میں وہ دونوں بھی خاموشی سے بیٹھے تھے، دونوں کے تنے ہوئے چہرے بتاتے تھے کہ وہ جس بحث میں گزشتہ آدھ گھنٹہ سے مصروف تھے وہ یکسر لاحاصل ثابت ہوئی تھی۔

''طالعہ! پلیز ٹرائے تو انڈر اسٹینڈ مائی سلیف، اگر تمہیں لگتا ہے کہ میری ساری وضاحتیں بیکار ہیں اور میں تمہیں اپنا ویو پوائنٹ سمجھانے میں یکسر ناکام ہوں تو پلیز، تم مجھ سے الجھنے کی کوشش کرو نہ مجھ پر اپنا فیصلہ Impose کرنے کی، مجھے Female dominance بالکل پسند نہیں ہے، اس لئے میں وہی کروں گا جو میں طے کر چکا ہوں۔'' اس کا لہجہ سرد اور دوٹوک تھا، طالعہ رنجیدگی سے اسے دیکھتی رہی، اس کی پلکیں نم ہونے لگیں تھیں۔

''اٹس آل رائٹ، شاہ خاور حیات، آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں کیوں کہ آپ کبھی غلط نہیں ہو سکتے۔'' وہ افسردگی سے کہتی اپنی فائل میں لگے پیپرز کی ترتیب درست کرنے لگی، اس کی شدید ناراضی کا گواہ اس کا لہجہ تھا، ورنہ وہ کبھی اسے ''آپ'' نہیں کہتی تھی۔

''طالعہ! تم سمجھتی کیوں نہیں ہو؟'' وہ جیسے زچ ہو چکا تھا، طالعہ نے حیرت سے سر اٹھایا۔

''میں...... میں ہی تو سمجھتی ہوں خاور! اگر میں Dominant ہوتی تو تمہیں وہ سب بالکل نہ کرنے دیتی۔'' اس بار اس کا لہجہ تیکھا تھا، خاور کے ماتھے پہ ایک شکن آ گئی۔

''کیا کہنا چاہتی ہو تم؟ میں ہی تو تمہیں سب سے زیادہ سمجھتی ہوں خاور! اگر میں تم پہ اپنی مرضی Impose کر دیتی تو تم کبھی بھی یونین کا الیکشن نہیں لڑ سکتے تھے، مگر میں نے تمہارے ساتھ ایگری کیا کہ تم نے کہا تمہیں لاہور جانا ہے کسی ضروری کام کے سلسلے میں، میں نے کہا جاؤ، تمہیں یاد ہے خاور! تم نے مجھ سے صرف دو دن کا کہا تھا مگر ایک ہفتہ بعد آئے ہو، تم نے مجھے ایک کال تک کرنا گوارا نہیں کیا۔'' وہ تلخی سے بولتی چلی گئی۔

''میں بزی تھا طالعہ!'' وہ اس بار قدرے بدلے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

''اتنے بزی تھے کہ میرا فون کاٹ دیا؟'' طالعہ نے شکوہ کناں نظروں سے اس کو دیکھا، وہ حیرت سے اچھل پڑا۔

''تمہارا فون......؟''

''تمہیں لگتا ہے میں غلط کہہ رہی ہوں؟'' وہ اس کے حیران ہونے پر غصہ میں آ گئی۔

''آئی سوئیر! میں نے نہیں ایسا کیا، رئیلی طالعہ! پلیز بلیومی۔'' وہ وضاحت دینے لگا۔

طالعہ نے حیران سی ہو کر اسے دیکھا پھر کچھ سوچتے ہوئے اپنے ہینڈ بیگ سے موبائل نکال لیا۔

''تم اس کا Log چیک کرو، تمہیں پتا چل جائے گا میری بات میں کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ؟'' وہ تیز لہجے میں بولی تھی۔

خاور نے بے اختیار موبائل تھام لیا، چند لمحے وہ Log history چیک کرتا رہا پھر طالعہ نے اس کا رنگ بدلتے دیکھا، لازماً وہ ڈائلڈ کالز دیکھ چکا تھا۔

''رئیلی طالعہ! میں فرینڈز کے ساتھ تھا تو شاید ان میں سے کسی نے ایسا کیا ہو۔'' وہ اس بار دھیمے لہجے میں بولا تھا، طالعہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر ہاتھ بڑھا کر موبائل اس سے لے لیا۔

''تم ناراض ہو؟'' خاور نے بے چینی سے دیکھا۔

''نہیں، ایسا نہیں ہے۔'' وہ ہلکے سے مسکرائی، خاور کے چہرے پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''بس میں کچھ پریشان ہوں خاور! مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ جب سے تم لاہور سے آئے ہو ایسا ری ایکٹ کیوں کر رہے ہو؟'' وہ جیسے کچھ کھوج رہی تھی۔

''ایسا ری ایکٹ؟ کیا مطلب...... کیسا ری ایکٹ کر رہا ہوں میں؟ کیا میرے رویہ میں کچھ بدلاؤ محسوس ہوا ہے تمہیں؟'' وہ حیرانی سے بولا۔

''ہاں۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''کیسی تبدیلی؟ مجھے بتاؤ گی تم؟''

''پتا نہیں خاور! میں فیصلہ نہیں کر پا رہی مگر تم ایسا کبھی نہیں کرتے، تم اتنے دوٹوک سرد اور عملی کبھی بھی بی ہیو نہیں کرتے، تمہیں کچھ ہو گیا ہے۔'' وہ رک رک کر بولتی آخر میں بات پھر ادھوری چھوڑ گئی، اس کے ذہن میں کچھ چبھ رہا تھا کوئی چیز مسلسل اسے Pinch کر رہی تھی کیا؟ یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی، خاور چند لمحے ٹھٹکا ہوا سا دیکھتا رہا پھر بولا۔

''سوری طالعہ! میں تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا، اگر تمہیں کچھ ایسا فیل ہوا تو، نیکسٹ ٹائم نہیں ہو گا اوکے۔'' وہ یقیناً اب اسے چیراپ کر رہا تھا طالعہ بے ساختہ مسکرا دی۔

''چلو اٹھو اب، کچھ کھلاؤ مجھے۔'' وہ چیزیں سمیٹنے لگی۔

''کیا کھاؤ گی؟'' اس نے ایک غیر محسوس طمانیت بھرا طویل سانس لیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''جو تم کھلاؤ۔'' اس نے چوائس خاور پر چھوڑ دی۔

''اوکے، چلو پھر کیفے ٹیریا نہیں کسی ریسٹورنٹ میں۔'' خاور نے تجویز دی، اس نے تائیداً سر ہلایا اور اس کے ساتھ چل پڑی، گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اسے یکدم کچھ یاد آیا تھا۔

''خاور! مجھے معیز نظر نہیں آیا آج؟''

''ہاں، اس نے آف کیا ہے آج۔'' وہ گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا۔

''وہ تمہارے ساتھ لاہور گیا تھا نا؟'' طالعہ نے قدرے حیرانی سے پوچھا، معیز کبھی چھٹی نہیں کرتا تھا۔

''ہوں۔'' خاور نے کہا۔

''تمہارے ساتھ ہی ٹھہرا تھا؟''

''نہیں، وہ اپنی گرینی کے ہاں ٹھہرا تھا، اس کے گرینڈ پیرنٹس لاہور میں ہی ہوتے ہیں۔'' خاور کے جواب پر اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

ریسٹورنٹ میں اپنی پسند کا کھانا آرڈر کرنے کے بعد وہ اسے گزشتہ ہفتہ کی مصروفیات کے بارے میں پوچھتا رہا۔

''چاچو تو بہت خفا ہوں گے مجھ سے؟'' وہ پریشانی سے کہہ رہا تھا۔

''پتا نہیں، میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' طالعہ

نے لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔

''رئیلی یار میں رات میں لیٹ آیا تھا سوچا اب کیا ڈسٹرب کروں اور صبح وہ جلدی جا چکے تھے۔'' اسے طالعہ کی لاپرواہی نے قدرے حیران کیا تھا۔

''تم اب مل لینا نا ان سے، پھر ساری وضاحتیں دے دینا۔'' اس کا لہجہ تیکھا ہوا۔

''تم ایک ہفتہ میں کچھ بدتمیز نہیں ہو گئیں؟'' اس کی اچانک بات اور بے لاگ تبصرہ نے طالعہ کا چہرہ سرخ کر دیا۔

''کیا مطلب؟'' وہ تیزی سے بولی، جبکہ وہ سکون سے پیزا کی بائٹس لیتا رہا۔

''خاور! یہ بتانا پسند کرو گے کہ یہ کمنٹ تھا یا کمپلیمنٹ؟'' اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا، خاور نے اپنی سرگرمی جاری رکھی اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

''مجھے تو لگتا ہے ہم آج ایک دوسرے کو یہی بتاتے رہیں گے کہ ہم ایک ہفتہ میں کتنا بدل چکے ہیں۔'' وہ افسردگی سے بولی تھی، خاور نے اطمینان سے سر اٹھایا۔

''ایسا نہیں ہے طالعہ! تم نے پہلے کبھی اس طرح بات نہیں کی، تم میرے اور چاچو کے ریلشن کو لے کر اچھی خاصی کونشس ہو، تمہیں ہمیشہ یہ فکر رہتی ہے کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ مس انڈرسٹینڈنگ پیدا نہ ہو اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر آج میرا ان سے اتنا مضبوط اور مستحکم رشتہ ہے اور ہم دونوں ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں تو اس میں سراسر تمہارا ہاتھ ہے، لیکن آج تم نے عجیب طرح بات کی، تم نے میری بات کا جواب اتنے فکر مندانہ انداز میں نہیں دیا، جیسا کہ ہونا چاہیے اور ہمیشہ ہوتا آیا ہے۔'' وہ روانی سے بولتا جا رہا تھا۔

''خاور! میں......'' طالعہ نے کچھ کہنا چاہا۔

''میری بات ابھی مکمل نہیں ہوئی۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا تھا۔

''تم نے میری بات کا جواب بہت لاپرواہی سے دیا، کیوں؟'' وہ بھنویں اچکائے پوچھ رہا تھا۔

طالعہ کو اس کی ذہانت اور زیرک نگاہی میں قطعاً کوئی شک نہیں تھا اس لئے اس نے خاور ٹو کنے یا رد کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''کیوں کہ برعکس میرے فیور کرنے کا کے انہوں نے تمہاری فیور کی، جب میں نے انہیں بتایا کہ خاور نے مجھ سے غلط بیانی کی تو انہوں نے مجھے سمجھانا شروع کر دیا کہ مجھے محض انا کی وجہ سے تم سے رابطہ نہ کرنے کی بے وقوفی نہیں کر چاہیے اور میں نے ان کی بات مان لی، میرا لہجہ ایسا اس لئے تھا کہ مجھے پتا ہے وہ تمہارے خلاف کچھ نہیں سنیں گے۔'' طالعہ نے بڑے سکون وضاحت دی تھی، وہ یکدم ہنس پڑا۔

''صرف اتنی سی بات پر تم مجھ سے الجھ رہی تھیں طالعہ! امیزنگ۔''

''تم میرا مذاق اڑا رہے ہو؟'' طالعہ کو سبکی احساس ہوا، خاور کی ہنسی رک گئی، اس نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''کیا ہو گیا ہے طالعہ؟ مذاق کی بھی نہیں سمجھتی ہو تم؟'' طالعہ نے سر جھٹکا، وہ اپنی بدلی ہوئی کیفیت سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''او کے جسٹ لیو اٹ تم بتاؤ تمہارا ضروری کام ہو گیا لاہور میں؟'' وہ موڈ کے ساتھ بات بدل گئی، اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا اس کے موبائل پر کال آنے لگی۔

''ایکسکیوزمی۔'' وہ کہتے ہوئے بات کرنے لگا۔

طالعہ بے دلی سے چمچ سوپ کے پیالے چلاتی اس کی گفتگو سنتی رہی، کیا تھا اس کی کا محور؟ وہی اپنا کام، اپنا مشن؟ جس کا کم از طالعہ کو تو کوئی سر پیر نظر نہیں آتا تھا۔

خاور نے فون بند کرنے کے بعد معذرت خواہانہ انداز میں اسے دیکھا، وہ اس کی گفتگو سے اندازہ تو کر چکی تھی کہ اسے یونین آفس جانا تھا لئے کچھ کہے بغیر کندھے اچکا دیئے، وہ ہلکا سا مسکرا کر بل پے کرنے لگا، وہ ساتھ ساتھ چلتے گئے۔

''میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں؟'' خاور کے مجوزہ نما سوال پر اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''میں کیب سے چلی جاؤں گی۔''

''مجھے اچھا نہیں لگے گا طالعہ!'' وہ خفا سا ہوا۔

''نہیں، کوئی بات نہیں خاور! تمہیں ضروری سے جانا ہے، تمہارا وہاں ہونا زیادہ اہم ہے۔'' اس نے توجیح پیش کی۔

کچھ لمحے سوچنے کے بعد اس نے شانے اچکا دیئے۔

''او کے۔''

وہ کیب کو اشارہ کرنے لگی، کیب میں بیٹھتے ہوئے اس نے مسکرا کر خاور کو دیکھا، چلتی ہوئی کیب اور پیچھے جاتے مناظر اور طے ہوتا راستہ، اس کے ذہن میں جھماکہ سا ہوا اسے یاد آ گیا کیا چیز تنگ کر رہی تھی، اسے سمجھ آ گئی کہ وہ اس قدر اتنی تلخ ہو رہی تھی۔

''اگر خاور لاہور میں معیز کے ساتھ نہیں تھا تو پھر وہ اپنے کون سے دوستوں کے ساتھ تھا؟''

''لاہور میں تو اس کا کوئی دوست نہیں۔'' گاڑی میں وہ سکتہ زدہ سی بیٹھی تھی۔

پزل حل ہوا تھا

ایک پزل مزید سامنے آ گیا تھا

عشق میں اس طرح تو ہوتا ہے

اک روش اختیار کر لینا!

پھر اسے جھوٹ بولتے سننا

اور پھر اعتبار کر لینا!!

☆☆☆

کمرے میں گہری تاریکی تھی، جہازی سائز بیڈ پر پڑا وجود کسی ہیولے کی مانند لگتا تھا، تکیہ کو سختی سے بھینچے وہ بے ترتیبی سے دراز تھا، اس کی گہری نیند میں خلل ایک دم سے بج اٹھنے والی بیل نے ڈالا تھا، فون کی رنگنگ ٹون جو ایک بار بجنا شروع ہوئی تو پھر بجتی ہی چلی گئی۔

O, my God

So many ways

To love here

You make me

Wanna say o, my God

ایک خوبصورت انگلش تیز آواز میں گونج رہی تھی، کچھ دیر بجنے کے بعد وہ بند ہو گئی مگر چند لمحوں کے توقف کے بعد ایک بار پھر سے بج اٹھی، وہ جو کوئی بھی تھا یقیناً یا تو بے حد گہری نیند میں تھا یا پھر فون کو نظر انداز کر رہا تھا مگر کب تک؟ فون کرنے والا بھی یقیناً بہت مستقل مزاج تھا، جس نے مقابل کی گہری نیند میں خلل ڈال ہی دیا تھا، وہ ہلکے سے کسمسایا، اِدھر اُدھر ہاتھ مارا اور موبائل ہاتھ میں آتے ہی دیکھے بغیر پوری قوت سے دیوار پہ دے مارا، ہلکی سی آواز گونجی اور فون ٹکڑوں میں بٹ کر کارپٹ پہ بکھر گیا، یہ سارا عمل وقوع پذیر ہونے میں چند سیکنڈ لگے تھے، وہ کوئی اثر لئے بغیر ایک بار پھر گہری نیند میں تھا، کمرے میں ایک بار پھر گہری خاموشی تھی۔

دو گھنٹوں بعد اس کی نیند ٹوٹ گئی، وہ پہلے

اپنے جاگے ہوئے دماغ کو سلانے کی کوشش کرتا رہا پھر جب ایسا ممکن نہ ہوسکا تو اس نے ہار مان لی، وہ چت لیٹا آنکھیں بند کیے پڑا رہا تھا پھر کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھولنے کی کوشش کی اور یہ کوشش اسے خاصی مہنگی پڑی تھی اس کا پورا سر درد سے پھٹنے والا ہو رہا تھا اور آنکھیں کسی بھٹی کی مانند سلگ رہی تھیں، اس نے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے نچلا لب کچل ڈالا اور بال مٹھیوں میں جکڑ لئے، تھوڑی سی کوشش کے بعد اس کی آنکھیں کھل گئیں اور اس کے ساتھ ہی اسے سب کچھ یاد آ گیا، وہ بے اختیار پچھتایا تھا، کہ وہ اتنی جلدی کیوں جاگ گیا، کاش وہ کچھ دیر مزید سوتا رہتا، کچھ دیر مزید اس اذیت سے نجات ملی رہتی، اس نے اپنے وجود میں دوڑتی اذیت کی لہروں کو برداشت کرتے ہوئے سوچا تھا۔

''میں یونیورسٹی جاؤں؟ نہیں......نہیں...... میں نہیں جاؤں گا، وہ اس کے ساتھ ہوگا؟'' وہ خوفزدہ تھا۔

''وہ شیطان اس کے ساتھ ہوگا میں کیسے دیکھوں گا اسے اس معصوم لڑکی کو ورغلاتے ہوئے؟ وہ اسے بہلا رہا ہوگا، میں کیسے دیکھ سکوں گا اس کا ڈبل چہرہ، میں کیسے برداشت کروں گا اس Reformer کی Hypocricy؟ میں کیسے جاؤں گا؟'' بے بسی کی انتہا پر تھا۔

''میں نہیں جاؤں گا۔'' اس نے فیصلہ کر لیا۔

کمرہ تا حال تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، اندھیرا تو شاید اس کا مقدر ہو چکا تھا، اس نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے ٹانگیں بیڈ سے نیچے لٹکا دیں، کچھ دیر وہ اسی پوزیشن میں بیٹھا رہا پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر روشنیاں جلا دیں، تیز روشنی نے یکدم اس کی آنکھوں پہ جھپٹا سا مارا تھا، اس نے آنکھیں بند کر لیں، چند ثانیوں بعد اس نے آنکھیں دیں، وہ بمشکل آنکھیں کھول پا رہا تھا، اندھیروں کے باسی روشنی سے یونہی ڈرتے ہیں، وہ تیز روشنی میں کچھ بھی دیکھ نہیں پا رہا تھا، وہ ا پیروں پر نظر جمائے بیٹھا رہا اور پھر آہستگی اٹھ گیا، باتھ روم کی سمت بڑھتے ہوئے اس نظر دیوار سے ہوتی ہوئی کارپٹ پہ بکھر موبائل کے ٹکڑوں پر پڑی وہ چند لمحے ا بھرے انداز میں دیکھتا رہا، پھر ایک زہر مسکراہٹ اس کے لبوں پہ آ گئی وہ اطمینان آگے بڑھ گیا، دروازہ بند کرتے ہوئے وہ کچھ سوچ رہا تھا اور شاور کھولتے ہوئے اسے گیا کہ یہ اس نے ''اکیسواں موبائل'' توڑا تھا

☆☆☆

صبح کا آغاز معمول کے مطابق تھا، نورالعین نے ناشتے کی ٹرے اس کے سامنے رکھی، وہ لنکس بند کرتا ناشتہ کی طرف متوجہ ہو گیا، سلا کے ساتھ چائے لیتے ہوئے اس نے نورا کے بنائے ہوئے مشروم والے آملیٹ کو بالکل انداز کر دیا تھا جو اس نے بطور خاص اس کے بنایا تھا، نورالعین کو جھٹکا سا لگا تھا مگر وہ اپنا اندر ہی اندر دباتے ہوئے خود بھی چائے میں مصروف ہو گئی، اس دوران وہ بار بارا بھی نظر دوڑا رہی تھی جو ناشتہ کرنے میں مصروف تھا جیسے اس سے زیادہ ضروری کوئی نہ ہو، ورنہ وہ ناشتہ کرتے ہوئے اتنا بولتا تھا کبھی کبھی نورالعین کو اسے ٹوکنا پڑ جاتا۔

''احمد! پلیز تم پہلے ناشتہ کر لو ایزی ہو باتیں بعد میں کر لینا۔''

''بعد کبھی نہیں آتی نور! میں شام سات گھر لوٹوں گا تو مجھ میں اتنا اسٹینا کہاں ہوگا اتنے فریش موڈ میں تم سے باتیں کرسکوں۔

ست دیتا۔

کبھی کبھی وہ خاموش ہو جاتی کبھی کبھی الجھ ،احمد کی بات کا آغاز ہمیشہ اس طرح ہوتا۔

''میں سوچتا ہوں نور!'' یا ''میں سوچ رہا تھا ''

نورالعین کو لگتا جانے اگلی بات کتنی اہم اور دری ہو وہ ہاتھ روک کر اس کی اگلی بات کا ظار کرنے لگتی۔

''تم آج شام بریانی بنا لو۔'' یا پھر یہ ''آج وہ بلو سوٹ پہننا تم پہ بہت سوٹ کرتا ہے۔'' وہ سکراتے ہوئے کہتا۔

وہ بھنویں اچکائے چند لمحے اسے دیکھنے کے طویل سانس لے کر اپنی پلیٹ پر جھک جاتی اس کا قہقہہ اسے مزید Irritate کرتا اور ر وہ اس کے لئے کچھ لایا ہوتا تو وہ بھی اسے شتہ کی میز پر ہی دیتا تھا اور یہ کچھ بھی ہوسکتا تھا بھی کوئی کتاب اور ڈائجسٹ یا پھر کبھی چوڑیاں ورنیل پالش، آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ وہ اس ے لئے کچھ لایا ہوتا اور رات کو ہی دے دیتا لیکن گر یہ کوئی کھانے والی چیز ہوتی تو پھر مجبوراً اسے تے ہی اسے دینا پڑ جاتی تھی، مگر اب، وہ اسے ظر انداز کیے مکمل طور پر ناشتہ میں مگن تھا۔

''مجھے کچھ روپے چاہیں۔'' یکدم نورالعین نے سر اٹھا کر کہا۔

ایک لمحے کو احمد کے ہاتھوں کی حرکت رک گئی، وہ بھی جانتی تھی کہ مہینے کا اختتام تھا اسے بھی بلز پے کرنا تھے مگر اس نے کچھ بھی کہے بغیر الٹ نکالا اور اندر موجود رقم دیکھنے لگا۔

''تین ہزار پانچ سو ستاون روپے۔'' تین ار گننے پر بھی رقم اتنی ہی تھی، اس نے کچھ کہے بغیر ین ہزار نکال کر اس کے پاس ٹیبل پر رکھے اور ٹھ کھڑا ہوا، اپنی فائل اٹھائی اور دروازے کی سمت چل پڑا۔

''اللہ حافظ احمد!'' نورالعین نے بلند آواز میں کہا۔

''اللہ حافظ۔'' وہ پیچھے مڑے بغیر کہتا باہر نکل گیا، اس کے جانے کے بعد وہ چند لمحے اسی طرح بیٹھی رہی، وہ جانتی تھی احمد اس سے ناراض تھا، یہ ناراضی کوئی عام سی بھی نہیں تھی، درحقیقت وہ اس سے کبھی ناراض نہیں ہوا تھا، وہ بہت صلح جو اور خوش مزاج انسان تھا، جیسے حسد اور نفرت جیسی لغویات چھو کر نہیں گزری تھیں، اس کی یہ نرم مزاجی صرف نورالعین تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ نورالعین نے اسے آٹھ سالوں میں کبھی کسی لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا تھا، وہ لڑائی جھگڑے سے کوسوں دور بھاگنے والا شخص تھا، ان دونوں کے درمیان اگر لڑائی ہو جاتی یا ہلکی پھلکی جھڑپ بھی تو اس میں سارا رول نورالعین ہی پلے کرتی تھی وہ صرف ایک خاموش سامع ہوتا تھا جو اس کی بات پوری خاموشی اور تحمل سے سنتا اور کبھی اس کے طنزیہ فقرے اور تلخ انداز بھی، مگر اس نے عین موقعہ پر کبھی نورالعین کو ٹوکنے کی کوشش نہیں کی تھی وہ ہمیشہ اس کی بات مکمل ہونے کے بعد وہاں سے اٹھ کر چلا جاتا اور جب اسے یقین ہو جاتا کہ اس کا غصہ کسی حد تک ختم ہو چکا ہوگا تو وہ بڑے سکون اور تسلی سے اسے اپنا موقف بتانے لگتا، یہی وجہ تھی کہ ان کے درمیان کبھی کوئی قابل ذکر لڑائی نہیں ہوئی تھی۔

مگر اب......! نورالعین نے کبھی اسے اس موڈ میں نہیں دیکھا تھا اور اسے احمد کا یہ موڈ بے حد ڈسٹرب کر رہا تھا، اسے اندازہ نہیں تھا کہ احمد اس دن ساحل پر ہونے والی بحث کو اس قدر سنجیدگی سے لے گا، اسے تو یہ بھی نہیں پتا تھا کہ وہ احمد کو کیسے منائے؟ ہمیشہ وہ ناراض ہوتی تو احمد ہی

اسے مناتا تھا۔
بہت دیر خاموشی سے بیٹھے رہنے کے بعد وہ وہاں سے اٹھ گئی، اسے اپنی بیٹی کے رونے کی آواز آرہی تھی۔

☆☆☆

خاور اس کا تایازاد تھا جس کے ساتھ اس کی انگیج منٹ کو چار سال ہو چکے تھے اس کے تایا، تائی کافی سالوں سے امریکہ میں سیٹل تھے جبکہ خاور شروع سے ہی یہاں تھا، اس کی ساری اسٹڈیز پاکستان میں ہی مکمل ہوئی تھیں، دونوں میں عمر کے لحاظ سے ایک سال کا فرق تھا، پارٹ ون میں تھی اور خاور فائنل ائیر میں، اس بات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا جب خاور نے ایک دن بڑا عجیب مسئلہ فاروق اور طالعہ کے سامنے رکھا تھا، وہ مسئلہ یہ تھا کہ اس کا ڈیپارٹمنٹ چاہتا تھا کہ وہ یونین لیڈر کا الیکشن لڑے، فاروق نے بڑے سکون اور تحمل سے اس کی بات سنی تھی، جبکہ طالعہ تو بھتے سے ہی اکھڑ گئی تھی۔
"تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے خاور! میں تمہیں قطعاً اس کی اجازت نہیں دے سکتی۔" وہ غصہ سے بولی تھی۔
خاور بے بسی سے فاروق چاچو کو دیکھ کر رہ گیا، نظروں ہی نظروں میں ان سے مدد کی التجا بھی کی تھی، فاروق جانتے تھے کہ وہ پیدائشی لیڈر تھا، اس میں دوسروں کو ڈکٹیٹ کرنے کی فطری صلاحیت تھی، بولنے کا ہنر جانتا تھا جب بولتا تو مسحر کر لیتا مخاطب کو، انہوں نے ہمیشہ دیکھا تھا کہ وہ بے حد سوشل تھا، اس کے بے شمار دوست تھے جو ایک بار اس سے مل لیتا پھر ہمیشہ اس سے رابطہ میں رہتا تھا، وہ لڑکے لڑکیوں میں یکساں مقبول تھا، فاروق نے طالعہ کے سامنے اس کی فیور کی تھی، یوں بھی اگر طالعہ نہ بھی مانتی تب بھی کرنا اسے اپنی مرضی ہی تھا، وہ اپنے فیصلے ہمیشہ سے خود کرنے کا عادی تھا اور بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ کہ وہ کسی بات کے لئے فاروق یا طالعہ سے مشاورت کرتا وہ صرف طالعہ کو بتایا کرتا تھا، پوچھا نہیں، طالعہ کو اس کا یہ مشن بالکل پسند نہیں آیا تھا بلکہ جب سے وہ یونین لیڈر منتخب ہوا تھا بے حد مصروف ہو گیا تھا، ہر وقت کہیں نہ کہیں جانے کو تیار اور اگر طالعہ کے ساتھ ہوتا بھی تو فون پہ مصروف، طالعہ نے اسٹڈی سے اس کی توجہ ہٹتی دیکھی تھی تاہم اسے یقین تھا کہ وہ لاسٹ سمیسٹرز میں اتنی محنت کر چکا تھا کہ اس بار وہ کچھ بھی نہ کرتا تب بھی کوئی پرابلم نہ ہوتی۔
دوسری طرف طالعہ تھی، وہ فاروق احمد کی اکلوتی بیٹی تھی، فاروق کی اپنی وائف سے سولہ سال پہلے علیحدگی ہو چکی تھی جب طالعہ صرف سات سال کی تھی، انہوں نے اسے بے حد پیار، احتیاط اور توجہ سے پالا تھا تاہم وہ ان بچوں میں سے تھی جو کبھی والدین کے لئے مسئلہ نہیں بنتے، فاروق کو یاد نہیں تھا کہ اس نے کبھی انہیں بے جا تنگ کیا ہو، یا کوئی بے تکی فرمائش کی ہو، وہ بہت نرم مزاج اور قناعت پسند لڑکی تھی۔
خاور سے اس کی محبت بے حد گہری اور کسی بھی قسم کے مفاد سے ماورا تھی۔
دونوں کی بے حد گہری دوستی تھی، وہ بہت اچھے طریقے سے ایک دوسرے کو سمجھتے تھے، عمومی طور پر لنچ دونوں اکٹھے ہی کرتے اور شام کا کھانا وہ ہمیشہ سے ان کے گھر چاچو اور طالعہ کے ساتھ کھاتا تھا، اس پرسکون اور ہموار ندی کی مانند چلتی زندگی میں خاور کی "یونین لیڈر شپ" نے پتھر پھینکا تھا، ان کا سارا شیڈول الٹ پلٹ ہو کر رہ گیا تھا۔
آج بہت دنوں بعد اس نے خاور کے

لنچ کیا تھا جو کہ اتنے خوشگوار ماحول میں نہیں تھا، اسے انتظار تھا کہ وہ ڈنر ان کے ساتھ ہی رے گا اور اس نے فاروق کو بھی بتا دیا تھا، وہ ہوں کافی دیر تک اس کا انتظار کرتے رہے مگر وہ میں آیا، تنگ آ کر طالعہ نے اس کے موبائل پر ل کی تھی مگر دوسری طرف سے چلتا ریکارڈ ٹیپ "آپ کا مطلوبہ نمبر فی الحال بند ہے۔" اسے ید مشتعل کر گیا تھا، اس نے فاروق کو بتانے کی مائے معیز کا نمبر ملا لیا، کچھ دیر بعد فون اٹھا لیا ۔
"ہیلو۔" اس کی بھاری آواز طالعہ کے انوں میں پڑی تھی۔
"ہیلو، کیسے ہو معیز؟" وہ فارمل سے انداز ں پوچھنے لگی، دوسری طرف چند لمحے گہری خاموشی چھائی رہی۔
"آپ کیسی ہیں طالعہ؟" وہ الٹا پوچھنے لگا۔
"میں ٹھیک ہوں، تم نے آف لیا تھا آج، خیریت؟"
"I was not feeling well"۔
"اوہ، کوئی سرئیس پرابلم؟" وہ چونک کر لی۔
"نہیں۔"
"پھر بھی ہوا کیا تھا؟" اس نے اصرار کیا، ’سری طرف پھر خاموشی چھا گئی۔
"A mild attack of magrine"۔ کچھ دیر بعد وہ بولا تھا، طالعہ کو ھنکا لگا تھا، یہ اس کے نزدیک سرئیس نہیں تھا۔
"ویری سیڈ، اب کیسی طبیعت ہے؟" طالعہ کے لہجہ میں ہمدردی تھی۔
"ٹھیک ہوں اب۔" وہ آہستگی سے بولا تھا، چند لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے، طالعہ کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ اس سے مزید کیا بات کرے، اسی وقت اسے لاؤنج سے فاروق نے پکارا تھا۔
"ایک منٹ ہولڈ کرو معیز۔" وہ اسے بتا کر چلی گئی۔
"جی ابو!"
"بیٹا! آپ ایسا کریں خاور کے ساتھ معیز کو بھی کھانے پہ بلا لیں، وہ بھی تو خاور کے ساتھ ہی لاہور گیا تھا نا، کتنا برا لگے گا اسے جب پہ پتا چلے گا کہ ہم نے صرف خاور کو بلایا ہے۔" وہ اسے کہنے لگے۔
"جی ابو! میں کہتی ہوں۔" وہ کہتی پلٹنے لگی۔
"خاور سے رابطہ ہوا آپ کا؟" ان کے پوچھنے پہ وہ واپس ان کی طرف مڑی۔
"نہیں ابو! میں کوشش کر رہی ہوں۔" وہ انہیں بتا کر تیزی سے باہر نکل گئی۔
"ہیلو معیز!" اس نے فون اٹھا کر کہا۔
"جی۔" اس کا لہجہ مزید دھیما اور آہستہ ہو گیا تھا۔
ہمیشہ سے طالعہ یہ محسوس کرتی تھی کہ اس سے مخاطب ہوتے وقت معیز کا لہجہ بہت بدل جاتا ہے وہ بہت Humble ہو کر اس سے مخاطب ہوتا تھا، اب بھی اسی احساس کے زیر اثر وہ کچھ لمحوں تک کچھ بول نہیں سکی۔
"ابو کہہ رہے تھے کہ آج ڈنر تم ہمارے ساتھ کرو۔"
"جی ضرور۔" وہ فوراً بولا تھا۔
"اور ایک بات......؟" وہ بولی، مبادا وہ فون ہی بند کر دے۔
"کون سی بات؟" وہ رک گیا۔
"آتے ہوئے کہیں سے خاور کو بھی ٹریس آؤٹ کر لانا۔" وہ جلدی جلدی بولی۔
"میں چیک کرتا ہوں وہ کدھر ہے؟" معیز نے ایک طویل سانس لی تھی تو اس لئے طالعہ نے

اسے فون کیا تھا۔

''او کے جلدی آؤ، میں اور ابو تم لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔'' اس نے کہا۔

''او کے۔'' معیز نے فون بند کر دیا، چند لمحے وہ فون کے پاس کھڑی کچھ سوچتی رہی، پھر سر جھٹک کر لاؤنج کی طرف بڑھ گئی۔

''میں نے معیز سے آنے کا کہہ دیا ہے۔'' اس نے انہیں بتایا۔

''ویری گڈ اور خاور کو؟''

''اس سے میرا رابطہ نہیں ہو سکا، وہ معیز کے ساتھ بھی نہیں ہے میں نے اسے کہہ دیا ہے کہ وہ آتے ہوئے خاور کو بھی ٹریس آؤٹ کر لائے۔'' اس نے ساری بات فاروق کو بتا دی۔

''ٹھیک ہے۔'' انہوں نے سر ہلایا۔

وہ دونوں باپ بیٹی کچھ دیر مزید اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول رہے، تقریباً بیس منٹ کے بعد اس نے معیز کی گاڑی کی آواز سنی تھی، وہ اٹھ کر کچن کی سمت چل دی، چائے رکھنے کے بعد وہ لاؤنج میں واپس آ گئی، معیز لاؤنج کے دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا، ایک ہاتھ میں پھولوں کا بکے اور دوسرے میں ایک بیگ تھامے وہ فاروق کے پاس آ گیا، پھول اس نے سنٹرل ٹیبل پر رکھ دیئے اور بیگ نیچے فرش پر، اب وہ فاروق سے گلے مل رہا تھا، طالعہ نے دیکھا وہ ہمیشہ کی طرح بہترین لباس میں تھا، اس کی ڈریسنگ ہمیشہ بہت اعلیٰ اور سوبر ہوتی تھی، طالعہ نے ملازمہ کو ہدایات دیں اور آگے بڑھ آئی۔

''السلام علیکم!'' اس نے بلند آواز میں کہا۔

''وعلیکم السلام!'' معیز اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''کیسے ہو معیز؟'' اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کے سامنے ہوں، آپ کیسی ہیں طالعہ؟'' وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔

طالعہ نے بغور اس کا جائزہ لیا، اس کے سلیقے سے جمے ہوئے تھے آنکھیں ہلکی سی سوجی ہوئی تھیں اور آنکھوں کے زیریں کنارے سرخ ہو رہے تھے، اس کے پاس سے بڑی مخصوص Airopestale کی دلفریب خوشبو اٹھ رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں، بیٹھو تم۔'' اس نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی نزدیکی صوفہ پہ بیٹھ گئی۔

''خاور میرا کونٹیکٹ نہیں ہو سکا میں نے کو میسج دے دیا تھا کہ وہ آپ کی طرف آ جائے کچھ دیر بعد اس کی کال آ گئی کہ وہ کافی مصروف ہے نہیں آ سکتا، میں چلا جاؤں۔'' معیز فاروق کی طرف دیکھتے ہوئے تفصیل بتائی۔

''او کے کوئی بات نہیں بیٹا، مجھے آپ کی آمد ہمیشہ بہت اچھی لگتی ہے۔'' انہوں نے اپنے مخصوص حلاوت بھرے لہجے میں کہا، معیز کی بجھی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی۔

''تھینکس انکل، ورنہ مجھ سے مل کر کوئی ہی خوش ہوتا ہے۔'' وہ آہستگی سے بولا، طالعہ قدرے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

معیز وقار اس کے لئے ایک عجیب وغریب انسان تھا، اس کا باپ وقار حسین سول بیوروکریسی میں تھا اور اتنا کامیاب بیوروکریٹ تھا کہ حکومتوں کے بدلنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس کی ماں ایک بہت مشہور اور کامیاب سوشل ورکر تھی اور وہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔

طالعہ کو اس کی شخصیت بھی بڑی عجیب غریب لگتی تھی، وہ بہت خاموش طبع تھا، لمبے فقرے بولنے پڑتے وہاں ایک جملہ ایک جملہ سے کام چلتا وہاں وہ ایک لفظ پر اکتفا کرتا اور اس کی خاموشی کسی گہری مانند لگتی۔

وہ بہت شاندار شخصیت کا مالک تھا اس کا ہمیشہ امپورٹڈ اور سٹائلش ہوتا تھا، طالعہ نے اسے کسی عام برانڈ کی چیزیں استعمال کرتے نہیں دیکھا تھا، Armani, Okley اور Versace, Airopen اس کے فیورٹ برانڈز تھے اور وہ شرٹس، پرفیومز اور گلاسز صرف انہی کے استعمال کرتا اور اس کے ساتھ ساتھ اسے صاف ستھرا کا جنون تھا، وہ ہمیشہ تک سک سے تیار، طالعہ نے اسے کبھی رف اور گھریلو حلیے میں دیکھا تھا۔

اس کی عادتیں بھی بڑی حیرت انگیز تھی، وہ ی طور پر کسی ہجوم یا گروپ کے درمیان کچھ کہا سکتا تھا اب اس کے پیچھے کیا وجہ تھی؟ طالعہ کو م نہیں تھا، وہ اسے ہمیشہ آپ کہتا تھا اور ام کا یہ خوبصورت انداز طالعہ کو بہت پسند تھا، اس سے بات کر رہا ہو یا نہیں اس نے کبھی کی طرف غور سے نہیں دیکھا تھا، بلکہ اس کی ں کا زاویہ ہمیشہ کسی دوسری جگہ مرکوز ہوتا، وہ ی طور پر خاور کا دوست تھا، جب طالعہ رتی میں گئی تو ان کی ٹرائی اینگل بن گئی۔

کبھی کبھی طالعہ کو بے حد حیرانی ہوتی خاور معیز دو مختلف شخصیتوں کے مالک انسان تھے میں کچھ بھی کامن نہیں تھا، خاور بڑی ''بیرون ...سم کی شخصیت تھا اور معیز اپنے آپ میں گم ''درون بین'' جسے دوسروں سے کوئی سروکار تھا، یوں تو خاور کے بے شمار دوست تھے مگر واحد ایسا دوست تھا جو ہر وقت اس کے رہتا تھا اور ہر جگہ اس کے ساتھ جاتا تھا، کبھی کبھی تو طالعہ کو لگتا کہ شاید وہ اس سے زیادہ خاور سے قریب ہے، کھانے کی میز پہ وہ ہمیشہ کی طرح بڑے سکون سے ٹیبل پہ ہاتھ رکھے بیٹھا تھا، طالعہ نے قدرے مسکرا کر اسے دیکھا وہ جانتی تھی وہ کیا چاہ رہا ہے، اس نے پلیٹ اٹھائی اور معیز کے لئے تیار کرنے لگی، بڑی خوبصورتی سے پلیٹ تیار کرنے کے بعد اس نے معیز کے آگے رکھ دی۔

''تھینکس طالعہ!'' وہ ممنونیت سے بولا تھا۔

''اٹس او کے۔'' اس نے سر جھٹکا، وہ تینوں کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔

''کھانا بہت اچھا ہے انکل!'' کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھا کر کہا۔

''شکریہ بیٹا! لیکن یہ طالعہ نے بنایا ہے۔''

وہ اسے در پردہ یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ اسے یہ توصیفی کلمات طالعہ کو کہنا چاہئیں۔

''جی، مجھے پتا ہے، میں ان کے ہاتھ کا ذائقہ پہچانتا ہوں۔'' وہ کہتا ہوا کانٹے سے کباب کے پیس کرنے لگا۔

''میں یہ سویٹ ڈش ٹرائی کروں؟'' اس نے کچھ دیر بعد سینٹر میں پڑی کیک ٹائپ چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ضرور۔'' طالعہ نے کہا۔

''ویسے یہ کیا ہے؟'' وہ ہاتھ نیپکن سے صاف کرتا ہوا بولا، اس کے لئے پیالی میں نکالتی طالعہ نے ہاتھ روک کر اسے دیکھا۔

''یہ Peach cobler ہے، میں نے فرسٹ ٹائم ٹرائی کیا ہے۔'' اس نے چمچ اور پیالی اس کے آگے رکھی۔

''اسی لئے میں اسے ٹیسٹ نہیں کروں گا۔'' فاروق بے ساختہ بولے۔

''وہ کیوں ابو؟'' طالعہ حیران رہ گئی۔

''معیز! جو چیز طالعہ پہلی بار بناتی ہے نا وہ

عموماً اپنی اوریجنل ریسپی سے بالکل الٹ ہوتی ہے اور اس سے عموماً خرابی صحت کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے بھی میری طرف سے معذرت، میں یہ رسک نہیں لوں گا۔" وہ بتاتے ہوئے مسکراہٹ چھپانے کو اپنی پلیٹ پر جھک گئے۔

"سوری انکل! میں یہ رسک لے چکا ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے چمچ اٹھا لیا، طالعہ ہاتھ روکے اس کی طرف دیکھتی رہی، اس کے کمنٹس کے انتظار میں، معیز نے ایک چمچ لیا، چکھا اور اس کی طرف دیکھا جو اسی کو دیکھ رہی تھی۔

"That,s fantastic۔" وہ بے ساختہ بولا، طالعہ کے چہرے پر اطمینان دوڑ گیا۔

"آپ نے تو مجھے ڈرا دیا تھا ابو!" وہ شکوہ کناں نظروں سے فاروق کو دیکھ کر بولی۔

"اچھا۔" وہ ہنس دیئے۔

"آئندہ میں خیال رکھوں گا۔"

کھانا ختم کر کے وہ دونوں صوفوں پر آ بیٹھے جبکہ طالعہ ملازمہ کے ساتھ برتن اٹھوانے لگی۔

"مجھے آپ کے ساتھ ڈنر کرنا بہت اچھا لگا انکل! بہت عرصہ بعد میں نے اس طرح شوق سے کھانا کھایا ہے۔" وہ طمانیت سے بولا تھا۔

"خاور تو ڈیلی رات کا کھانا ادھر ہی کھاتا ہے معیز! تم بھی آ جایا کرو۔" وہ بولے تھے، وہ اداسی سے مسکرا دیا۔

"میں خاور کی جگہ کیسے لے سکتا ہوں؟"

"خاور کی جگہ؟" وہ حیرانی سے بولے۔

"ہر ایک کی مختلف جگہ ہوتی ہے اپنا ایک مقام ہوتا ہے، جس طرح خاور میرا بیٹا ہے اسی طرح تم بھی ہو۔" انہوں نے پیار سے اسے جھڑکا تھا، اس نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

معیز؟" اچانک انہوں نے سوال کیا، وہ اس حملے کے لئے تیار نہیں تھا، نہ سنبھل سکا اور نہ ہی چہرے کے تاثرات کنٹرول کر سکا، چند لمحے خاموشی سے کارپٹ کو گھورتا رہا، پھر اس نے سر اٹھا انہیں دیکھا، اس کی آنکھوں کے کنارے نم ہو رہے تھے۔

"آپ کو پتا ہے انکل! میرا تعلق کس کلاس سے ہے؟ میرا تعلق ہائی اپر کلاس سے ہے جہاں حساسیت اور نازک مزاجی کو نفسیاتی بیماری سمجھ کر سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جایا جاتا ہے اور میرا پرابلم یہ ہے کہ میں چیزوں کو عام نظر سے نہیں دیکھتا، میری سوچ یہ ہے کہ اللہ پاک نے مجھے آگہی کا کرب دے دیا ہے، میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں، میں ان جیسا نہیں ہوں انکل۔" وہ بولتا بولتا رک گیا تھا۔

فاروق نے دیکھا وہ اپنے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا، ان کے دل کو کچھ ہوا تو شاید وہ اسے تسلی تشفی دینے کے لئے کچھ کہتے کہ اسی وقت طالعہ وہاں آ گئی چائے کی ٹرے کے ساتھ، معیز نے سرعت سے خود کو کمپوز کیا تھا۔

"انکل! میں یہ کچھ گفٹس آپ کے لئے لایا تھا۔" معیز نے بیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور مجھے لگا کہ شاید تم ہمارے گھر قیام کے ارادے سے آئے ہو۔" طالعہ کی بے ساختہ بات پر فاروق کا قہقہہ بے ساختہ تھا جبکہ معیز صرف مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔

"اس کی کیا ضرورت تھی بیٹا؟"

"آپ کو یاد ہے طالعہ! میں دسمبر میں مما کے ساتھ لندن گیا تھا؟" معیز اچانک طالعہ سے پوچھا، وہ فاروق کی بات انداز کر گیا تھا۔

"ہوں، ابھی پچھلے ماہ کی تو بات ہے۔" اس نے چائے کپوں میں انڈیلتے ہوئے سر ہلایا۔

"کچھ چیزیں وہاں سے لایا تھا اور کچھ چند دن پہلے لاہور سے، آج آتے ہوئے یاد آ گیا، سوچا لے چلوں ورنہ پھر بھول جاؤں گا۔" اس نے بتاتے ہوئے بیگ کی زپ کھولی اور اندر سے ایک شاپنگ بیگ نکال لیا۔

"یہ آپ کے لئے انکل!" اس نے فاروق کی طرف بڑھایا۔

"تھینکس بیٹا!" وہ مسکرائے تھے۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" وہ زپ بند کر رہا تھا پھر اس نے بیگ طالعہ کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ آپ کے لئے۔" طالعہ نے بیگ تھامتے ہوئے اس کی طرف دیکھا، معیز کی نگاہ اس سے ملی اور پھر فوراً جھک گئی۔

"میں تو تمہیں تھینکس ضرور کہوں گی معیز! کیونکہ تمہارے گفٹس اتنے اچھے ہوتے ہیں کہ مجھے ان کا انتظار رہتا ہے۔" وہ بے تکلفی سے مسکراتی ہوئی بولی تھی، معیز کی آنکھیں جگمگا اٹھیں۔

"You are always welcome۔" اس کے لبوں کو ایک سچی مسکراہٹ نے چھوا تھا۔

"اوکے بیٹا! تم لوگ گپ شپ کرو، مجھے اب ریسٹ کرنا ہے۔" وہ معذرت کرتے اٹھ گئے۔

"گڈ نائٹ انکل!" معیز بھی کھڑا ہو گیا۔

"گڈ نائٹ بیٹا!" وہ اپنے کمرے کی سمت بڑھ گئے، معیز اور طالعہ خاموشی سے کھڑے رہے، کچھ دیر بعد وہ بولا تھا۔

"میں چلتا ہوں۔"

"معیز! کیا تم تھوڑی دیر رک نہیں سکتے؟ میں تمہارے ساتھ واک کرنا چاہ رہی ہوں۔" طالعہ نے کہا۔

اس کی پیشکش اتنی حیران کن تھی کہ وہ چند لمحوں کے لئے کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہا۔

"ضرور کیوں نہیں۔" اس نے شانے اچکائے تھے۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے لان میں آ گئے، سرد جاڑوں کا ٹوٹا چاند بہت تھکا ہوا سا بادلوں میں چھپنے کی کوشش کر رہا تھا جس کی کمزور سی چاندنی لان میں پھیلے ہو اندھیرے کو نگلنے میں یکسر غیر معاون ثابت ہو رہی تھی، پودے اور درخت بڑے عجیب اور خوفناک نظر آ رہے تھے اگر اس کے ساتھ معیز نہ ہوتا تو اب تک وہ اس پراسرار ماحول سے بھاگ گئی ہوتی۔

"ایک بات پوچھوں معیز؟" طالعہ نے گرم چادر مضبوطی سے لپیٹتے ہوئے پوچھا، سردی جیسے ہڈیوں میں اتر رہی تھی، معیز نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم اتنے فرسٹیڈ کیوں ہو؟" طالعہ نے اپنی بات پہ اس کے چہرے کا رنگ بدلتے ہوئے دیکھا، شاید اسے توقع نہیں تھی کہ وہ اس سے اس قسم کا سوال کرے گی۔

"پتا نہیں۔" اس کے چہرے پر وہی لاتعلقی اور سرد مہری آ گئی جو اس کے مزاج کا حصہ تھی، بند کتاب جیسے اس چہرے سے کچھ کھوجنا کم از کم طالعہ کے لئے ممکن نہیں تھا۔

"ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟ ہر ایک کو پتا ہوتا ہے کہ اسے کیا ٹینشن ہے؟ اسے کیا چیز فرسٹیڈ کرتی ہے؟" وہ اس سے الجھ پڑی تھی۔

معیز کوئی جواب دینے کی بجائے خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا، یقیناً وہ کوئی جواب دینا نہیں چاہ رہا تھا۔

اسے فون کیا تھا۔
"او کے جلدی آؤ، میں اور ابو تم لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے کہا۔
"او کے۔" معیز نے فون بند کر دیا، چند لمحے وہ فون کے پاس کھڑی کچھ سوچتی رہی، پھر سر جھٹک کر لاؤنج کی طرف بڑھ گئی۔
"میں نے معیز سے آنے کا کہہ دیا ہے۔" اس نے انہیں بتایا۔
"وہری گڈ اور خاور کو؟"
"اس سے میرا رابطہ نہیں ہو سکا، وہ معیز کے ساتھ بھی نہیں ہے میں نے اسے کہہ دیا ہے کہ وہ آتے ہوئے خاور کو بھی ٹریس آؤٹ کر لائے۔" اس نے ساری بات فاروق کو بتا دی۔
"ٹھیک ہے۔" انہوں نے سر ہلایا۔
وہ دونوں باپ بیٹی کچھ دیر مزید ادھر اُدھر کی باتوں میں مشغول رہے، تقریباً بیس منٹ کے بعد اس نے معیز کی گاڑی کی آواز سنی تھی، وہ اٹھ کر کچن کی سمت چل دی، چائے رکھنے کے بعد وہ لاؤنج میں واپس آ گئی، معیز لاؤنج کے دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا، ایک ہاتھ میں پھولوں کا بکے اور دوسرے میں ایک بیگ تھامے وہ فاروق کے پاس آ گیا، پھول اس نے سنٹرل ٹیبل پر رکھ دیئے اور بیگ نیچے فرش پر، اب وہ فاروق سے گلے مل رہا تھا، طالعہ نے دیکھا وہ ہمیشہ کی طرح بہترین لباس میں تھا، اس کی ڈریسنگ ہمیشہ بہت اعلیٰ اور سوبر ہوتی تھی، طالعہ نے ملازمہ کو ہدایات دیں اور آگے بڑھ آئی۔
"السلام علیکم!" اس نے بلند آواز میں کہا۔
"وعلیکم السلام!" معیز اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔
"کیسے ہو معیز؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"آپ کے سامنے ہوں، آپ کیسی ہیں طالعہ؟" وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔
طالعہ نے بغور اس کا جائزہ لیا، اس کے بال سلیقے سے جمے ہوئے تھے آنکھیں ہلکی سی سوجی ہوئی تھیں اور آنکھوں کے زیریں کنارے سرخ ہو رہے تھے، اس کے پاس سے بڑی مخصوص Airopestale کی دلفریب خوشبو اٹھ رہی تھی۔
"میں ٹھیک ہوں، بیٹھو تم۔" اس نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی نزدیکی صوفہ پہ بیٹھ گئی۔
"خاور میرا کونٹیکٹ نہیں ہو سکا میں نے احمر کو میسج دے دیا تھا کہ وہ آپ کی طرف آ جائے، کچھ دیر بعد اس کی کال آ گئی کہ وہ کافی مصروف ہے نہیں آ سکتا، میں چلا جاؤں۔" معیز نے فاروق کی طرف دیکھتے ہوئے تفصیل بتائی۔
"او کے کوئی بات نہیں بیٹا، مجھے آپ کی آمد ہمیشہ بہت اچھی لگتی ہے۔" انہوں نے اپنے مخصوص حلاوت بھرے لہجے میں کہا، معیز کی بجھی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی۔
"تھینکس انکل، ورنہ مجھ سے مل کر کوئی کم ہی خوش ہوتا ہے۔" وہ آہستگی سے بولا، طالعہ نے قدرے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔
معیز وقار اس کے لئے ایک عجیب و غریب انسان تھا، اس کا باپ وقار حسین سول بیورو کریسی میں تھا اور اتنا کامیاب بیورو کریٹ تھا کہ اسے حکومتوں کے بدلنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، اس کی ماں ایک بہت مشہور اور کامیاب سوشل ورکر تھی اور وہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔
طالعہ کو اس کی شخصیت بھی بڑی عجیب و غریب لگتی تھی، وہ بہت خاموش طبع تھا، جہاں لمبے فقرے بولنے پڑتے وہاں ایک جملہ اور ں ایک جملہ سے کام چلتا وہاں وہ ایک لفظ لنے پر اکتفا کرتا اور اس کی خاموشی کسی گہری زکی مانند لگتی۔
وہ بہت شاندار شخصیت کا مالک تھا اس کا س ہمیشہ امپورٹڈ اور سٹائلش ہوتا تھا، طالعہ نے بھی اسے کسی عام برانڈ کی چیزیں استعمال رتے نہیں دیکھا تھا، Armani, Airopest:l Versace, اور Okley چار اس کے فیورٹ برانڈز تھے اور وہ شرٹس، ٹس، پرفیومز اور گلاسز صرف انہی کے استعمال کرتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اسے صاف ستھرا رہنے کا جنون تھا، وہ ہمیشہ نک سک سے تیار رہتا، طالعہ نے اسے کبھی رف اور گھریلو حلیے میں نہیں دیکھا تھا۔
اس کی عادتیں بھی بڑی حیرت انگیز تھی، وہ ودی طور پر کسی ہجوم یا گروپ کے درمیان کچھ کھا نہیں سکتا تھا اب اس کے پیچھے کیا وجہ تھی؟ طالعہ کو معلوم نہیں تھا، وہ اسے ہمیشہ آپ کہتا تھا اور ترام کا یہ خوبصورت انداز طالعہ کو بہت پسند تھا، وہ اس سے بات کر رہا ہو یا نہیں اس نے کبھی طالعہ کی طرف غور سے نہیں دیکھا تھا، بلکہ اس کی نظروں کا زاویہ ہمیشہ کسی دوسری جگہ مرکوز ہوتا، وہ نیادی طور پر خاور کا دوست تھا، جب طالعہ یونیورسٹی میں گئی تو ان کی ٹرائی اینگل بن گئی۔
بھی کبھی طالعہ کو بے حد حیرانی ہوتی خاور ور معیز دو مختلف شخصیتوں کے مالک انسان تھے ن میں کچھ بھی کامن نہیں تھا، خاور بڑی "بیرون بیں" قسم کی شخصیت تھا اور معیز اپنے آپ میں گم ایسا "درون بیں" جسے دوسروں سے کوئی سروکار نہیں تھا، یوں تو خاور کے بے شمار دوست تھے مگر معیز واحد ایسا دوست تھا جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا تھا اور ہر جگہ اس کے ساتھ جاتا تھا، کبھی کبھی تو طالعہ کو لگتا کہ شاید وہ اس سے زیادہ خاور سے قریب ہے، کھانے کی میز پہ وہ ہمیشہ کی طرح بڑے سکون سے ٹیبل پہ ہاتھ رکھے بیٹھا تھا، طالعہ نے قدرے مسکرا کر اسے دیکھا وہ جانتی تھی وہ کیا چاہ رہا ہے، اس نے پلیٹ اٹھائی اور معیز کے لئے تیار کرنے لگی، بڑی خوبصورتی سے پلیٹ تیار کرنے کے بعد اس نے معیز کے آگے رکھ دی۔
"تھینکس طالعہ!" وہ ممنونیت سے بولا تھا۔
"اٹس او کے۔" اس نے سر جھکا، وہ تینوں کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔
"کھانا بہت اچھا ہے انکل!" کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھا کر کہا۔
"شکریہ بیٹا! لیکن یہ طالعہ نے بنایا ہے۔" وہ اسے در پردہ یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ اسے یہ توصیفی کلمات طالعہ کو کہنا چاہئیں۔
"جی، مجھے پتا ہے، میں ان کے ہاتھ کا ذائقہ پہچانتا ہوں۔" وہ کہتا ہوا کانٹے سے کباب کے پیس کرنے لگا۔
"میں یہ سویٹ ڈش ٹرائی کروں؟" اس نے کچھ دیر بعد سینٹر میں پڑی کیک ٹائپ چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"ضرور۔" طالعہ نے کہا۔
"ویسے یہ کیا ہے؟" وہ ہاتھ نیپکن سے صاف کرتا ہوا بولا، اس کے لئے پیالی میں نکالتی طالعہ نے ہاتھ روک کر اسے دیکھا۔
"یہ Peach cobler ہے، میں نے فرسٹ ٹائم ٹرائی کیا ہے۔" اس نے چمچ اور پیالی اس کے آگے رکھی۔
"اسی لئے میں اسے ٹیسٹ نہیں کروں گا۔" فاروق بے ساختہ بولے۔
"وہ کیوں ابو؟" طالعہ حیران وہ گئی۔
"معیز! جو چیز طالعہ پہلی بار بناتی ہے نا وہ

عموماً اپنی اوریجنل ریسپی سے بالکل الٹ ہوتی ہے اور اس سے عموماً خرابی صحت کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے بھی میری طرف سے معذرت، میں یہ رسک نہیں لوں گا۔'' وہ بتاتے ہوئے مسکراہٹ چھپانے کو اپنی پلیٹ پر جھک گئے۔

''سوری انکل! میں یہ رسک لے چکا ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے چمچ اٹھا لیا، طالعہ ہاتھ روکے اس کی طرف دیکھتی رہی، اس کے کمنٹس کے انتظار میں، معیز نے ایک چمچ لیا، چکھا اور اس کی طرف دیکھا جو اسی کو دیکھ رہی تھی۔

''That,s fantastic۔'' وہ بے ساختہ بولا، طالعہ کے چہرے پر اطمینان دوڑ گیا۔

''آپ نے تو مجھے ڈرا دیا تھا ابو!'' وہ شکوہ کناں نظروں سے فاروق کو دیکھ کر بولی۔

''اچھا۔'' وہ ہنس دیئے۔

''آئندہ میں خیال رکھوں گا۔''

کھانا ختم کر کے وہ دونوں صوفوں پر آبیٹھے جبکہ طالعہ ملازمہ کے ساتھ برتن اٹھوانے لگی۔

''مجھے آپ کے ساتھ ڈنر کرنا بہت اچھا لگا انکل! بہت عرصہ بعد میں نے اس طرح شوق سے کھانا کھایا ہے۔'' وہ طمانیت سے بولا تھا۔

''خاور تو ڈیلی رات کا کھانا اِدھر ہی کھاتا ہے معیز! تم بھی آجایا کرو۔'' وہ بولے تھے، وہ اداسی سے مسکرا دیا۔

''میں خاور کی جگہ کیسے لے سکتا ہوں؟''

''خاور کی جگہ؟'' وہ حیرانی سے بولے۔

''ہر ایک کی مختلف جگہ ہوتی ہے اپنا ایک مقام ہوتا ہے، جس طرح خاور میرا بیٹا ہے اسی طرح تم بھی ہو۔'' انہوں نے پیار سے اسے جھڑکا تھا، اس نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

معیز؟'' اچانک انہوں نے سوال کیا، وہ اس کے لئے تیار نہیں تھا، نہ سنبھل سکا اور نہ ہی چہرہ کے تاثرات کنٹرول کر سکا، چند لمحے خاموشی کارپٹ کو گھورتا رہا، پھر اس نے سر اٹھا دیکھا، اس کی آنکھوں کے کنارے نم ہو رہے تھے۔

''آپ کو پتا ہے انکل! میرا تعلق کس سے ہے؟ میرا تعلق ہائی اپر کلاس سے ہے۔ حساسیت اور نازک مزاجی کو نفسیاتی بیماری سائیکاٹرسٹ کے پاس لے جایا جاتا ہے او پرابلم یہ ہے کہ میں چیزوں کو عام نظر ت دیکھتا، میری سوچ یہ ہے کہ اللہ پاک نے آگہی کا کرب دے دیا ہے، میں ان لوگوں سے نہیں ہوں، میں ان جیسا نہیں ہوں انکل وہ بولتا بولتا رک گیا تھا۔

فاروق نے دیکھا وہ اپنے آنسوؤں پانے کی کوشش کر رہا تھا، ان کے دل کو کچھ ہ شاید وہ اسے تسلی تشفی دینے کے لئے کچھ اسی وقت طالعہ وہاں آ گئی چائے کی ٹر ساتھ، معیز نے سرعت سے خود کو کمپوز کیا تھ

''انکل! میں یہ کچھ گفٹس آپ کے تھا۔'' معیز نے بیگ کی طرف اشارہ ہوئے کہا۔

''اور مجھے لگا کہ شاید تم ہمارے گھر تیا ارادے سے آئے ہو۔'' طالعہ کی بے ساختہ پر فاروق کا قہقہہ بے ساختہ تھا جبکہ صرف مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔

''اس کی کیا ضرورت تھی بیٹا؟''

''آپ کو یاد ہے طالعہ! میں دسمبر میں مما کے ساتھ لندن گیا تھا؟''

اچانک طالعہ سے پوچھا، وہ فاروق کی ا نظر انداز کر گیا تھا۔

''ہوں، ابھی پچھلے ماہ کی تو بات ہے۔'' نے چائے کپوں میں انڈیلتے ہوئے سر ہلایا۔

''کچھ چیزیں وہاں سے لایا تھا اور کچھ چند پہلے لاہور سے، آج آتے ہوئے یاد آ گیا، لے چلوں ورنہ پھر بھول جاؤں گا۔'' اس بتاتے ہوئے بیگ کی زپ کھولی اور اندر سے شاپنگ بیگ نکال لیا۔

''یہ آپ کے لئے انکل!'' اس نے فاروق طرف بڑھایا۔

''تھینکس بیٹا!'' وہ مسکرائے تھے۔

''اس کی ضرورت نہیں۔'' وہ زپ بند کر رہا اس نے بیگ طالعہ کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ آپ کے لئے۔'' طالعہ نے بیگ تے ہوئے اس کی طرف دیکھا، معیز کی نگاہ سے ملی اور پھر فوراً جھک گئی۔

''میں تو تمہیں تھینکس ضرور کہوں گی معیز! تمہارے گفٹس اتنے اچھے ہوتے ہیں کہ ان کا انتظار رہتا ہے۔'' وہ بے تکلفی سے تی ہوئی بولی تھی، معیز کی آنکھیں جگمگا

''You are always welco۔'' اس کے لبوں کو ایک سچی ہٹ نے چھوا تھا۔

''او کے بیٹا! تم لوگ گپ شپ کرو، مجھے یسٹ کرنا ہے۔'' وہ معذرت کرتے اٹھ

''گڈ نائٹ انکل!'' معیز بھی کھڑا ہو گیا۔

''گڈ نائٹ بیٹا!'' وہ اپنے کمرے کی سمت گئے، معیز اور طالعہ خاموشی سے کھڑے کچھ دیر بعد وہ بولا تھا۔

''میں چلتا ہوں۔''

''معیز! کیا تم تھوڑی دیر رک نہیں سکتے؟ میں تمہارے ساتھ واک کرنا چاہ رہی ہوں۔'' طالعہ نے کہا۔

اس کی پیشکش اتنی حیران کن تھی کہ وہ چند لمحوں کے لئے کچھ بولنے کے قابل ہی نہیں رہا۔

''ضرور کیوں نہیں۔'' اس نے شانے اچکائے تھے۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے لان میں آ گئے، سرد جاڑوں کا ٹوٹا چاند بہت تھکا ہوا سا بادلوں میں چھپنے کی کوشش کر رہا تھا جس کی کمزور سی چاندنی لان میں پھیلے ہوا اندھیرے کو نگلنے میں یکسر غیر معاون ثابت ہو رہی تھی، پودے اور درخت بڑے عجیب اور خوفناک نظر آ رہے تھے اگر اس کے ساتھ معیز نہ ہوتا تو اب تک وہ اس پراسرار ماحول سے بھاگ گئی ہوتی۔

''ایک بات پوچھوں معیز؟'' طالعہ نے گرم چادر مضبوطی سے لپیٹتے ہوئے پوچھا، سردی جیسے ہڈیوں میں اتر رہی تھی، معیز نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم اتنے فرسٹیڈ کیوں ہو؟'' طالعہ نے اپنی بات پہ اس کے چہرے کا رنگ بدلتے ہوئے دیکھا، شاید اسے توقع نہیں تھی کہ وہ اس سے اس قسم کا سوال کرے گی۔

''پتا نہیں۔'' اس کے چہرے پر وہی لاتعلقی اور سرد مہری آ گئی جو اس کے مزاج کا حصہ تھی، بند کتاب جیسے اس چہرے سے کچھ کھوجنا کم از کم طالعہ کے لئے ممکن نہیں تھا۔

''ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟ ہر ایک کو پتا ہوتا ہے کہ اسے کیا ٹینشن ہے؟ اسے کیا چیز فرسٹیڈ کرتی ہے؟'' وہ اس سے الجھ پڑی تھی۔

معیز کوئی جواب دینے کی بجائے خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا، یقیناً وہ کوئی جواب دینا نہیں چاہ رہا تھا۔

"آپ سے ایک بات پوچھوں طالعہ؟"
کچھ دیر بعد وہ بولا تھا۔
"ہوں۔" طالعہ نے اندھیرے اور ہلکی سی چاندنی میں ڈوبے بوگن بیل کو دیکھا جن کے پھولوں کا رنگ پھیکا پڑ رہا تھا۔
"آپ کو لگتا ہے خاور جو کر رہا ہے، آئی مین جو اسٹرگل کر رہا ہے اس کا کچھ رزلٹ بھی ہوگا؟"
"اگرچہ میں گھر کے اندر رہنے والی لڑکی ہوں معیز! میرا سوشل سرکل بھی بہت محدود ہے اور میرا ویژن بھی اتنا براڈ نہیں ہے لیکن اس کے باوجود بھی میں یہ یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ ایک بے کار کوشش کر رہا ہے، اکیلا انسان اس نظام میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکتا۔" اس نے حتمی لہجے میں کہا۔
"اور وہ جو نظریہ ہے اکائی کی طاقت، اس کا کیا؟" وہ بولا۔
"یہاں وہ نظریہ لاگو نہیں کیا جا سکتا معیز! یہاں ہر چیز اتنی (زنگ آلود) ہے کہ اسے تبدیل کرنے میں صدیاں درکار ہیں۔" اس نے سر جھٹکا۔
"لیکن اگر کوئی اس کے باوجود آگے بڑھنا چاہے، کچھ کرنا چاہے تو اس کے پیچھے کیا محرک کارفرما ہوں گے؟"
"تو یہ صرف اقتدار اور اختیار کا نشہ ہوگا جناب معیز وقار صاحب! اب آپ میرا انٹرویو لینا بند کیجئے اور کچھ اپنے بارے میں بھی ارشاد فرما دیجئے۔" اس کے انداز نے معیز کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی۔
"کیا جاننا ہے آپ کو؟"
"تم آگے کس فیلڈ میں جاؤ گے؟ تمہارے پاپا بھی تو سول سرونٹ ہیں کیا تم بھی سول سروس کو ہی جوائن کرو گے؟"
"نہیں، میں کہیں نہیں جاؤں گا۔" اس نے مستحکم لہجے میں کہا۔
"نہ فارن سروس اور نہ سول سروس۔"
"تو پھر؟"
"پتا نہیں۔" وہ پھر سے بے نیاز اور لاتعلق بن گیا۔
طالعہ نے اسے قدرے گھورا پھر خاموشی سے چلنے لگی، کچھ دیر بعد وہ رک گیا، اس نے اپنی ریڈیم ڈائل والی گھڑی سے ٹائم دیکھا اور اس سے مخاطب ہوا۔
"ساڑھے نو ہو رہے ہیں طالعہ! مجھے جانا چاہیے۔"
"ہوں، آؤ میں تمہیں گیٹ تک چھوڑ دوں۔" وہ اسے چڑانے کو بولی۔
"اس کرٹسی کی ضرورت نہیں، میں چلا جاتا ہوں۔" وہ مڑا، پھر رک گیا۔
"گڈ نائٹ۔" وہ آہستگی سے بولا تھا۔
"گڈ نائٹ معیز!" دھندلی چاندنی میں جانے کیوں طالعہ کو لگا معیز کی آنکھیں جیسے چمک اٹھی تھیں ویسے جیسے اندھیرے میں یکدم بلی کی آنکھیں چمک اٹھتی ہیں، پھر وہ آہستہ آہستہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا، طالعہ تب تک اسے دیکھتی رہی جب تک گاڑی گیٹ سے باہر نہ نکل گئی، پھر وہ ہموار قدموں سے چلتی اندر جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆

اس شام احمد کا موڈ خود بخود ٹھیک ہو گیا نور العین نے سکون کا سانس لیا تھا ورنہ اسے احمد کی ناراضی برداشت نہیں ہو رہی تھی، دنوں بعد نور العین کو ایک ایسی خبر ملی جس نے اسے ہواؤں میں اڑنے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ اس کا اپائنٹمنٹ لیٹر، اس نے لیکچرر شپ کے
ہوا تھا، وہ بے تحاشا خوش تھی، خوش تو احمد مگر کہیں لاشعور میں میل شاؤنزم کا شکار کی وجہ سے وہ یہ پسند نہیں کرتا تھا کہ اس کی مغربی عورتوں کی طرح اس کے برابر کمائے اس پر اپنی کمائی کے زعم میں رہے، لیکن وہ کچھ نور العین سے ڈسکس نہیں کر سکتا تھا وہ ذہنی خراب نہیں کرنا چاہتا تھا اور چند دنوں نئی روٹین شارٹ ہو گئی، اب صبح ہوتے العین کی دوڑ لگ جاتی، ناشتہ بناتے، خود تے، احمد کو تیاری میں مدد دیتے وہ ہلکان ہو ن سب سے بڑا دھچکا اس کی ننھی گڑیا کو لگا اں کے وجود کی بری طرح سے عادی تھی، العین اسے جاتے ہوئے اس کی دادو کے جاتی، وہ بے چاری خود جوڑوں کی مریض اسے سنبھالتے ہلکان ہوئی جاتیں۔
دن رات کے اس بھاگتے دوڑتے چکر میں پیچھے رہ گیا تھا وہ نہیں جانتی ویسے بھی وہ رم لڑکی نہیں تھی، وہ نور العین احمد تھی، لیکچرر ڈشیالوجی اور اسے پتا بھی نہیں چلا کہ بننے کے چکر میں وہ احمد کے دل سے دور

صبح کے لیکچر کے لئے نوٹس تیار کرنے میں ی جب وہ آہستگی سے اس کے قریب آ کھڑا ں نے سر اٹھا کر احمد کو دیکھا۔
"کیا بات ہے؟"
"تمہارا کام ختم نہیں ہوا؟"
"نہیں، ابھی تو بہت سا باقی ہے، مجھے پیپر ک کرنے ہیں، تم سو جاؤ احمد، تم تھکے ہو۔" وہ سر جھکا کہتی پھر سے لکھنے لگی۔
"تمہیں پتا ہے نور! آج کیا دن ہے؟" وہ لہجے میں بولا تھا۔
"یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے مجھے پتا ہے آج تیرا مارچ......" وہ روانی سے کہتی رک گئی، اس کا قلم تھم گیا اور منہ حیرت سے کھل گیا۔
"تیرا مارچ...... اوہ...... میں کیسے بھول گئی؟" اس نے رک رک کر کہتے ہوئے احمد کو دیکھا، وہ چند لمحے بے تاثر نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر پھیکے انداز میں ہنس دیا۔
"ہاں تمہیں بھول گیا۔" وہ طنز سے کہتا ہنسا۔
"آئم سوری احمد! پلیز......" اس نے احمد کا ہاتھ تھاما، احمد نے اس کے ہاتھ کے نیچے دبے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔
"ہیپی برتھ ڈے احمد!" وہ مسکرائی تھی، احمد نے آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔
"تم اپنے نوٹس تیار کرو نور العین، تمہارا بہت سا کام باقی ہے۔" اس کے لہجے میں محسوس کی جانے والی سرد مہری تھی۔
وہ پیچھے ہٹا اور تیز قدموں سے چلتا باہر نکل گیا جبکہ نور العین وہیں کھڑی تھی۔

دل یوں دھڑکا ہے کہ پریشان ہوا ہو جیسے
کوئی بے دھیانی میں نقصان ہوا ہو جیسے

☆☆☆

اگلی صبح خاور، فاروق چاچو کے اٹھنے سے بھی پہلے وہاں موجود تھا، طالعہ خوشگوار موڈ میں باتیں کرتے ہوئے اور اس کے ساتھ ناشتہ بنانے میں مدد کرتے ہوئے وہ معمول سے زیادہ پرجوش اور خوش تھا اور اس خوشی اور مسرت کا راز طالعہ نہیں جانتی تھی، البتہ وہ جاننا ضرور چاہتی تھی۔
جب تک فاروق تیار ہو کر ٹیبل پر آئے وہ لوگ ناشتہ تیار کر چکے تھے۔
"ہیلو چاچو! گڈ مارننگ!" وہ انہیں دیکھتے ہی جاندار انداز میں مسکرایا تھا۔
"کیسے ہو ینگ مین؟" انہوں نے بازو

پھیلا دیئے، وہ ان سے ملنے گا۔

''فائن چاچو! آپ کیسے ہیں۔'' وہ ان سے پوچھنے لگا۔

''الحمدللہ۔'' وہ کرسی پہ بیٹھ گئے، وہ بھی ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

''اور بھئی کیا مصروفیات ہیں آج کل؟'' فاروق نے کہا۔

خاور قدرے چونکا، ان کے چہرے سے تو ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ طنز کر رہے ہیں اور ان کا چہرہ پہلے جیسا ہی پا کر اس نے سر جھٹکا۔

''بس کچھ نہیں چاچو! کچھ ضروری کام نبٹانے تھے۔''

''تو ہو گئے ختم؟'' انہوں نے پورج کی پیالی سامنے رکھی۔

''جی، ہو گئے آپ سنائیں آپ کی یونیورسٹی ٹھیک جا رہی ہے؟'' وہ ان سے پوچھنے لگا، فاروق یونیورسٹی میں پروفیسر تھے۔

''ہاں، سب ٹھیک ہے، بس طلباء کچھ پریشان کر رہے ہیں، بھئی خاور! تمہارے یونین لیڈر ہونے کا ہمیں کیا فائدہ؟ کوئی تبدیلی لاؤ ان میں، پتا نہیں کیا ہو گیا ہے آج کل کے بچوں کو، صبر اور برداشت تو جیسے بالکل ہی گنوا بیٹھے ہیں جسے دیکھو انگری ینگ مین نظر آتا ہے اور اگر کچھ مزاج کے خلاف ہو جائے تو آسمان سر پہ اٹھا لیں گے، اتنے لوز ٹمپر، اتنے Rash اوہ میرے خدا مجھے تو کوئی حل نظر نہیں آتا۔'' وہ کہتے ہوئے آخر میں بے چارگی سے چپ ہو گئے۔

''سوری چاچو! ان کا حل میرے پاس نہیں ہے، ان فیکٹ حل کسی کے پاس نہیں ہے یہ جنریشن اتنی زیادہ بگڑ چکی ہے کہ اسے ٹھیک نہیں کیا جا سکتا، تبدیلی تو آپ کے دور میں آسان تھی تب یہ سب اتنے بگڑے ہوئے نہیں تھے اور انہیں ٹھیک کرنا بھی آسان تھا، میں حیران ہوں آخر آپ کی جنریشن کرتی کیا رہی؟'' خاور لہجے میں حیرانی اور تجسس تھا۔

''ہم...... ہم کیا کر سکتے تھے بیٹا! ہم تو نہیں جانتے تھے کہ ہمیں کیا کرنا ہے ہم تو ایک تقسیم اور ایک نام نہاد شریعت نافذ کرنے والے کے بیچ دھکے کھاتے رہے۔'' ان کے ...یں تھکن تھی۔

''بٹ چاچو! آج کی جنریشن کے پرا... نہیں ہیں، ہم لوگ......'' خاور کہہ رہا تھا، طالعہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''خاور! پلیز...... دیٹس انیف، کوئی بات کرو نا، یہ صبح ہی صبح آپ لوگ کیا بحث بیٹھ گئے ہو۔'' وہ اکتائی ہوئی سی بولی تھی۔

''اوکے مادام!'' وہ ہنسا۔

''طالعہ! وہ ڈش لاؤ نا جو میں نے ...ہے۔'' اس نے طالعہ سے کہا۔

''کیا؟ تم نے؟'' حیرت سے اس... آنکھیں پھیل گئیں۔

''تو اور کیا؟ اس میں چمچ تو ہلایا تھا نا ...نے۔'' وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔

''واہ، انگلی کٹا کے شہیدوں میں نام۔'' ...جل کے بولی۔

''اچھا وہ ہے کیا؟'' فاروق نے دونو... الجھنے سے بچانے کے لئے مداخلت کی۔

''چاچو! مشرومز کا آملیٹ بنایا ہے، ...نے۔'' خاور نے اس پہ زور دیا۔

''سوری بیٹا! میں مشرومز نہیں کھاتا۔'' معذرت خواہانہ انداز میں کہتے اپنی پلیٹ پہ ...گئے، ٹیبل پہ ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی۔

''اٹس او کے چاچو! طالعہ تو مجھے پہلے ہی ...رہی تھی کہ ابو ایسی ڈشز نہیں کھاتے۔'' خاور ...سا سے انداز میں کہا۔

''تم کیا لو گے خاور؟'' طالعہ اس سے ...گی۔

''سب سے پہلے چائے۔'' وہ اسے بتا کر ...ے فاروق سے باتوں میں مگن ہو گیا۔

ناشتہ کرنے کے بعد طالعہ انہیں وہیں چھوڑ ...نے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ واپس آئی تو لاؤنج سے ابو ...خاور کے قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں، ...یوں تو بہت سنجیدہ مزاج تھے اور بلند آواز ...کبھی نہیں ہنستے تھے، مگر یہ خاور کا ہی اعجاز تھی ...نہیں یوں قہقہے لگانے پہ مجبور کر دیتا تھا، اب ...انہیں اپنے کسی دوست کا قصہ سنا رہا تھا۔

''میں نے کہا یار بٹ! ہو تو تم کشمیری مگر ...مل ہو، کتنا بڑا مذاق ہے تمہارے ساتھ، ذرا ...ے چاچو! بٹ ہے اور آئرن کی کمی......'' وہ ...عوری چھوڑ کر ہنسنے لگا، فاروق بھی ہنس

'یہ تم اس کی عیادت کے لئے گئے تھے یا مذاق بنانے کے لئے؟'' وہ مصنوعی خفگی ...لے، وہ پھر سے ہنسنے لگا۔

''آگے تو سنیں چاچو! میں سچ کہہ رہا ہوں ان کی لوہے کی فیکٹری ہے، اچھا، پھر مجھے کہ یار کوئی مشورہ ہی دو مجھے، یو نو کوئی ...یک ہونے کے لئے، میں نے کہا، تمہیں تو ...ئلہ ہی نہیں ہونا چاہیے تمہارا تو گھر کا مال ...مہا پہلے ایک بات کلیئر کر دوں کہ ان کی ...مل پائپ آتے ہیں جن سے چار پائیاں ہیں، تو میں نے کہا کہ یار تم یوں کرو کہ ...پائی کھا لو، اس سے تمہاری آئرن کی کمی ...یقے سے پوری ہو جائے گی۔'' دونوں کا ...قہقہہ گونجا تھا۔

اب وہ انہیں کسی اور دوست کی سٹوری سنا رہا تھا، گفتگو گھومتی گھامتی پھر سے سیاست کی طرف مڑ گئی۔

''چاچو! مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنا تھی۔'' وہ ان کے قریب کھسک آیا، وہ چونک سے گئے، وہ اب اپنی بات شروع کر چکا تھا، فاروق کے چہرے نے کئی رنگ بدلے تھے، مگر وہ مداخلت کیے بنا اس کی بات بڑے تحمل سے سنتے رہے رفتہ رفتہ ان کی آنکھوں میں دلچسپی پیدا ہوئی اور پھر یکا یک ان کا چہرہ جوش سے تمتما اٹھا۔

''دیٹس اٹ۔'' انہوں نے خاور کا ہاتھ دبایا۔

''میں ہمیشہ سے تمہیں بہت آگے دیکھتا تھا خاور! اور تم میری ساری امیدوں پہ پورا اتر رہے ہو۔'' ان کے لہجے سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی، خاور کا چہرہ بھی چمک اٹھا۔

''تھینکس چاچو! آپ دیکھیے گا میں سب بدل دوں گا، سارا نظام بدل جائے گا، لوگ ''اکائی کی طاقت'' کو تسلیم کریں گے چاچو، آپ دیکھیے گا میں اس شہر کی روشنیاں واپس لے آؤں گا۔'' وہ انہیں اپنے ارادے بتا رہا تھا، فاروق نے زور و شور سے اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

☆☆☆

نور العین کے لئے اگلے چند دن بہت عجیب تھے، پریشان کن اور بیزار کن، وہ جیسے ہر چیز سے اکتانے لگی، حالانکہ وہ سمجھتی تھی کہ جاب اس کی پہلی ترجیح میں تھی، اس کی Priorities میں سب سے آگے احمد ہی تھا مگر پتا نہیں کیوں وہ یہ بات سمجھ نہیں پا رہا تھا، اس کی جاب سے دونوں کے کتنے مسائل حل ہو گئے تھے، اب اسے احمد سے روپے نہیں مانگنے پڑتے تھے، وہ دل کھول کر خرچ کرتی شاپنگ وہ چاہے اپنے لئے کرتی یا گھر

کے لئے کوئی چیز کی، جب اس کی جاب شروع ہونے کے بعد پہلی مرتبہ احمد نے اسے ماہانہ خرچ کے روپے دینے چاہے تو اس نے بہت آرام سے اسے منع کر دیا تھا۔

''اس کی کیا ضرورت ہے احمد! پیسے میرے پاس ہیں۔'' اسے ہنسی آ گئی تھی احمد کے ہاتھ میں وہ چند ہزار خرچ کے نام پہ دیکھ کر۔

احمد ہونٹ بھینچے چند لمحے اس کی آنکھوں سے پھوٹتی حقارت پہ غور کرتا رہا پھر ایک جھٹکے سے واپس مڑ گیا۔

اس دن کے بعد دونوں کی گفتگو اور بھی زیادہ محدود ہو کر رہ گئی تھی، نور العین اس خاموش طبع احمد کو ہضم نہیں کر پا رہی تھی، وہ ہمہ وقت الجھی الجھی سی رہنے لگی، حقیقت تو یہی تھی کہ وہ بھی عام سی مڈل کلاس لڑکی تھی جس کے نزدیک اس کا شوہر سب سے اہم تھا اور شوہر بھی احمد جیسا، آئیڈیل۔

اس دن وہ کالج سے لوٹی تو بے حد تھکن محسوس کر رہی تھی، کمرے میں داخل ہو کر اس نے لائٹ آن کی اور ٹھٹک کے رک گئی، بیڈ پر احمد دراز تھا اس کی آنکھیں بند تھیں اور شرٹ اس نے گرمی کی وجہ سے اتار کر سائیڈ پہ پھینکی ہوئی تھی، پنکھا فل اسپیڈ سے چل رہا تھا۔

نور العین نے تیزی سے دوپٹہ اتار کے سائیڈ پہ پھینکا، بیگ اور نوٹس بھی اس نے ٹیبل پہ دھرے اور تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

''احمد!'' اس نے ہاتھ اس کی پیشانی پہ رکھا جو بری طرح تپ رہی تھی، وہ اسی طرح پڑا رہا، نور العین کی پریشانی میں مزید اضافہ ہوا تھا، اس نے سینڈل اتار کے آرام دہ چپل پہنی اور کمرے سے باہر نکل گئی، قریباً پندرہ منٹ کے بعد وہ لوٹی تو اس نے ٹرے تھاما ہوا تھا جس میں سوپ کا پیالہ دھرا تھا، لیکن احمد اب بیڈ پہ نہیں تھا، اس ٹرے ٹیبل پہ رکھتے ہوئے باتھ روم دروازے کی سمت نظر دوڑائی، جہاں سے گرنے کی آواز آ رہی تھی، وہ وہیں بیٹھ گئی، منٹ بعد وہ باہر آیا، نور العین نے دیکھا سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھا، اس کے با سے پانی ٹپک رہا تھا، اس کی آنکھیں سرخ تھ اور تھکی ہوئی سی لگ رہی تھیں۔

''کیا ہوا تمہیں احمد؟ کب سے ایسے پڑے تھے؟'' وہ اس کی طرف لپکی تھی، احمد نے آستی فولڈ کرتے ہوئے ترچھی نظروں سے اسے دیکھا

''کچھ نہیں ہوا، معمولی سا ٹمپریچر ہے۔'' عام سے انداز میں بولا۔

''میں نے سوپ تیار کر دیا ہے تم لے لو کے بعد میڈیسن......'' وہ کہہ رہی تھی جب نے اس کی بات کاٹ دی۔

''میں چائے لے چکا ہوں نور العین! اتنا تردد کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔'' اس کا ٹھہرا ہوا تھا۔

''احمد پلیز! چائے لینے سے کیا ہوتا تم......'' وہ چیخ گئی تھی۔

''پلیز بس کرو۔'' وہ سرد مہری سے بولا تھا

''میں چپ ہو جاتی ہوں، پہلے تم سوپ اور پھر میڈیسن۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی تھی۔

''میں تمہیں کہہ چکا ہوں کہ......'' وہ بگڑ کہہ رہا تھا۔

''میں بھی تمہیں کچھ کہہ رہی ہوں احمد نور العین نے تیزی سے کہتے اس کی بات قطع کر دی۔

''او...... جسٹ شٹ اپ۔'' وہ دھاڑا تھا۔

نور العین کا رنگ اڑ گیا وہ چند لمحے ساکت

دیکھتی رہی پھر تیزی سے باہر نکل گئی۔

دوپہر سے شام ہو گئی وہ کمرے سے نہیں نکلا نی عزت افزائی کے بعد نور العین میں ہمت تھی کہ وہ دوبارہ کمرے میں اس کا احوال فت کرنے جاتی، وہ خاموشی سے معمول کے ناتی رہی، شام کا کھانا تیار کیا، احمد کے لئے ہلکا پھلکا سا بنایا اور کمرے میں چلی آئی، مے میں دھندلی سی تاریکی تھی، اس نے جلائے بغیر، الماری سے سوٹ نکالا اور نے چلی گئی، نہا کر لوٹی تو کمرہ روشنی سے بھرا ما، احمد بیڈ پہ نیم دراز تھا، اس کی آنکھیں ہوئی تھیں، نور العین نے بال بنا کے کلپ ہو اس کی طرف مڑی۔

''کچھ کھانے کا موڈ ہے تو باہر آ جاؤ۔'' وہ ڑ لہجے میں کہہ کے باہر چلی گئی، احمد بھی اٹھ ہ دھونے چلا گیا، کچھ دیر بعد وہ باہر آیا تو نور میل لگا چکی تھی، کھانا بے حد خاموشی سے گیا تھا صرف کبھی کبھار گڑیا کے بولنے کی آ رہی تھی جسے اپنے اسکول کے قصے سنانے مد شوق تھا، دونوں کی خاموشی تو سفینہ بیگم کو ھنک رہی تھی مگر وہ میاں بیوی کے جھگڑے خلت کی قائل نہ تھیں۔

احمد کھانا کھانے کے بعد پھر سے اپنے ے میں چلا گیا، وہ کچن سمیٹ کر کمرے میں وہ اپنی بیٹی کو سینے پہ لٹائے باتوں سے مگن

'میری بیٹی بہت سا پڑھے گی، ہے نا ابو کی '' وہ اس کے ننھے ننھے ہاتھ چوم رہا تھا، وہ ف پریپ کلاس میں تھی۔

''جی ابو!'' وہ نہال ہو گئی تھی۔

نور العین نے بغور باپ بیٹی کا لاڈ دیکھا اور ں سے آئینے کے سامنے جا بیٹھی، اب وہ احمد سے ضد کر رہی تھی کہ وہ اسے کہانی سنائے، احمد اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے کہانی سنانے لگا، وہی روایتی سی کہانی، نازک شہزادی ظالم دیو کی قید میں تھی۔

''ابو! کیا پرنس کو بچانے کے لئے کوئی نہیں آیا؟'' وہ فکر مندی سے پوچھ رہی تھی۔

احمد کو اس پہ بے تحاشا پیار آیا تھا، اس نے بے اختیار اس کی پیشانی کو چوما، نور العین کو نہ جانے کیوں بے تحاشا غصہ آیا تھا، اس سے باپ بیٹی کا اتنا پیار ہضم نہیں ہو رہا تھا اس نے ایک زور دار آواز کے ساتھ ڈریسنگ ٹیبل کا اسٹول دھکیلا اور ہیر برش پٹخنے والے انداز میں پھینکا اور اٹھ گئی، احمد اب خاموشی اختیار کر چکا تھا، نور العین کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔

☆☆☆

اگلے چند دن معمول کے مطابق تھے، وہی سمیسٹرز سے پہلے کی ٹینشن، سٹوڈنٹس کی بھاگ دوڑ، طالعہ کا یونیورسٹی سے چھٹی کا موڈ بن رہا تھا جبھی وہ ابو کو ناشتہ دینے کے بعد واپس اپنے کمرے میں آ گئی، جنوری کی سردی بڑی کڑ کڑانے والی تھی، کچھ دیر بعد وہ بور ہو گئی، اس کا دل نہیں لگ رہا تھا، اب اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے چھٹی کیوں کی؟ وہ پھر سے کتابیں کھول کے بیٹھ گئی۔

بارہ بجے کے قریب اسے بھوک ستانے لگی اور اس کے ساتھ ہی خاور کی یاد بھی، اس نے کچن میں آ کر نوڈلز بنانے کا ارادہ کیا اور اس کے ساتھ ہی خاور کا نمبر ملانے لگی، اس نے نوڈلز کا پیکٹ نکال کے سلیب پہ رکھا اور پین میں پانی ڈالنے لگی، اسی وقت فون اٹھا لیا گیا۔

''ہیلو طالعہ! کیسی ہو؟'' وہ بڑی عجلت میں پوچھ رہا تھا، پیچھے اچھا خاصا شور تھا، طالعہ کو حیرت

ہوئی۔

''میں تو ٹھیک ہوں مگر تم کدھر ہو؟ اتنا شور؟'' وہ رہ نہ سکی۔

''ہاں، میں تمہیں بعد میں کال کرتا ہوں تم......'' خاور کی بات ادھوری رہ گئی، پیچھے سے اسے آواز دی گئی۔

''آ جاؤ خاور! وہ دونوں کچھ کر بیٹھیں گے آج۔'' بہت زور سے کوئی چلایا تھا۔

خاور نے فون بند کر دیا تھا، طالعہ چند لمحے اندازہ کرتی رہی کہ وہ کسی قسم کی سچویشن میں ہو سکتا ہے؟ پھر اسے یہی لگا کہ وہ یونیورسٹی ہی ہوگا، ہنگامے تو وہاں معمول کا کام تھے، اس نے کندھے اچکائے اور پانی میں نوڈلز ڈالنے لگی، اسی شام اسے اس کی کلاس فیلو انعم کا فون آ گیا تھا۔

''تم نے فیس بک آن کی آج؟'' وہ چھوٹتے ہی پوچھنے لگی۔

''نہیں ٹائم ہی نہیں ملا آج؟ کیوں خیریت؟''

''بس، پھر تم ابھی یونیورسٹی کا پیج کھولو۔''

اس نے اتنا کہہ کے فون بند کر دیا، طالعہ حیران سی چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر سر جھٹک کے اٹھی اور کمپیوٹر آن کرنے لگی، مگر اس سے پہلے کہ وہ نیٹ آن کرتی اس کا موبائل بج اٹھا، اس نے سیل فون کی اسکرین دیکھی، خاور کا نمبر بلنک کر رہا تھا، اس کے لبوں پہ ایک بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

''ہیلو!'' اس نے یس کا بٹن دباتے ہی کہا۔

''کیسی ہو طالعہ؟'' وہ بڑے سنجیدہ انداز میں بات کر رہا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں، تم کیسے ہو؟ کہاں مصروف رہے سارا دن؟'' اس کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا۔

''کچھ نہیں بس...... دفع کرو تم بتاؤ آج گھر میں؟'' وہ کچھ بتاتا بتاتا رک گیا، کچھ الجھ گئی۔

''کچھ بھی نہیں، اسٹڈی میں بزی رہی

''گڈ، یونیورسٹی آنے کا ارادہ ہے صبح؟

''ہاں، میں تو آج بھی کافی بور ہوئی لے کے۔'' وہ منہ بنا کے بتا رہی تھی۔

''تم دو چار دن کے لئے مزید آف طالعہ!'' اس کا انداز تحکمانہ تھا۔

''کیوں؟'' طالعہ کو اس کا تحکمانہ لہجہ عجیب لگا۔

''نہیں، میرا مطلب ہے کہ ادھر کیہ میں کوئی خاص اسٹڈی تو ہو رہی ہے نہیں، ا طریقے سے گھر میں ہی پڑھو تو۔'' خاور نے کے توجیح پیش کی تھی۔

''اوہ، ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔'' اس اتفاق کیا۔

''تو بس ٹھیک ہے تم چند دن مت آ ہاں تم نے صبح فون کیا تھا، میں بزی تھا یار، پتا تو ہے کہ ادھر تو بس لڑکوں کو موقع چاہیے اکتایا ہوا سا تھا۔

''چھوڑو خاور! کن فضولیات میں پ ہو، ایسے ہی ٹینشن بنا لی ہے تم نے اپنے لئے اور کر لو۔'' وہ جھلا کے بولی تھی۔

''طالعہ پلیز! تم تو ایسا کر کے میرا ح کرنے کی کوشش مت کرو۔'' وہ بے بس سا تھا۔

''او کے مگر تمہیں کیا لگتا ہے تم تبدیلی ا ہو؟'' وہ بھی جیسے ہار گئی تھی، تھک کے اس اس کے عزائم جاننے چاہے تھے، جواباً وہ ساختہ ہنسا تھا۔

اب لگی ہو ناں میری طالعہ! سنو عزائم تو س کہ اگر بتا دوں تو سہہ نہیں پاؤ گی۔'' اس میما اور معنی خیز ہو گیا تھا، طالعہ نے بے ھڑکتے دل کے ساتھ فون کو گھورا۔

'اس کے لئے میں خود آ جاتا ہوں، تفصیل 'ں گا تمہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے دیا تھا۔

عالعہ مسکراتے ہوئے اٹھ کے باہر آ گئی تھی خ کچن کی طرف تھا، اسے شام کی چائے زمات کے ساتھ تیار کرنا تھی۔

☆☆☆

گلی صبح بہت خوشگوار تھی، جنوری کی ستائیس ھی اور سورج نے پہلی بار جھلک دکھلائی ا ہ خوش و مطمئن تھی، رات اس کی خاور سے ں بحث ہوئی تھی، جس میں ہمیشہ کی طرح وہ گیا تھا، طالعہ کو آخر کار اس کے فیصلے پر سر خم ہڑا تھا، مگر وہ جانتی تھی کہ در حقیقت خاور کی می اس کی جیت تھی، بہت عرصہ بعد ان کی یاسٹنگ ہوئی تھی جس میں انہوں نے ہر قسم وضوعات پہ بات کی تھی، بنیادی طور پر وہ رم مزاج اور ہمدرد طبیعت کی حامل تھی اور ماطب خاور جیسا ہو تو مقابل کیسے نہ خود کو لی محسوس کرتا؟ طالعہ اس حقیقت کو بخوبی ھی، وہ اتنے دو ٹوک اور حتمی لہجے میں بات نے کا عادی تھا کہ وہ لفظ ڈھونڈتی رہ جاتی اور ف اس کا زور بیان ہی نہیں تھا بلکہ وہ ہمیشہ سے بات کرنے کا عادی تھا، طالعہ نے اتنا کی دلیلوں پر دھیان نہیں دیا تھا، جتنا اس کے سے پھوٹتی صداقت پر دیا تھا اور اس کی ں کی روشنی پر، جو بڑی سچی تھی اور جو طالعہ دجگنوؤں کی طرح رقص کرتی تھی اور اسے آواز میں کہتی تھی کہ خاور غلط نہیں ہو سکتا، وہ سچا ہے اور سچے لوگ کبھی دھوکہ نہیں دیتے، کبھی غلط نہیں کرتے۔

محبت کا یہ نقصان سب سے بڑا ہوتا ہے کہ یہ انسان کے کان اور اس کی آنکھیں سب سے پہلے بند کرتی ہے، محبت میں محبت کو محبوب کی خامیاں کبھی نظر نہیں آتیں، آنکھیں صرف، اچھائیاں دیکھتی ہیں، محبت کو محبوب کی کوئی بات غلط نہیں لگتی، ہر چیز درست، ہر بات حق، ہر حکم پہ لبیک، یہی تو محبت ہے اور محبت یہی کرتا ہے۔

ایسا نہیں تھا کہ اسے خاور میں خامیاں نظر نہیں آتی تھیں، خامیاں اس میں بھی تھیں اور سب سے بڑی خامی اس کی طالعہ کے نزدیک یہ تھی کہ وہ ہر ایک سے فوراً بے تکلف ہو جاتا تھا، راہ چلتوں کو دوست بنا لینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، طالعہ کو نہیں لگتا تھا کہ یونیورسٹی میں کوئی ایسا ہو جو خاور کو نہ جانتا ہو، اس کی اسی خوبی کو دیکھتے ہوئے اسے یونین کا صدر چنا گیا تھا، دوسری اس کی خامی طالعہ کے نزدیک از حد اشتعال انگیز تھی، بات کرتے ہوئے اس کے چہرے پر ایک مستقل مسکراہٹ رہتی تھی، موضوع کتنا بھی سنجیدہ ہوتا، بحث کتنی بھی پیچیدہ ہوتی اس اس کی مسکراہٹ ہنوز اور بدستور قائم رہتی، جو کہ بعض اوقات مقابل کی برداشت کے لئے امتحان بن جایا کرتی تھی۔

خود طالعہ بھی اس تجربے سے گزر چکی تھی، وہ از حد غصہ میں ہوتی، چیخ رہی ہوتی اور خاور مسکراتے ہوئے اس کی مسکراہٹ کی تعریف کرنا شروع کر دیتا اور کبھی اس کی سنہری آنکھوں کی، وہ دانت کچکچا کر رہ جاتی۔

البتہ خوبیاں اس میں بے شمار تھیں، یا طالعہ کو نظر آتی تھیں، وہ بے حد نرم مزاج تھا، کسی کو مشکل میں دیکھ ہی نہیں سکتا تھا، خدمت خلق کا جذبہ اتنا

زیادہ تھا کہ کبھی کبھی طالعہ جھنجلا جاتی، وہ ہر ایک کی مدد کرنے کھڑا ہو جاتا، چاہے مقابل اجنبی ہی ہوتا، وہ بہت خوش مزاج تھا، دوسروں کو منٹوں میں گرویدہ بنا لیتا تھا، وہ لڑائی جھگڑے کو سخت نا پسند کرتا تھا، طالعہ نے نوٹ کیا تھا جب سے خاور نے یونین کی پوسٹ سنبھالی تھی یونیورسٹی میں ہنگامے خاصے کم ہو گئے تھے اور ہمیشہ ان پر بروقت قابو پالیا گیا تھا۔

طالعہ کو بعض اوقات فخر ہوتا ہے اتنی Popularity کے باوجود اس میں غرور تکبر نام کو نہ تھا اور یہ "شاہ خاور" طالعہ کا منگیتر تھا۔

☆☆☆

چائے کا مگ تھامتے ہوئے وہ چیئر پہ آ بیٹھی، اسے انعم کی بات یاد آئی تو اس نے فیس بک آن کر کے یونیورسٹی کا پیج اوپن کیا تھا، پتا نہیں انعم اسے کس Heppening کے بارے میں بتانا چاہ رہی تھی؟ اچانک اس کی کونے پہ لگی، چھوٹی سی تصویر پہ جا پڑی اس نے قدرے چونک کر دیکھا اور تیزی سے پکچر زوم کر کے دیکھا اور اسے پہلا دھچکا لگا تھا۔

وہ معیز تھا اس نے زومنگ کر کے پوری اسکرین پہ پھیلا دی، مووی میں دو شخص ایک دوسرے کے مقابل نظر آ رہے تھے، ایک تو معیز تھا اور دوسرا شخص؟ طالعہ نے اس کا چہرہ فوکس کیا تو اسے ایک اور دھچکا لگا، وہ شہزاد چوہدری تھا۔

پنجاب سے تعلق رکھنے والے شہزاد کا تعلق، خالصتاً جاگیر دارانہ نظام سے تھا وہ چوڑا چکلا ساڑھے چھ فٹ کا شخص تھا جس کی بڑی بڑی مونچھیں تھیں اور جب وہ اپنے پنجابی لہجے میں اردو مکس کر کے بولتا تو کمال لگتا، اس کی اس "گلابی اردو" سے بھی محظوظ ہوتے تھے۔

بے شک یونیورسٹی میں اس کا بے حد اثر رسوخ تھا مگر وہ بنیادی طور پر ایک امن پسند تھا، اور اس کا کردار ہمیشہ یونیورسٹی میں ہو والے ہنگاموں میں ثالث کا سا ہی رہا تھا۔

اس وقت بھی شہزاد، معیز کے مقابل تھا اور دونوں کے تاثرات قطعاً دوستانہ نہ مووی کی آواز غائب تھی، حالانکہ وہ خاصے قر فاصلے سے بنائی گئی تھی۔

غالباً وہ معیز سے کچھ پوچھ رہا تھا، معیز نے سختی سے کچھ کہا اور آگے بڑھنا چاہا یکدم شہزاد نے اس کا بازو تھام کر اسے روک اب وہ مسکراتے ہوئے پھر سے کچھ کہہ رہا معیز کا چہرہ یک بیک دہک اٹھا، طالعہ نے ا آنکھوں سے بجلیاں سی لپکتی دیکھیں اور چیختے ہوئے اس سے بھڑ گیا، ٹکر برابر کی تھی منٹ سے بھی کم وقت میں وہ دونوں ا دوسرے کو لہولہان کر چکے تھے، معیز کا خون تھا اور اس کی ایک آنکھ نیلی ہو رہی تھی جبکہ د طرف شہزاد کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا، معیز طوفانی گھونسے نے ان کے ناک کا بانسا تو تھا، یکدم اردگرد کے سٹوڈنٹس کی بھیڑ چھٹنے پھر سین میں خاور نمودار ہوا، اس کے ساتھ افراد تھے وہ لپک کر معیز کی طرف آیا تھا، اس معیز کا بازو پکڑتے ہوئے اسے اپنی سمت اور چیخ کر کچھ کہا اس کے ساتھ ہی مووی ا پہنچ گئی، اسکرین تاریک ہو چکی تھی، غالباً میکر سے اس کا موبائل چھین لیا گیا تھا۔

طالعہ کے ہاتھ پیر لرز رہے تھے، ا اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کر اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ معیز تھا؟ کچھ د وہ وہیں بیٹھی رہی پھر اس نے دوبارہ سے اب وہ شاید سٹوڈنٹس کے کمنٹس دیکھنا چاہ تھی، سب سے پہلے اس کی نظر مووی کے

نگ پر پڑی اور اسے ایک اور شاک لگا۔

"Moyiz waqar broke his sile"۔ اس نے ہونٹ بھینچ کر اس تاریخی ن کو پڑھا اور کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کر دیا، اس کا ملہ جیسے حل ہو گیا تھا، اسے اب سمجھ آ رہی تھی کہ نے اسے یونیورسٹی آنے سے کیوں منع کیا

اب کی بار اس نے خاور کو فون کرنے کی غلطی کی تھی، اس نے چائے کا مگ وہیں چھوڑا اور ٹھ گئی، اسے خاور پر کتنا غصہ تھا وہ نہیں جانتی اسے ابھی اور اسی وقت اس نے ملنا تھا اس جھوٹ کا پول کھولنا تھا، اسے ابھی کے ابھی رسٹی جانا تھا، یونیورسٹی پہنچ کر اس نے خاور کو ا تھا اور اسے زیادہ مشقت نہیں کرنا پڑی تھی، نے اسے دیکھ لیا تھا اور اسے اپنے ساتھ ہی گیا۔

"خاور کدھر ہے احمر؟" اس نے اس کے چلتے ہوئے پوچھا۔

"وہ آفس میں ہے۔" احمر نے کہا، وہ بھی ے کے متاثرین میں شامل تھا، وہ خاموشی سے ہوئے یونین آفس میں آ گئے، طالعہ کو دیکھ وہ ان رہ گیا تھا۔

"طالعہ! کیسی ہو تم؟" وہ مسکرایا تھا۔

"معیز کہاں ہے؟" اس نے دو ٹوک پوچھا۔

"معیز نے آف لیا ہوا ہے کچھ دنوں کے لیے۔" وہ چونکے بغیر اسی طرح بولا۔

"کیوں؟" وہ تیکھے انداز میں بولی تھی۔

"تمہیں کوئی کام ہے اس سے؟" وہ بدستور مسکرا رہا تھا۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے خاور؟" رشتی سے بولی تھی۔

"او کے وہ کچھ آرام کرنا چاہ رہا ہے، تم سناؤ کیسے آنا ہوا، تم تو کہہ رہی تھیں کہ شاید کچھ دن نہ آؤ۔" وہ بڑی مہارت سے موضوع بدل گیا۔

"کس قسم کا آرام؟" وہ اپنا سوال بھولی نہیں تھی، طالعہ نے پہلی بار اسے جھلاتے دیکھا۔

"آخر تم اتنا انویسٹی گیٹ کیوں کر رہی ہو؟" وہ اکتا گیا تھا۔

"میری بات کا جواب؟" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں یار! شاید وہ اس روٹین لائف سے بور ہو گیا ہے۔" وہ پھر سے مسکرا رہا تھا، طالعہ کی برداشت جواب دے گئی تھی وہ پھٹ پڑی۔

"میں سچ جاننا چاہتی ہوں خاور! جھوٹ بولنا بند کرو۔" خاور کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"جھوٹ؟" وہ حیرت سے بولا۔

"کیا مطلب؟"

"شاید تم نے فیس بک پر چیک نہیں کیا ورنہ تم اتنی روانی سے جھوٹ نہ بولتے؟" وہ سرد لہجے میں بولی۔

"فیس بک پر کیا؟" اس کے لہجے اور چہرے پہ اتنی حقیقی حیرت تھی کہ طالعہ داد دیئے بنا رہ نہ سکی۔

"تم بہت اچھے ایکٹر ہو خاور! بہتر ہے تم فیس بک چیک کر لو، پھر بات کرنا۔" وہ اسی لہجے میں بولی تھی۔

خاور کے چہرے کا رنگ بدل گیا، وہ جھٹکے سے صوفہ سے اٹھا اور اپنی آفس ٹیبل کی طرف بڑھ گیا، اب وہ لیپ ٹاپ آن کر رہا تھا، طالعہ منتظر نگاہوں سے اس کی سمت دیکھ رہی تھی، وہ اس کا ردعمل جاننا چاہ رہی تھی، مگر اس سے پہلے ہی آفس کا دروازہ کھلا اور شہزاد اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اندر آ گیا۔

''السلام علیکم شاہ جی!'' وہ بلند آواز سے بولا تھا، پورا نام ''شاہ خاور'' ہونے کی وجہ سے یونیورسٹی میں عام طور پر اسے ''شاہ'' ہی پکارا جاتا تھا۔

خاور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا، طالعہ نے اس کے چہرے پر تذبذب دیکھا، اسی وقت شہزاد کی نظر طالعہ پر پڑ گئی۔

''اوہ ہو! صحیح کہہ رہا تھا احمر! شاہ جی تو واقعی بڑے مصروف ہیں۔'' وہ معنی خیزی سے بولتا افسوس میں سر ہلا رہا تھا۔

''او...... یارو! تم لوگ ذرا باہر تشریف لے جاؤ، مجھے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔'' اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا، سب کے باہر نکلنے کے بعد وہ تسلی سے صوفہ پر براجمان ہو گیا، اس کے ناک اور ماتھے پر ابھی تک بینڈ ایج تھی۔

''شاہ جی! یار سمجھاؤ ذرا اپنے بیلی کو، بڑا اوکھا اور اچھا بندہ ہے جی۔'' اس نے کہتے ہوئے اپنی ناک کو چھوا، اس کے تاثرات بگڑے ہوئے تھے۔

خاور اب اس کے مقابل بیٹھ چکا تھا، اس نے طالعہ کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا تھا۔

''شہزاد! Honestly مجھے تو خود نہیں پتا کہ تم دونوں کے بیچ آخر کون سی بات ہوئی ہے، معیز نے میرے لاکھ پوچھنے پر بھی نہیں بتایا اور تم...... تم آج آئے ہو۔'' خاور کے چہرے پر دھیمی مسکراہٹ تھی، شہزاد کے تاثرات بدل گئے تھے، خاور کی مسکراہٹ نے جادوئی اثر کیا تھا۔

''او یار شاہ! تم خود بتاؤ آخر میں نے ایسا کون سا گلط (غلط) سوال کر دیا جو وہ میرے پہ ٹوٹ پڑا، ذرا دیکھو، بس یہی تو پوچھا تھا میں نے کہ معیز پاء جی (بھائی) یہ جو لڑکی ہے......'' وہ بڑے خوشگوار موڈ میں بات کرنے لگا تھا۔

یہاں تک بات کر کے اس نے طالعہ کو دیکھ جو اچھے خاصے کینہ توز انداز میں اسے گھور رہی تھی، وہ گڑبڑا کے سیدھا ہوا تھا۔

''یہ جو...... اپنے صدر صاحب (خاور) کے ساتھ ہوتی ہے یہ ان کی سہیلی ہے؟'' وہ کہہ رہا تھا، خاور کا بے ساختہ قہقہہ گونج اٹھا، طالعہ کے چہرے کا رنگ سرخ پڑ گیا۔

''یار! ہنسو مت، مجھے بتاؤ میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی جو وہ یوں بھڑک گیا؟'' وہ ناراضی سے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں یار! تم نے صحیح سوال، غلط آدمی سے کر دیا تھا۔'' خاور نے اسے سمجھایا۔

طالعہ کو کچھ ہوا تھا، شاید خاور کے معیز کو ''غلط آدمی'' کہنے پر، یا شاید خود کو خاور کی سہیلی کہلائے جانے پر یا شاید خاور کے یوں انجوائے کر کے ہنسنے پر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ گئی، خاور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا مگر وہ کسی کو کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر تیزی سے باہر نکل گئی، وہ کیا محسوس کر رہی تھی؟ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی، پتا نہیں اسے دکھ زیادہ تھا یا غصہ؟ وہ جان نہیں پا رہی تھی، اسے خاور سے یہ توقع نہیں تھی، اسے امید نہیں تھی کہ خاور جیسا انسان جس کے نزدیک مورل ویلیوز کا سب سے پہلا نمبر تھا، وہ کیسے یہ برداشت کر گیا کہ اس کی منگیتر کو اس کی گرل فرینڈ کہا گیا، اسے اس بات پر کتنا دھچکا لگا تھا کہ خاور نے شہزاد کو بتایا نہیں کہ وہ اس کی منگیتر تھی، وہ کتنے مزے سے بیٹھا ہنس رہا تھا، اس کی رنجیدگی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، اِدھر اُدھر دیکھے بغیر سیدھا وہ دھندلی آنکھوں سے اپنی گاڑی کی سمت بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

اگلے چند دن بہت برے ثابت ہوئے

، احمد اس سے یکسر لاتعلق ہو چکا تھا، نور العین کا معنوں میں دماغ ٹھکانے آیا تھا، اسے یقین میں آتا تھا کہ یہ احمد تھا، وہ تو کبھی ایسا رویہ نہیں یار کرتا تھا پھر اب؟ وہ گنگ تھی، مگر وہ بہت وہ دن تک خود کو روک نہیں سکی تھی، رات وہ نے کے لئے لیٹا تو وہ اسے پکار بیٹھی تھی۔

''احمد!'' اس کی آواز میں عجیب سی لرزش ں۔

''ہوں۔'' وہ سیدھا ہو گیا، اس کی آنکھوں ں حیرت تھی اسے توقع نہیں تھی کہ وہ اسے نے کی کوشش کرے گی۔

''پلیز! اپنی ناراضی ختم کر دو۔'' وہ روہانسی گئی۔

''ناراضی؟'' وہ بڑبڑایا۔

''نہیں نور العین میں تم سے ناراض نہیں ں۔'' اس کا لہجہ پرسکون تھا۔

''مگر پھر تمہارا موڈ ایسا کیوں ہے؟'' وہ سردگی سے پوچھ بیٹھی تھی، وہ چند لمحے خاموشی سے خلا میں گھورتا رہا۔

''تمہیں فرق پڑتا ہے میرے موڈ سے؟'' تلخی سے بولا تھا۔

''بالکل پڑتا ہے۔'' وہ صاف گوئی سے لی، وہ طنزیہ ہنس دیا۔

''اچھا۔''

''احمد پلیز! کیوں کر رہے ہو ایسا؟'' وہ پ ہی تو اٹھی تھی۔

''جاننا چاہتی ہو وجہ؟'' وہ تیز لہجے میں بولا ھا۔

''ہاں، میں جاننا چاہتی ہوں۔'' وہ بھی اسی لہجے میں بولی تھی۔

''میں چاہتا ہوں تم یہ جاب چھوڑ دو۔'' وہ صاف انداز میں بولا، نور العین پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

''کک...... کیا...... کیا مطلب؟'' وہ ہکلا سی گئی تھی۔

''میں تمہیں یوں خود مختار نہیں دیکھ سکتا۔'' اس کی صاف گوئی نور العین کے دل پہ برچھی کی مانند کھب گئی تھی۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ تم کہہ رہے ہو؟'' وہ بے یقینی سے بولی تھی۔

''اس میں یقین نہ آنے والی کون سی بات ہے نور العین!'' وہ آہستگی سے بولا تھا۔

''تمہیں آخر اعتراض کس بات پر ہے احمد؟''

''ہر بات پر۔'' وہ فوراً بولا۔

''لیکن کیوں؟'' وہ چیخ پڑی تھی۔

''سنو نور العین! مرد جتنا مرضی خود کو براڈ مائنڈڈ اور لبرل شو کرے وہ اندر سے ہمیشہ وہی روایتی سا مرد ہوتا ہے جو اپنی عورت پر کسی دوسرے کی نظر بھی برداشت نہیں کر سکتا، ہاں میں بھی ایسا ہی مرد ہوں، ٹیپکل مرد، نہیں برداشت کر سکتا میں کہ تم میری برابری کرو، جب اسلام عورت کو گھر کی ملکہ کا درجہ دیتا ہے تو تم کیوں میرے شانہ بشانہ چلنا چاہتی ہو، مجھ پر اپنی کمائی کا رعب جھاڑنا چاہتی ہو، مجھے نیچا دکھانا چاہتی ہو کیونکہ تم اپنی جاب کر رہی ہو، ہاں میں ہوں ٹیپکل مرد، میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ میرے انڈر رہو، نور العین! تم ایک بات جان لو، تمہیں یہ جاب چھوڑنا ہو گی، میں......'' وہ تند و تیز لہجے میں بولتا گیا تھا۔

''بس کرو احمد! میں جاب نہیں چھوڑوں گی۔'' وہ چلائی تھی مگر اس کا لہجہ بڑا فیصلہ کن تھا۔

احمد چند لمحے ساکت رہا پھر اس نے نور العین کا بازو تھام کر سختی سے دبوچا۔

"تمہیں میری بات ماننا ہو گی نور العین!" اس کا دھیما لہجہ سرد تھا۔

"میں نہیں مانوں گی احمد۔" اس نے جھٹکے سے بازو چھڑایا اور سرد لہجے میں بولی۔

"تو پھر مجھے چھوڑ دو۔" وہ سفاکی سے بولا تھا، نور العین کی سانس رک گئی، وہ چند پل کچھ بول ہی نہ پائی تھی۔

"تم اپنے حواسوں میں ہو؟" وہ بمشکل بول پڑی تھی۔

"آف کورس۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"احمد! تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟ تم ایسے تو نہیں تھے، کیا قباحت ہے آخر جاب کرنے میں؟" وہ رو پڑی تھی۔

"میرا خیال ہے میں تمہیں کافی تفصیل سے بتا چکا ہوں۔" وہ اب بھی پرسکون تھا نور العین کے آنسوؤں نے اسے قطعاً متاثر نہیں کیا تھا۔

"میں نے تمہاری مرضی سے اپلائی کیا تھا۔" اس نے یاد دلایا۔

"تو؟ اب میری مرضی سے ہی چھوڑ دو۔" وہ تسلی سے بولا۔

"پلیز ایسا مت کرو احمد! یہ میرا خواب تھا اسے مت توڑو۔" وہ پھر سے رونے لگ گئی۔

"میں تو تم سے کہہ چکا ہوں نور العین! مجھے چھوڑ دو اور خوابوں کی تکمیل کر لو۔" وہ بے رحمی سے بولا تھا۔

"تم مجھے آپشن دے رہے ہو؟" وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کے بولی تھی۔

"ہاں۔" وہ سکون میں تھا۔

"میں کسی کو بھی نہیں چھوڑ سکتی احمد۔" وہ وحشت زدہ سی ہو رہی تھی۔

"تو پھر میرے موڈ کے بارے میں دوبارہ بات مت کرنا۔" وہ حتمی لہجے میں بولا، نور العین پھیلی آنکھوں اور پھیکے چہرے کے ساتھ ا دیکھتی رہی تھی، وہ پھر سے دراز ہو چکا تھا۔

بربادی کا نقطہ آغاز ہوا چاہتا تھا، مگر بربادی؟ یہ تو بس کاتب تقدیر ہی جانتا تھا۔

سبق دیتا رہا جو عمر بھر روشن خیالی کا
اسے جب پاس سے دیکھا
تو خود بھی تنگ نظر نکلا
سمجھ کر زندگی جس سے
محبت کر رہے تھے ہم
اسے جب چھو کے دیکھا تو
فقط خاکی بشر نکلا

☆☆☆

"لوگ جھوٹ کیوں بولتے ہیں ابو؟"

لان میں چیئرز پہ بیٹھے نرم، چمکیلی دھوپ گرم کافی سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اس فاروق احمد سے بڑا عجیب سوال کیا تھا، انہو نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا خاور سے پھر کوئی بات تمہاری؟" انہوں نے جھگڑا کہنے سے دانستہ گریز کیا۔

طالعہ کی آنکھیں دھواں دھواں سی ہو تھیں، چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولی تو کے لہجے میں تلخی تھی۔

"پتا نہیں ابو! وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ مجھے صحیح بات کیوں نہیں بتاتا، شاید وہ مجھے قابل ہی نہیں سمجھتا، ہمیشہ غلط بیانی کرتا میرے ساتھ۔" وہ بڑی تھکی تھکی اور رنجیدہ تھی۔

"طالعہ! بیٹا ایسا نہیں سوچتے، اسی میں مصلحت ہو گی۔" انہوں نے اسے بہلایا تھا۔

"مصلحت! نہیں ابو! وہ صرف مجھ جھوٹ ہی بولتا ہے ہمیشہ ہر بات پر، ہر معا میں، جھوٹ پہ جھوٹ، میں تھک چکی ہوں

جھوٹ سن سن کر۔" وہ پھٹ پڑی تھی، وہ دنگ گئے تھے۔

"بیٹا! ہم سب کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی حد تک جھوٹ کو اپنی زندگی میں اپنائے ہوئے ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ایک دوسرے سے نفرت کرنا شروع کر دیں، لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ میں اس رجحان کو درست قرار دے رہا ہوں لیکن یہ مجموعی طور پر ہم سب کے رویے کا حصہ بنتا جا رہا ہے، ہم سب جھوٹ کے اس قدر عادی ہو چکے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر غلط بیانی کو ہم جھوٹ نہیں گردانتے۔" وہ اسے بڑے پیار سے سمجھا رہا تھے، طالعہ نے ان کی بات قطع کر دی۔

"قطع کلامی معاف، مگر ابو! مجھے کہنے دیں کہ ایسا صرف چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہی نہیں ہوتا ہم ہر قسم کے معاملے میں جھوٹ بولتے ہیں۔"

"یہ بھی درست ہے مگر مجھے یہ تو بتاؤ کہ تمہاری خاور سے آخر کون سی بات ہوئی ہے؟" وہ پوچھ رہے تھے۔

طالعہ نے سر جھکا، اس میں ہمت نہیں تھی کہ وہ انہیں یونیورسٹی میں ہونے والے تماشے کے بارے میں بتا سکتی۔

"آپ خود اس سے پوچھ لیجئے گا۔" اس نے سر جھکا لیا۔

"مگر میں اپنی بیٹی سے جاننا چاہتا ہوں طالعہ۔" وہ بڑے مان سے بولے تھے۔

"ابو پلیز میں نہیں بتا سکتی۔" اس نے بے بسی سے کہا، آنکھوں کے زیریں کنارے نم ہو رہے تھے، وہ چند لمحے خاموش رہے، پھر آہستگی سے سر اٹھایا۔

"ٹھیک ہے بیٹا! میں خاور سے پوچھ لوں گا، آپ ریسٹ کریں اور ٹینشن فری ہوں میں معاملے کو دیکھ لوں گا۔" انہوں نے اسے تسلی دی تھی۔

وہ اسی طرح افسردگی میں گھری اٹھ گئی، کل کا آدھا دن اور پوری رات گزر گئی تھی مگر خاور نے اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا، اس کی ذود رنجی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا، اسے جیسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ خاور کے نزدیک اس کی اتنی سی بھی اہمیت نہیں تھی کہ وہ اسے کال ہی کرتا یا ایکسکیوز کر لیتا، پریشانی سے ٹہلتے ہوئے وہ مسلسل سوچے جا رہی تھی، یہ درست تھا کہ انہوں نے بھی روایتی لورز کی طرح ایک دوسرے سے اظہار محبت نہیں کیا تھا مگر وہ دونوں انگیجڈ تھے اور طالعہ کو ہمیشہ لگتا تھا کہ ان کی محبت بڑی پریکٹیکل سی ہے، جس میں کینڈل لائٹ ڈنرز، بیچ پہ واکس، رومانٹک فون کالز اور تحائف کا تبادلہ نہیں ہے مگر اس سب کے باوجود بھی اسے پتا تھا کہ خاور بھی اسے اسی طرح چاہتا ہے جس طرح وہ مگر وہ اسے ایک کال نہیں کر سکا تھا، کیا اس قدر مصروف تھا وہ؟ وہ افسردگی سے سوچے جا رہی تھی۔

یک بیک ایک خیال اس کے ذہن میں چمکا، آخر یہ معیز کہاں تھا؟ اس سارے ڈرامے کا سب سے اہم کردار کدھر تھا؟ اس نے تیزی سے موبائل تھاما اور معیز کا نمبر ڈائل کر دیا، بیل جا رہی تھی، اس کے ذہن میں کچھ بھی نہیں تھا کہ اسے معیز سے کیسے بات کرنا ہے؟ کیا بات کرنا ہے؟ وہ اسی شش و پنج میں تھی کہ فون اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو!" معیز کی دھیمی سی آواز اس کے کانوں میں پڑی، وہ فوراً چوکس ہو گئی۔

"کیسے ہو معیز؟" اس نے بڑے ٹھہرے ہوئے اور معمول کے انداز میں پوچھا تھا وہ اسے یہ باور نہیں کروانا چاہتی تھی کہ وہ کچھ جانتی ہے۔

"آپ کیسی ہیں طالعہ؟" ہمیشہ کی طرح وہ

الٹا پوچھ رہا تھا۔
"میں ٹھیک ہوں، کدھر ہوتے ہو آج کل؟" وہ بڑے نارمل انداز میں پوچھ رہی تھی۔
"میں...... اسلام آباد میں ہوں۔" وہ ذرا ٹھہر کے بولا تھا۔
"کیوں؟ خیریت؟"
"جی، وہ ماما آ رہی تھیں اسلام آباد کچھ رلیٹیوز سے ملنے، پاپا کو بھی آفیشل کام تھا تو میں بھی ساتھ آ گیا۔" وہ سکون سے بولا تھا، طالعہ کو ایک لمحہ کو بھی شک نہ ہوا تھا۔
"اوہ، اچھا کب آؤ گے؟"
"بس ایک دو دن تک۔"
"اوکے۔" ارادہ فون بند کرنے کا تھا۔
"آپ کو کوئی کام تھا؟" وہ فوراً بولا۔
"کام......؟ نہیں مجھے کچھ باتیں کرنا تھیں تم سے۔" وہ سوچ سوچ کر بول رہی تھی۔
"تو کر لیں۔" معیز نے کہا۔
"نہیں اتنی ضروری بات نہیں ہے، تم آ گے تو پھر ڈسکس کر لیں گے۔" وہ جلدی سے بولی تھی۔
"ٹھیک ہے، جیسے ہی میں کراچی آؤں گا، فوراً آپ کی طرف آؤں گا۔"
"اوکے۔" طالعہ نے الوداعی کلمات ادا کر کے فون بند کر دیا، فون بند کرنے کے بعد وہ کچھ دیر بیٹھی سوچتی رہی۔
"کہیں معیز بھی مجھ سے جھوٹ تو نہیں بول رہا؟" یہ خیال آتے ہی وہ بے چینی سے اٹھ گئی۔
"کیا کرنا چاہیے؟ مجھے...... مجھے یہ پتا کرنا ہوگا کہ اس وقت وہ حقیقتاً کدھر ہے؟ اسلام آباد ہے بھی یا نہیں؟" اسے شک ہونے لگا۔
"مگر کیسے؟" وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر مارچ پاسٹ کرنے لگی، پھر ایک آئیڈیا آتے ہی وہ اپنی ٹیلیفونک ڈائریکٹری کی طرف بڑھی، اس میں سے معیز کے گھر کا نمبر ڈھونڈا اور ڈائل کرنے لگی۔
"ہیلو۔" فون اٹھا لیا گیا تھا۔
"معیز گھر ہے؟" اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔
"یس میڈم! وہ اپنے بیڈ روم میں ہیں۔" غالباً وہ کوئی ملازم تھا۔
"اوکے۔" اس نے کھٹاک سے فون رکھ دیا۔
غصہ کے مارے اس کی کنپٹیاں سلگ رہی تھی، شک کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی، یقینی طور پر معیز بھی خاور کی پلاننگ میں شامل تھا، یہ سب ملی بھگت کا نتیجہ ہی تھا، یکا یک اس نے بات کی تہہ میں جانے کا فیصلہ کر لیا تھا، وہ اٹھی اور اپنی وارڈ روب کی سمت بڑھ گئی، بہت نفیس سا گرم سوٹ نکالا ساتھ میرون کارڈیگن اور میرون شال نکالی، کپڑے تبدیل کرنے کے بعد وہ ہینڈ بیگ لئے باہر آ گئی، فاروق شاید کہیں جا چکے تھے، ان کی گاڑی پورچ میں نہیں تھی، اس نے اپنی چھوٹی سی سوزوکی نکالی اور معیز کے گھر کی طرف جانے والے راستے پہ ڈال دی، اسے معیز کے گھر کے ایڈریس کا پتہ تھا اگرچہ وہ کبھی گئی نہیں تھی۔
بیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ اس پوش ایریا میں داخل ہو رہی تھی جہاں صرف آفیسرز، ملٹری اور بزنس مینوں کے بنگلے تھے، اس نے ذہن میں مطلوبہ ایڈریس دہرایا اور کوٹھیوں کے نمبر دیکھتی گاڑی آگے بڑھاتی گئی، چند منٹ بعد اس نے گاڑی ایک پرشکوہ اور عالیشان بنگلے کے آگے روک دی، چوکیدار تیزی سے اس کے نزدیک آیا۔
"یس میڈم۔" اس نے شیشے پہ جھکتے ہوئے کہا۔
"معیز سے میٹنگ ہے میری۔" اس نے اس قدر روکھے اور رعونت بھرے لہجے میں کہا کہ چوکیدار بے چارہ گڑبڑا سا گیا، وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے ذرا سا بھی لہجہ نرم رکھا تو یہ خرانٹ چوکیدار اسے گھسنے بھی نہیں دے گا یا اندر سے کنفرم کرنے کی بات کرے گا جو کہ وہ کسی صورت افورڈ نہیں کر سکتی تھی، اگر معیز کو پتا چلتا تو لازماً وہ کہلوا دیتا کہ وہ ادھر نہیں ہے اور وہ اسے چوکنا نہیں کرنا چاہتی تھی، وہ تو بس بے خبری میں اس پہ چھاپا مارنا چاہتی تھی۔
"گیٹ کھولتے ہو یا میں گاڑی ادھر ہی چھوڑ دوں؟" اس کا انداز کسی قدر دھمکی آمیز تھا۔
"یس میڈم!" وہ فوراً واپس پلٹا تھا، کچھ لمحوں بعد گیٹ کھل گیا، وہ گاڑی اندر لے گئی، گاڑی لاک کرنے کے بعد وہ اِدھر اُدھر نظر دوڑائے بغیر سیدھی رہائشی حصے کی طرف بڑھ گئی لاؤنج سے اسے ملازم مل گیا۔
"معیز کا روم کدھر ہے؟" اس نے تیز لہجے میں پوچھا، جواباً ملازم اسے خاموشی سے معیز کے روم تک چھوڑ گیا، طالعہ نے ایک طویل سانس بھر کے آہستہ سے دروازہ تھپتھپایا، چند ثانیوں بعد دروازہ کھل گیا، دروازے میں معیز کی صورت نظر آئی، طالعہ نے دیکھا وہ اس وقت گرم شلوار سوٹ میں تھا، آستین تھوڑی سی فولڈ کی گئی تھیں اور اس کی آنکھ ابھی تک ہلکی سی نیلی تھی، طالعہ کو دیکھ کر اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا، وہ شاید توقع نہیں کر رہا تھا بلکہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس کے گھر آ سکتی ہے۔
"آپ؟" وہ بے یقینی سے بولا تھا۔
"ہاں میں۔" وہ چبا چبا کے بولی۔
معیز کے چہرے نے یک بیک کئی رنگ بدلے، وہ دروازے سے ہٹ گیا، طالعہ اندر آ گئی، وہ بھی دروازہ کھلا چھوڑ کر اس کی طرف چلا آیا۔
"تو تم...... اسلام آباد میں ہو؟ ہوں؟" وہ استہزائیہ انداز میں کہہ رہی تھی، معیز اس قدر شرمندہ تھا کہ اس سے نگاہیں ملا نہیں پا رہا تھا۔
"آئم سوری طالعہ!" وہ نچلا لب دانتوں تلے دبائے اس سے معافی کا خواستگار تھا، غصہ کی شدت سے طالعہ کو لگا اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔
"Go to hell with your apology۔" وہ مدھم آواز میں چلائی تھی، معیز کا رنگ زرد پڑ گیا۔
"کیا فرق ہے تم میں اور خاور میں؟ تم دونوں ایک جیسے ہو، وہ جھوٹ بولتا ہے اور تم اس کے جھوٹ کو تقویت دیتے ہو۔"
"ایسا نہیں ہے طالعہ۔" معیز نے مدھم لہجے میں اس کی نفی کی تھی۔
"ایسا ہی ہے معیز! تم دونوں مل کر مجھے بے وقوف بناتے ہو۔" وہ تھک سی گئی تھی، روہانسی ہو کر بولی تھی۔
"آپ پلیز بیٹھیں طالعہ! پلیز...... میں آپ کو ساری بات بتاتا ہوں۔" وہ لجاجت سے بولا تھا۔
طالعہ گرنے والے انداز میں صوفے پہ بیٹھ گئی، معیز اس کے قریب فلور کشن پر ٹک گیا۔
"طالعہ! پلیز آپ جو پوچھنا چاہتیں ہیں پوچھیں، میں سب سچ بتاؤں گا، آپ پوچھیں مجھ سے، وعدہ۔" وہ بڑے یقین سے بولا تھا۔
طالعہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی، جیسے اس کی بات کی سچائی جانچنا چاہ رہی ہو کہ آیا جو وہ کہہ رہا ہے عمل بھی کرے گا یا نہیں؟ پھر ایک خیال برق

کی مانند اس کے ذہن میں گونجا۔

''سب سچ بتاؤ گے؟'' وہ مشکوک ہوئی۔

''ہاں، سب کچھ۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''لاہور میں خاور کہاں ٹھہرا تھا؟'' اس نے موقع دیئے بغیر سوال داغ دیا۔

''پارٹی آفس۔'' وہ ہچکچائے بغیر بولا۔

''پارٹی آفس؟'' طالعہ حیران رہ گئی۔

''کونسی پارٹی، کون سا آفس؟ معیز تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ مجھے تمہاری دماغی حالت خاصی خراب لگ رہی ہے؟ لگتا ہے آنکھ کی چوٹ دماغ پہ اثر کر گئی ہے؟'' وہ تیز تیز بولتی نجانے اپنے کون سے خدشے کو زائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

معیز اب پلکیں جھپکائے بنا اسے دیکھ رہا تھا جیسے اس کی باتوں سے اس کے ردعمل کا اندازہ کرنا چاہ رہا ہو، حالانکہ یوں طالعہ کی طرف دیکھنا اس کے مزاج کے برعکس تھا، پھر اس نے ایک طویل سانس بھر کے نظر جھکا لی۔

''اس کا مطلب ہے آپ کچھ نہیں جانتیں؟''

''کیا نہیں جانتی میں؟'' طالعہ کا رنگ بدل گیا تھا، معیز خاموشی سے قالین کو گھورتا رہا۔

''تم کچھ بولتے کیوں نہیں معیز؟ پلیز بتاؤ آخر ایسی کون سی بات ہے؟ اور یہ تم کس پارٹی کی بات کر رہے ہو؟'' وہ لجاجت سے بولی تھی، معیز چونکا تھا جیسے کسی گہری خیال سے، اس کے چہرے پہ تذبذب تھا۔

''To be or not to be۔'' کی کیفیت بڑی شدت سے عیاں تھی۔

''آپ جانتی ہیں طالعہ! یونیورسٹی میں یونین لیڈر کوئی بھی ہو، ڈیفنیٹلی وہ کسی نہ کسی پولیٹیکل پارٹی کو Represent کرتا ہے۔''

معیز کا لہجہ بڑا محتاط تھا، طالعہ بھرپور انداز چونکی۔

''تو...؟ کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ بھی...؟'' اس نے خوفزدہ ہو کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''ظاہری بات ہے اور جہاں تک بات کہ وہ لاہور کیوں گیا تھا تو جیسا کہ آپ کے میں ہو گا کہ الیکشن ہونے والے ہیں تو بس سلسلے میں کچھ میٹنگز اور ڈسکشنز تھیں۔'' معیز حتی الامکان کوشش کی تھی کہ بات کو عام سا دے سکے۔

''کون سے الیکشن؟ یونیورسٹی کے؟'' اب سرسراتی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

''ملکی سطح پر۔'' وہ مختصراً بولا۔

''تو اس میں خاور کا کیا رول ہو گا؟'' ششدر سی پوچھ رہی تھی۔

''رول؟ Obviously وہ الیکشن چلائے گا، یونیورسٹی کی میجورٹی تو پہلے ہی اس ساتھ ہے۔'' وہ اس کے سوال پہ کسی قدر حیر ہوتا بتا رہا تھا۔

''لیکن کیسے؟ وہ کون سی سیٹ سے الیکشن لڑے گا؟ اور اس کی ایج بھی تو اتنی نہیں کہ وہ کسی سیٹ سے کھڑا ہو سکے، خواہ صوبائی سطح ہو وفاقی؟'' وہ مزید جرح کر رہی تھی۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے طالعہ! یہ پاکستان ہے یہاں سب پاسیبل ہے، آپ کو ایک مزیدار کیٹیگری کی تفصیل سناؤں، ہمارے ملک میں جو فرسٹ ڈویژنرز ہوتے ہیں انہیں فور جاب مل جاتی ہے کچھ ڈاکٹرز بنتے ہیں کچھ انجینئرز اور کچھ وکیل بن جاتے ہیں، سیکنڈ ڈویژنرز سی ایس ایس اور پی سی ایس کا امتحان پاس کرتے ہیں اور انتظامیہ کا حصہ بن کر فرسٹ

ڈویژن والوں کو کمانڈ کرتے ہیں، تھرڈ ڈویژنرز سیاست میں شامل ہو جاتے ہیں اور منسٹرز بن کر اپر لیولز کو کنٹرول کرتے ہیں اور باقی بچے Failure ...... وہ لوگ جو خود تو ناکام ہوتے ہیں مگر دوسروں کو بھی کامیاب نہیں دیکھ سکتے، مالی اور اخلاقی طور پر تباہ حال یہ Failures مافیاز یعنی انڈر ورلڈ جوائن کر لیتے ہیں اور تینوں کلاسز کو کنٹرول کرتے ہیں۔" وہ اپنی بات کے اختتام پہ خود ہی ہنسا تھا، طالعہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"تمہارا شہزاد سے جھگڑا کس بات پہ ہوا تھا؟" وہ موضوع بدل کر اس سے پوچھ رہی تھی، وہ بڑے بھرپور طریقے سے چونکا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ خاور نے آپ کچھ نہیں بتایا ہوگا۔" طالعہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہاں، مجھے اس نے کچھ نہیں بتایا، میں نے فیس بک پر اس تماشے کی وڈیو دیکھی ہے۔" وہ تلخی سے بولی تھی، معیز کا رنگ بدل گیا۔

"ہاں، میں نے بھی دیکھا فیس بک پر۔" وہ انکار نہیں کر سکا تھا۔

"کیا تم مجھے اس کی تفصیلات سے آگاہ کرنا پسند کرو گے؟" اس کا انداز تیکھا تھا اور قدرے تحکمانہ بھی اور اسی لمحے، ہاں اسی ایک لمحے میں اسے یہ احساس بھی ہوا تھا کہ وہ معیز پر حکم چلانے لگی تھی، وہ اس کے ساتھ اس تحکمانہ لہجے میں بات کرنے لگی تھی، شاید لاشعوری طور پر وہ خاور کا غصہ اس پہ نکال رہی تھی، کیوں؟ وہ الجھتے ہوئے سوچ رہی تھی، اس کی ایک بڑی وجہ خود معیز کا رویہ تھا جو کہ اس قدر Humble اور پسپائی اختیار کیے ہوئے ہوتا تھا کہ طالعہ کو چڑھائی کرنے کا موقع بڑی آسانی سے مل جاتا تھا اور دوسری وجہ شاید یہ تھی کہ جب خاور نے اسے علی الاعلان کہہ ڈالا تھا کہ وہ اپنے فیصلے خود لینے کا عادی ہے اور اسے Female dominance بالکل پسند نہیں ہے، تو طالعہ کے کہیں بہت اندر خوش مزاج اور پر اعتماد سی لڑکی کنڈلی مار کر بیٹھ گئی تھی، اتنی سختی سے کہ اس کے لاکھ منانے پہ بھی وہ اپنی جگہ سے ہلنے کو تیار نہ تھی اور یہ طالعہ اچانک، یکدم ہی کہیں سے آدھمکی تھی اور وہ بھی معیز وقار کے سامنے، اپنی بات کر کے اب وہ خود ہی بہت خفیف سی ہو کر اس سے نظر چرا گئی تھی۔

معیز اب پھر سے کارپٹ پہ نظریں جمائے اسے اس دن کی روداد سنا رہا تھا، جس کا مختصر ترین خلاصہ وہی تھا جو خاور اور شہزاد کی گفتگو کے نتیجے میں طالعہ کے علم میں آیا تھا، معیز کا شہزاد سے ٹکراؤ، اس کا طالعہ کا نام اور خاور سے تعلق پوچھنا اور معیز کے سختی سے پیش آنے پر دوبارہ پیش قدمی کرنا اور جس کا نتیجہ یقینی جھگڑنے کی صورت میں سامنے آیا تھا، معیز نے کچھ بھی کاٹ چھانٹ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اس نے As it ساری بات طالعہ کو بتا دی تھی، وہ گم صم بیٹھی چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

"تمہیں اس کی کس بات پہ غصہ آیا تھا معیز؟" اس کی آنکھوں میں ڈھیر ساری نمی جمع ہو چکی تھی اور وہ معیز کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی مگر اس کے باوجود وہ معیز اور خاور کے درمیان موجود فرق کو جاننا چاہتی تھی، وہ جاننا چاہتی تھی کہ آخر معیز کو کس بات پہ غصہ اور اس قدر طیش آیا تھا جبکہ قریباً یہی واقعہ جان کر خاور نے خاصا چھت پھاڑ قسم کا قہقہہ لگایا تھا۔

معیز نے اس کے سوال پر اسے خاصا چونک کے دیکھا اس کے چہرے پہ اضطراب تھا۔

"اس نے آپ کے متعلق بدتمیزی سے ت کی تھی۔" وہ بہت آہستہ سے بولا تھا۔

طالعہ گنگ سی رہ گئی، اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ ہنسے یا روئے پھر...... پھر اس کا دل چاہا وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے، وہ معیز کو یونین آفس میں شہزاد اور خاور کی گفتگو بتائے اور اسے بتائے کہ جب خاور نے مجھے "سہیلی" کہلوانا گوارہ کر یا، جس کے ساتھ میرا دہرا رشتہ ہے اور مضبوط بھی تو پھر تم نے کیوں نہیں؟ تمہیں کیوں اس کی ت بری لگی جب خاور کو نہیں لگی، حالانکہ یانداری سے تجزیہ کیا جاتا تو بات یونیورسٹی کے حول کے مطابق اتنی بڑی اور خاص قطعاً نہیں تھی مگر طالعہ کا کیا کیا جائے جس کی حساس اور نفیس بع پر از حد ناگوار گزری تھی۔

معیز اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو یکھ رہا تھا اور اسے لگ رہا تھا کہ کسی بھی پل طالعہ نا شروع کر دے گی۔

"طالعہ پلیز! آئم سوری، آئی ڈونٹ وانٹ ٹو ٹ یو۔" وہ لجاجت اور بے تابی سے بولا تھا۔

"اٹس او کے، آئی سیڈ ٹو گو ناؤ۔" وہ یکدم ھ گئی، معیز بھی ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔

"میں آپ کو چھوڑ آؤں؟" وہ قدرے ہچکچا پوچھ رہا تھا۔

"نو تھینکس، آئی ول مینج۔" وہ شال لپیٹتی زے کی سمت چل دی معیز بھی اس کے ھ ہی باہر آیا۔

"آپ پہلی دفعہ میرے گھر آئیں طالعہ! مجھے بہت افسوس ہے کہ یہ کوئی خوشگوار سٹنگ ں تھی۔" کوریڈور میں اس کے ساتھ چلتے نے کسی قدر افسوس سے کہا۔

"ارے نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔" طالعہ کہا۔

"ایک بات پوچھوں معیز؟"

"کیا بات؟" وہ چونکا۔

"جھوٹ کیا ہے؟" بڑا مختصر سا سوال تھا اس کا۔

"جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے اور جو شخص جھوٹ بول سکتا ہے وہ ہر برا کام کر سکتا ہے۔" اس کا جواب بھی بڑا مختصر تھا مگر جامع بھی تھا، طالعہ کے اندر تک جیسے سناٹا پھیل گیا تھا۔

"ہاں جو شخص جھوٹ بول سکتا ہے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے، ہر برا کام۔" گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے وہ بڑبڑائی تھی۔

معیز سن نہیں سکا، گاڑی کا دروازہ کھول کر اس نے رک کر اسے دیکھا جو اپنے لمبے قد اور وجیہہ سراپے کی بدولت پورے ماحول پہ حاوی تھا۔

"میں امید کرتی ہوں، یہ ڈسکشن صرف ہم تک ہی محدود رہے گی۔" اس کا لہجہ پھر سے تحکمانہ ہو چکا تھا، معیز نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا تھا۔

"اللہ حافظ۔" وہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

"فی امان اللہ۔" معیز کی آواز نے اسے مسکرانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

ڈویژن والوں کو کمانڈ کرتے ہیں، تھرڈ ڈویژنرز سیاسیت میں شامل ہو جاتے ہیں اور منسٹرز بن کر اپر لیولز کو کنٹرول کرتے ہیں اور باقی بچے Failure ...... وہ لوگ جو خود تو ناکام ہوتے ہیں مگر دوسروں کو بھی کامیاب نہیں دیکھ سکتے، مالی اور اخلاقی طور پر تباہ حال یہ Failures مافیاز یعنی انڈرورلڈ جوائن کر لیتے ہیں اور تینوں کلاسز کو کنٹرول کرتے ہیں۔" وہ اپنی بات کے اختتام پہ خود ہی ہنسا تھا، طالعہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"تمہارا شہزاد سے جھگڑا کس بات پہ ہوا تھا؟" وہ موضوع بدل کر اس سے پوچھ رہی تھی، وہ بڑے بھرپور طریقے سے چونکا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ خاور نے آپ کچھ نہیں بتایا ہوگا۔" طالعہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ہاں، مجھے اس نے کچھ نہیں بتایا، میں نے فیس بک پر اس تماشے کی وڈیو دیکھی ہے۔" وہ تلخی سے بولی تھی، معیز کا رنگ بدل گیا۔

"ہاں، میں نے بھی دیکھا فیس بک پر۔" وہ انکار نہیں کرسکا تھا۔

"کیا تم مجھے اس کی تفصیلات سے آگاہ کرنا پسند کرو گے؟" اس کا انداز تیکھا تھا اور قدرے تحکمانہ بھی اور اسی لمحے، ہاں اسی ایک لمحے میں اسے یہ احساس بھی ہوا تھا کہ وہ معیز پر حکم چلانے لگی تھی، وہ اس کے ساتھ اس تحکمانہ لہجے میں بات کرنے لگی تھی، شاید لاشعوری طور پر وہ خاور کا غصہ اس پہ نکال رہی تھی، کیوں؟ وہ الجھتے ہوئے سوچ رہی تھی، اس کی ایک بڑی وجہ خود معیز کا رویہ تھا جو کہ اس قدر Humble اور پسپائی اختیار کیے ہوئے ہوتا تھا کہ طالعہ کو چڑھائی کرنے کا موقع بڑی آسانی سے مل جاتا تھا اور دوسری وجہ شاید یہ تھی کہ جب خاور نے اسے علی الاعلان کہہ ڈالا تھا کہ وہ اپنے فیصلے خود لینے کا عادی ہے اور اسے Female dominance بالکل پسند نہیں ہے، تو طالعہ کے کہیں بہت اندر خوش مزاج اور پراعتماد سی لڑکی کنڈلی مار کر بیٹھ گئی تھی، اتنی سختی سے کہ اس کے لاکھ منانے پہ بھی وہ اپنی جگہ سے ہلنے کو تیار نہ تھی اور یہ طالعہ اچانک، یکدم ہی کہیں سے آدھمکی تھی اور وہ بھی معیز وقار کے سامنے، اپنی بات کر کے اب وہ خود ہی بہت خفیف سی ہو کر اس سے نظر چرا گئی تھی۔

معیز اب پھر سے کارپٹ پہ نظریں جمائے اسے اس دن کی روداد سنا رہا تھا، جس کا مختصر ترین خلاصہ وہی تھا جو خاور اور شہزاد کی گفتگو کے نتیجے میں طالعہ کے علم میں آیا تھا، معیز کا شہزاد سے ٹکراؤ، اس کا طالعہ کا نام اور خاور سے تعلق پوچھنا اور معیز کے سختی سے پیش آنے پر دوبارہ پیش قدمی کرنا اور جس کا نتیجہ یقینی جھگڑنے کی صورت میں سامنے آیا تھا، معیز نے کچھ بھی کاٹ چھانٹ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اس نے As it ساری بات طالعہ کو بتادی تھی، وہ گم صم بیٹھی چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

"تمہیں اس کی کس بات پہ غصہ آیا تھا معیز؟" اس کی آنکھوں میں ڈھیر ساری نمی جمع ہو چکی تھی اور وہ معیز کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی مگر اس کے باوجود وہ معیز اور خاور کے درمیان موجود فرق کو جاننا چاہتی تھی، وہ جاننا چاہتی تھی کہ آخر معیز کو کس بات پہ غصہ اور اس قدر طیش آیا تھا جبکہ قریباً وہی واقعہ جان کر خاور نے خاصا چھت پھاڑ قسم کا قہقہہ لگایا تھا۔

معیز نے اس کے سوال پر اسے خاصا چونک کے دیکھا اس کے چہرے پہ اضطراب تھا۔

"اس نے آپ کے متعلق بدتمیزی سے بات کی تھی۔" وہ بہت آہستہ سے بولا تھا۔

طالعہ گنگ سی رہ گئی، اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ ہنسے یا روئے پھر...... پھر اس کا دل چاہا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے، وہ معیز کو یونین آفس میں شہزاد اور خاور کی گفتگو بتائے اور اسے بتائے کہ جب خاور نے مجھے "سہیلی" کہلوانا گوارہ کر لیا، جس کے ساتھ میرا دہرا رشتہ ہے اور مضبوط بھی تو پھر تم نے کیوں نہیں؟ تمہیں کیوں اس کی بات بری لگی جب خاور کو نہیں لگی، حالانکہ ایمانداری سے تجزیہ کیا جاتا تو بات یونیورسٹی کے ماحول کے مطابق اتنی بڑی اور خاص قطعاً نہیں تھی مگر طالعہ کا کیا کیا جائے جس کی حساس اور نفیس طبع پر از حد ناگوار گزری تھی۔

معیز اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھ رہا تھا اور اسے لگ رہا تھا کہ کسی بھی پل طالعہ رونا شروع کر دے گی۔

"طالعہ پلیز! آئم سوری، آئی ڈونڈ وانٹ ٹو ہرٹ یو۔" وہ لجاجت اور بے تابی سے بولا تھا۔

"اٹس او کے، آئی ہیو ٹو گو ناؤ۔" وہ یکدم اٹھ گئی، معیز بھی ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔

"میں آپ کو چھوڑ آؤں؟" وہ قدرے ہچکچا کر پوچھ رہا تھا۔

"نو تھینکس، آئی ول مینج۔" وہ شال لپیٹتی دروازے کی سمت چل دی معیز بھی اس کے پیچھے ہی باہر آیا۔

"آپ پہلی دفعہ میرے گھر آئیں طالعہ! مجھے بہت افسوس ہے کہ یہ کوئی خوشگوار سٹنگ نہیں تھی۔" کوریڈور میں اس کے ساتھ چلتے اس نے کسی قدر افسوس سے کہا۔

"ارے نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔" طالعہ نے کہا۔

"ایک بات پوچھوں معیز؟"

"کیا بات؟" وہ چونکا۔

"جھوٹ کیا ہے؟" بڑا مختصر سا سوال تھا اس کا۔

"جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے اور جو شخص جھوٹ بول سکتا ہے وہ ہر برا کام کرسکتا ہے۔" اس کا جواب بھی بڑا مختصر تھا مگر جامع بھی تھا، طالعہ کے اندر تک جیسے سناٹا پھیل گیا تھا۔

"ہاں جو شخص جھوٹ بول سکتا ہے وہ کچھ بھی کرسکتا ہے، ہر برا کام۔" گاڑی کا لاک کھولتے ہوئے وہ بڑبڑائی تھی۔

معیز سن نہیں سکا، گاڑی کا دروازہ کھول کر اس نے رک کر اسے دیکھا جو اپنے لمبے قد اور وجیہہ سراپے کی بدولت پورے ماحول پہ حاوی تھا۔

"میں امید کرتی ہوں، یہ ڈسکشن صرف ہم تک ہی محدود رہے گی۔" اس کا لہجہ پھر سے تحکمانہ ہو چکا تھا، معیز نے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا تھا۔

"اللہ حافظ۔" وہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

"فی امان اللہ۔" معیز کی آواز نے اسے مسکرانے پہ مجبور کر دیا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

نئے آخری جزیرہ ہو

أم مریم

آٹھویں قسط کا خلاصہ

گھر میں زینب کی منگنی جہان سے ہونے کا پلان بنتا ہے تو زینب بوکھلا اٹھتی ہے، وہ جہان کے سامنے تیمور خان سے تعلق کا اعتراف کرتے ہوئے اسے پیچھے ہٹنے کا کہتی ہے۔

جہان اس انکشاف پہ خود کو بے حد اپ سیٹ محسوس کرتا ہے، زینب سے بچھڑنے کا خیال اسے پاگل کرنے لگتا ہے، اس اضطراب کی کیفیت میں اس سے حادثہ ہوتا ہے جس میں ژالے بری طرح سے زخمی ہو جاتی ہے، مسز آفریدی جہان کے لئے خطرناک عزائم سوچے ہوئے ہیں جو ژالے پہ آشکار ہوتے ہیں تو ژالے انہیں مجبور کرتی ہے مسز آفریدی اسے ذرا برابر بھی نقصان نہیں پہنچائیں گی، مسز آفریدی کو ژالے کی بات ماننا پڑتی ہے۔

ژالے پہلی ملاقات میں ہی جہان کی شخصیت کے سحر میں گرفتار ہو جاتی ہے مگر وہ اس احساس کو پا کر بالکل خوش نہیں ہے۔

زینب، جہان کو اس بات پہ آمادہ کر لیتی ہے کہ وہ اس سے دستبردار ہو جائے گا اور الزام بھی زینب کے سر نہیں آنے دے گا، جہان کے پاس اس کی بات ماننے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔

جہان کی منگنی سے پس و پیش کو پا کر پاپا جان جہان سے دوٹوک بات کرتے ہیں جس کے نتیجے میں جہان خود کو مشکل میں گرفتار محسوس کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

نویں قسط

پاپا جان نے اس خاموشی پہ کس قدر خفگی میں مبتلا ہو کر جہان کو گھورا تھا۔

"مجھے اپنی بات کا جواب چاہیے جہان!"

"پاپا جان آپ لوگوں نے اگر یہ بات اپنے دل میں سوچی تھی تو کم از کم مجھے ضرور بتاتے اب میں کیا کروں جبکہ....." اس نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی، جو پاپا جان کے لئے بہت تکلیف دہ ثابت ہوئی تھی، انہوں نے چونک کر مگر کچھ غیر یقین اور خوف کے عالم میں اسے دیکھا تھا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو جہان؟ بات مکمل کرو اپنی۔"

"پپا جان میں کسی لڑکی کو پسند کرتا ہوں، زینب کا خیال غلط نہیں ہے، اس سے میری کمٹمنٹ ہے، میں اگر زینب سے شادی کر بھی لوں تو اسے خوش نہیں رکھ پاؤں گا، پپا جان آئی تھنک آپ ایسا نہیں چاہیں گے وہ بھی اس صورت کہ....." پاپا جان جو ساکن متحیر اور شاکڈ بیٹھے تھے ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے، ضبط کی کوشش میں ان کا چہرا بے تحاشا سرخ ہو رہا تھا، اس قدر گہرے اضطراب میں مبتلا کہ انہیں جہان کے چہرے پہ رقم اذیت نظر نہیں آ سکی۔

"دس از ٹو مچ جہانگیر حسن شاہ!" وہ بولے تو ان کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا، انہوں نے سر جھکائے بیٹھے جہان کو دیکھا اور سر زور سے جھٹکا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو، ہمیں اس صورت یہ کام نہیں کرنا چاہیے، آج سے تم اس بندھن سے آزاد ہو، اپنے لئے ہر فیصلہ کرنے میں مکمل طور پہ آزاد....." اپنی بات مکمل کر کے وہ رکے نہیں تھے، جہان نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا، اس وقت وہ ضبط کی آخری حد کو چھو رہا تھا، ذرا سی ٹھیس بھی اسے بکھیر سکتی تھی مگر، وہ بکھرنا نہیں چاہتا تھا۔

☆☆☆

یہ اکیلے پن کی اداسیاں یہ فراق لمحے اداس سے
کبھی دشت دل میں بھی آرکیں تیری چاہتوں کے قافلے
میں ہوں تجھ کو جاں سے عزیز تر یہ میں کیسے مان لوں اجنبی
تیری بات لگتی ہے وہم سی تیرے لفظ لگتے ہیں خواب سے
یہ جو میرا رنگ ہے روپ ہے یونہی بے سبب نہیں دوستو
میری خوشبوؤں سے ہیں سلسلے میری نسبتیں ہیں گلاب سی

ٹیپ ریکارڈ دھیمے سروں میں بج رہا تھا، وہ آنکھیں موندے بالکل ساکن پڑی تھی، مگر تخیل کے پردے پہ رنگ تھے روشنی تھی، ہر رنگ میں اس کا عکس تھا، ہر روشنی میں اس کا حسن تھا، وہ جتنا حسین تھا اس قدر بے نیاز تھا، وہ جس قدر دلکش تھا، اس سے بڑھ کے اجنبی تھا، ژالے کی آنکھیں بھیگنے لگیں، پامالی کا احساس اس کا دل رگیدنے لگا، ایک ان چاہا شکوہ وہ نا چاہتے ہوئے بھی خدا سے کر جاتی۔

"کیا یہ ضروری تھا؟"

ہر بار وہ اس بے اختیاری پہ جتنا خوفزدہ ہوتی اس سے بڑھ کر اضطراب اس کے اندر کروٹیں

لینے لگتا کتنا جھٹکنا چاہا تھا اس نے اس کے خیال اور تصور کو، مگر لگتا تھا وہ ذہن کی ہر رگ پہ نقش ہو گیا تھا، جس روز وہ ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو رہی تھی کتنی عجلت میں آیا تھا وہ وہاں۔

"آئی ایم ساری مس! میں پھر آپ کی خبر گیری کو نہیں آ سکا، یہ نہیں تھا کہ میں آپ کے لئے ٹائم نہیں نکال سکا، بس میری ذہن سے ہر بار نکل جاتا تھا، ایک تو میں اپنی یادداشت سے بڑا عاجز ہوں۔" اس کا لہجہ شرمسار تھا، ژالے اسے دیکھتی رہی تھی، اس پل اس کے ذہن میں کبھی کے پڑھے اشعار تازہ ہو گئے تھے۔

وہ مجھ کو بھول بیٹھا ہے نہیں حیرت ہوئی سن کر
وہ اپنی عام سی چیزوں کو اکثر بھول جاتا ہے

اس نے سرد آہ بھری تھی اور نگاہوں کا زاویہ بدل لیا، ورنہ دل کی خواہش اسے جی بھر کے دیکھنے کی تھی، وہ دل کے کہے چلنے پہ آمادہ نہیں تھی، دوسری اہم بات اسے ہرگز بھی گوارا نہیں تھا کہ وہ اس کی نگاہ کے کسی تقاضے سے آگاہ ہو، یہ احتیاط ضروری تھی، اسے اپنے اس بے بس کر دینے والے احساس کی ہرگز کسی کو خبر نہیں ہونے دینی تھی، یہی بہتر تھا اس کے خیال میں۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" جہان نے فریش روزز کا بکے اس کے سرہانے رکھتے ہوئے جب اسے مخاطب کیا تو ژالے کے چہرے پہ مضمحل سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"آج ڈسچارج ہو رہی ہوں، آپ کو تھینکس کہنا تھا آپ نے اپنے قیمتی وقت سے میرے لئے ٹائم نکالا۔"

"ارے....." وہ بے حد خجالت آمیز تاثرات سمیت اسے دیکھ کر خفت سے مسکرایا۔

"آپ تو شرمندہ کر رہی ہیں، میں تو آپ کا مشکور ہوں کہ آپ کی وجہ سے مسز آفریدی نے مجھے اتنی آسانی سے معاف کر دیا ورنہ اب تک شاید میں سلاخوں کے پیچھے ہوتا۔" وہ مسکرا کر کہہ رہا تھا مگر ژالے کے اعصاب شدید تناؤ کا شکار ہو گئے تھے، اس نے ٹھٹک کر جہان کو دیکھا تھا۔

"کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں؟" اس کا رنگ صحیح معنوں میں پھیکا پڑ گیا تھا۔

"آپ تو پریشان ہو گئیں، جسٹ ریلیکس! میں مذاق کر رہا تھا، ایکچوئلی پہلے روز انہوں نے بہت شدید ردعمل دیا تھا، پھر وہ ایکدم سے نارمل ہو گئیں۔"

"میں سمجھا آپ نے سفارش کی ہوگی۔"

"آپ بالکل غلط سمجھے ہیں، میری مما اتنی خونخوار تو نہیں ہیں، ہاں البتہ غصہ کچھ زیادہ آتا ہے انہیں، پھر مجھ سے محبت بھی بہت کرتی ہیں جبھی آپ کو یہ فیل ہوا ہوگا۔" وہ کسی قدر نخوت سے بولی تھی، وجہ ہرگز بھی اپنی کمزوری اس پہ آشکار نہ کرنا تھا اور جہان جس نے اس روز ان کی ساری گفتگو پوری جزئیات سے سنی تھی کس درجہ حیرانی سے اسے دیکھتا رہا تھا، وہ نازک سی لڑکی جو اس کے نزدیک ابھی بچی ہی تھی کس درجہ صفائی سے اپنا اور اپنی ماں کا بھرم قائم کر رہی تھی، جہان کو اس کا یہ وقار یہ انا بہت خاص محسوس ہوئی تھی، وہ گھڑی پہ نگاہ پڑتے ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"چلتا ہوں، آئی وش کہ آپ بہت جلدی بالکل صحت مند تندرست ہو جائیں آمین۔" وہ اسے وش کرنے کے بعد پلٹ کر چلا گیا، جس پل وہ دروازے سے نکل رہا تھا ژالے نے تھک کر

آنکھیں موند لی تھی، گلابوں کا گلدستہ اٹھا کر اس نے اپنی گود میں رکھ لیا تھا، جس کے پھولوں کی پنکھڑیوں میں اس کا لمس محسوس کرتی وہ جیسے خود سے بھی بیگانہ ہو چکی تھی جب مسز آفریدی اس کے پاس چلی آئی تھیں، اس کی اس بے خودی کی کیفیت کو انہوں نے اچنبھے میں گھر کر دیکھا تھا، پھر اسے متوجہ کرنے کو دانستہ کھنکاری تھیں، ژالے نے چونک کر نہیں گھبرا کر آنکھیں کھولی تھیں، یوں جیسے چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔

"ریلیکس بیٹا کیا ہو گیا ہے؟" مسز آفریدی نے اسے ٹوکا وہ کھسیا کر مسکرا دی، پھر پھول احتیاط سے سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیئے۔

"کوئی آیا تھا؟" اس سوال کو پوچھتے مسز آفریدی کی نگاہیں اس کے چہرے پہ فوکس تھیں۔

"جی جہانگیر صاحب آئے تھے۔"

"اس کے علاوہ؟" مسز آفریدی کا لہجہ ہنوز تھا۔

"اور تو کوئی نہیں، خیریت؟"

"یہ پھول جہانگیر لایا تھا؟" ژالے کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا، اس نے بے ساختہ نظریں چرائی تھیں۔

"پتہ نہیں شاید کوئی پہلے سے لایا ہو، میری تو ابھی نظر پڑی تھی، کتنے پیارے ہیں نا مما!"

"ہاں ہے تو وہ بہت پیارا میں نے تو تم سے پہلے ہی کہا تھا، شاید اپنے حسن کا گھمنڈ ہے اسے۔" ان کا لہجہ خشک اور انداز تلملایا ہوا تھا، ژالے کا رنگ بالکل پھیکا پڑ گیا تھا۔

"میں پھولوں کی بات کر رہی تھی، مجھے کسی سے کیا لینا دینا۔" اس نے سخت لہجے میں کہہ کر جتلایا تو مسز آفریدی نے کتنی ہی دیر تک بغور اسے دیکھا تھا، یہاں تک کہ وہ جزبز ہونے لگی۔

"ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟" وہ جھنجھلائی تھی۔

"تم نے اس کی سفارش کی تھی نا مجھ سے، ورنہ وہ اب تک جیل میں بیٹھا ہوتا۔"

"یہ آپ کسی بھلے انسان کے ساتھ سراسر غلط کرتیں جو مجھے ہرگز پسند نہیں تھا مما! میں نے انسانیت کے ناطے یہ کہا تھا۔" اس نے جیسے ہی اپنی صفائی پیش کی تھی، مسز آفریدی جانے کیوں مسکرائیں۔

"یہ انسانیت کا تعلق کیا، صرف جہانگیر سے ہی محسوس ہوا تھا تمہیں ژالے؟"

"کیا مطلب؟" ژالے بدک گئی تھی۔

"میرا مطلب سویٹ ہارٹ! جبر خان کو میں نے بنا غلطی وقصور کے سزا دی تھی، دو ماہ کی تنخواہ ضبط کر کے اور یہ بات میں نے تمہیں بتائی بھی تھی آپ نے شاید دھیان بھی نہیں رہا ہے نا؟"

اور ژالے کو لگا تھا کسی نے اسے بے حد طاقتور بارود سے اڑا دیا ہو، وہ فق چہرے کے ساتھ انہیں پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتی رہ گئی تھی، اس کی غلطی یہ تھی کہ وہ اپنی ماں کی شاطرانہ فطرت کو فراموش کر گئی تھی۔

"کیا ہوا؟ میرا مقصد تمہیں پریشان کرنا تو نہیں تھا۔" مسز آفریدی مسکرا کر بولیں اور ژالے کو خود کو سنبھالنا پڑا تھا۔

"آئی ڈونٹ نو کہ آپ کا کیا مقصد تھا اس بات کو جتلانے کا، جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تو میں نے جہانگیر صاحب کے ساتھ جابر خان کی بھی آپ سے سفارش کی تھی۔" وہ بے حد غصے میں آ گئی تھی، مسز آفریدی رسان سے ہنسی تھیں پھر ایکدم اسے گلے لگا لیا۔

"سویٹ ہارٹ غصہ تھوک دو، میں تو ایسے ہی ایک بات کر رہی تھی۔" انہوں نے اسے منایا اور وہ ہمیشہ کی طرح اکڑی نہیں کہ اس وقت وہ خائف لگی اگر وہ زیادہ جزبز ہوتی ان کا شک گہرا ہوتا جو اسے ہرگز گوارا نہیں تھا، مسز آفریدی نے گھر آ جانے پہ بھی اس کی بہترین کیئر کی تھی اتنا خیال رکھتیں کہ وہ خود سے شرمندہ ہونے لگتی، سیل فون کی بیپ پہ اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا تھا، اس نے گردن موڑ کر بلنک کرتے سیل فون کی اسکرین کو دیکھا تھا، کسی انجان نمبر سے کال تھی اور وہ خود بھی کسی دھیان میں تھی جبھی بغیر کسی پس وپیش کے کال اٹینڈ کر لی تھی۔

"ژالے میری جان کیسی ہو؟ مجھے ابھی پتہ چلا ہے کہ تمہارا بہت شدید ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔" دوسری جانب نیلما تھی، اپنے ازلی فکرمند پرخلوص محبت چھلکاتے ہوئے لہجے میں بات کرتی ہوئی جس کی تمام صداقتیں ژالے کے لئے اپنی وقعت واہمیت کھو گئی تھیں۔

"کیوں فون کیا ہے؟" اس نے متنفر زدہ لہجے میں پھنکار کر پوچھا تھا دوسری جانب نیلما کو اسکی اس درجہ بے حسی نے مضطرب کر دیا۔

"کیا اب بھی نہ کرتی؟" وہ جیسے رو دی ہو۔

"ہاں کبھی نہیں میں تو اگر مر بھی جاؤں تو تمہیں اجازت نہیں ہوگی کہ میرا منہ بھی دیکھ لو۔" ژالے کا چہرا ضبط اور غصے کی زیادتی سے سرخ پڑنے لگا تھا۔

"خدا نہ کرے ژالے! مریں تمہارے دشمن، خدا تمہاری عمر دراز فرمائے آمین۔" وہ جیسے تڑپ اٹھی تھی، ژالے حواسوں میں ہوتی تو اس کی آواز میں اتری نمی اور وحشت کو ضرور محسوس کرتی۔

"میری دشمن تو تم ہو۔" ژالے نے جتایا تھا اور نیلما سناٹے میں آ گئی تھی۔

"اگر ایسا ہے ژالے تو پھر مجھے موت آ جائے، مگر تم ہزاروں سال جیو، ہمیشہ خوش رہو۔" وہ سسک کر گویا ہوئی تھی اور ژالے اتنا بھنائی کہ پوری بات سنے بغیر فون کاٹ دیا، اس کی مٹھی میں موجود سیل فون پہ پھر کال آنے لگی، اس نے سوئچ آف کا بٹن دبایا اور موبائل بستر پہ پھینک دیا، ضبط کی کوشش میں ہلکان ہونٹ بھینچے کھڑی تھی جب مسز آفریدی اپنے دھیان میں اندر آئی تھیں اسے دیکھ کر حیران ہوئیں۔

"خیریت؟" ژالے کو خود کو سنبھالنا دشوار ہوا تھا، اس نے محض سر ہلانے پہ اکتفا کیا، مسز آفریدی نے بغور اسے دیکھا تھا پھر اس کے بستر پہ پڑے سیل فون کو اور جیسے معاملے کی تہہ تک جا پہنچی تھیں۔

"تمہیں کہا بھی تھا انجان نمبرز سے کال اٹینڈ نہ کیا کرو۔" ژالے نے جواباً خاموشی اختیار کیے رکھی تو انہوں نے گہرا سانس کھینچا تھا۔

"خیر لعنت بھیجو، میں تمہارے پاس ایک زبردست نیوز کے ساتھ آئی ہوں، آئی ایم شیور

تمہیں سننا اچھا لگے گا۔" ان کا لہجہ بے حد خوشگوار تھا، پرجوش انداز لئے ہوئے، ژالے کی سرسری سی نگاہ لمحہ بھر کو اٹھی تھی، انداز کی بے دلی بے حد واضح تھی، جسے مسز آفریدی نے محسوس کرنے کے باوجود نظر انداز کر دیا۔

"میں تمہاری صحت مندی کی خوشی میں ایک گرینڈ پارٹی کا اہتمام کر رہی ہوں، سب کو بلاؤں گی، تمہارے لئے ایک زبردست سرپرائز بھی ہوگا، جو میری بیٹی کو خوش کر ڈالے گا۔" انہوں نے لگاوٹ بھرے انداز میں کہہ کر اس کا گال چٹاچٹ چوما، ژالے کی اکتاہٹ میں کچھ اور اضافہ ہو گیا اس نے عاجز ہو کر انہیں دیکھا تھا۔

"پلیز مما! مجھے یہ پسند نہیں، آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی۔"

"یہ کیا بات ہوئی، میں نے تو کارڈ بھی چھپنے کو دے دیئے اور پھر وہ سرپرائز......"

"مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا ہے اب......" وہ بے حد ناگواری سے بولی تو مسز آفریدی معنی خیزی سے مسکرائی تھیں۔

"تمہاری یہی بے زاری تو ختم کرنا چاہتی ہوں میری جان! میں چاہتی ہوں میری بیٹی نارمل زندگی جیئے، خوش مطمئن اور بھرپور...... میں تمہیں مکمل دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"ایسے خواب دیکھنا چھوڑ دیں، جن کی تعبیر نہ ملتی ہو۔" وہ بے زار ہوئی تھی اور کس حد تک کٹھور بھی۔

"کیوں تعبیر نہیں ہوگی؟ خبردار جو کچھ غلط سوچا بھی، میں حالات کو اپنے بس اور قابو میں رکھنا چاہتی ہوں بے بس اور لاچار اور لوگ ہوتے ہیں۔" ان کا متکبرانہ لہجہ گستاخانہ حد تک قابل اعتراض تھا، ژالے لرز کر رہ گئی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں مما! خدا کا خوف کریں، معافی طلب کریں اپنے گناہ کی، آپ کس کو جتلانا چاہتی ہیں یہ اُف مائی گاڈ! آپ کی بے اختیاری اور بے بسی میری بیماری کی شدت سے عیاں ہے، تڑپ سکتی ہے آپ مگر میرے لئے کچھ کر نہیں سکتیں۔" ژالے کو جتنا خوف اور غصہ آیا تھا وہ اتنے ہی شدید لہجے میں انہیں ٹوکتے ہوئے بولی تھی، مسز آفریدی نے کاندھے جھٹکے اور خفیف سا مسکرائیں۔

"تم نے غلط سمجھا، میں کچھ اور کہہ رہی تھی۔" ژالے محض متاسفانہ نظروں سے انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"اینی ہاؤ بی کیئر فل نیکسٹ ٹائم۔"

"اوکے میری ملائی بیٹی! تم پارٹی کی زبردست تیاری رکھنا اور میرے سرپرائز کا ویٹ کرنا اوکے؟" وہ ایک بار پھر اس کا گال چوم کر مسکراتی ہوئیں باہر نکل گئیں، ژالے ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گئی تھی۔

☆☆☆

حکم تیرا ہے تو تعمیل کیے دیتے ہیں
زندگی ہجر میں تحلیل کیے دیتے ہیں

تو وصل کی خواہش پہ بگڑتا کیوں ہے
راستہ ہی ہے چلو تبدیل کیے دیتے ہیں
آج سب اشکوں کو آنکھوں کے کنارے پہ بلا
آج اس ہجر کو تکمیل کیے دیتے ہیں
ہم جو ہنستے ہوئے اچھے نہیں لگتے تم کو
حکم تیرا ہے سو آنکھ جھیل کیے دیتے ہیں

اس نے طویل کش بھر کے دھواں بکھیرا اور اپنی جلتی آنکھوں کو آہستگی سے بند کر لیا، سرد ہواؤں کی شوریدہ سری عروج پہ تھی، گویا ہڈیوں میں موجود گودے کو بھی جما دینے کے درپے مگر وہ تو جیسے ہر احساس سے عاری تھا، کیسا لگتا ہے بھلا اپنے پیاروں کو خود اپنے ہاتھوں ناچاہتے ہوئے بھی دکھی کر دینا، محض کسی ایک کی خوشی کی خاطر مغلوب ہونا اتنا سہل نہیں تھا، یقیناً حوصلے کا کام تھا یہ، کل پاپا جان واپس کراچی چلے گئے تھے، انہوں نے مزید اسے کچھ نہیں کہا تھا مگر ان کے ہر انداز سے بے دلی ناراض اور دکھ چھلکتا تھا، جہاں نے جب انہیں روکنے کی کوشش کی تو انہوں نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"کیا کروں گا یہاں رک کر، یہاں تمہارے پاس ٹائم بھی تو نہیں ہوتا۔"

اور جہان جو واقعی ان سے کترانے کی وجہ سے انہیں کمپنی نہیں دے رہا تھا خاموش کھڑا رہ گیا تھا۔

(پتہ نہیں یہ آزمائش کب ختم ہوگی، میں ان بے حد خاص رشتوں کو پھر سے ویسا پا سکوں گا یا نہیں؟ زینب شاید تمہیں احساس نہیں ہوگا تم نے مجھ سے بہت بڑا اخراج وصول کیا ہے)۔

اس کے اندر صدیوں کی تھکن اتر آئی تھی، سگریٹ کی تپش سے اس کی انگلیاں جھلسی تھیں تب وہ ذرا سا چونکا تو جیب میں موجود سیل فون کی وائبریشن بھی محسوس ہوئی تھی، اس نے بے دلی سے سیل فون نکال کر کال ریسیو کی۔

"ہاؤ آر یو ینگ مین!" مسز آفریدی کی کھنکتی آواز سن کر اس کے اعصاب کچھ اور کشیدگی سمیٹ لائے۔

"فائن!" وہ مختصراً بولا تھا، مسز آفریدی کی کال نے اسے کھٹکا سا دیا تھا۔

"جہانگیر حسن شاہ صاحب میں اپنی بیٹی کی صحت یابی کی خوشی میں سیلبریشن کر رہی ہوں، آپ بھی انوائیٹڈ ہیں، آج انوٹیشن کارڈ بھی آپ کو مل جائے گا مگر میں نے فون اسے لئے کیا ہے کہ آپ کو یاد دہانی کرا دوں۔" جہان ششدر سا رہ گیا، یہ خیر سگالی کا قدم اسے کچھ کنفیوژ کر گیا تھا، جہاں تک اس نے مسز آفریدی کو سمجھا تھا وہ اسے کچھ خاص پسند نہیں آئی تھیں وہ بہت گہرا مشاہدہ رکھتا تھا، اس کے لوگوں کے متعلق قائم کیے گئے اندازے بہت حد تک درست ثابت ہوا کرتے تھے، مگر مسز آفریدی کا رویہ اسے ہر مرتبہ حیرانی میں مبتلا کر جایا کرتا تھا۔

"آپ کو آنا ہے جہانگیر! میں ویٹ کروں گی۔" مسز آفریدی کے آواز پہ وہ چونک کر متوجہ ہوا اور گہرا سانس کھینچا تھا۔

"جی بہتر میں کوشش کروں گا۔" وہ اختصار سے بولا تو ان کے لہجے میں بے چینی در آئی۔
"تو کوشش نہیں کرنی آپ نے ہر حال میں آنا ہے، اوکے؟" وہ دھونس میں بولیں تو جہان کے چہرے پہ سخت و برہمی ایک ساتھ چھلکی تھی۔
"جی بہتر!" اس نے مختصراً کہا اور فون بند کر دیا تھا، اسی پل زینب کا فون آ گیا تھا، اس نے ہونٹ بھینچ کر سیل فون کو دیکھا تھا، پھر کال ریسیو کر لی، وہ اسے نظر انداز کر کے اس کے غلط اندازوں کو صحیح سمجھنے کا موقع فراہم نہیں کرنا چاہتا تھا۔
"جے کیسے ہیں؟" اس کا فریش کھنکتا ہوا لہجہ آرے کی مانند جہان کے دل کو دولخت کر کے رکھ گیا۔

اس نے پھر میرا حال پوچھا ہے
کتنا مشکل سوال پوچھا ہے
ہچکیوں کا عجیب عالم تھا
بات کو ٹال ٹال پوچھا ہے

جہان ہونٹ بھینچے خود پہ ضبط کرنے کی کوشش میں سرخ پڑنے لگا۔
"خیریت کیوں فون کیا ہے؟" نا چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ روڈ ہونے لگا۔
"کیا اب آپ مجھ پہ یہ پابندی بھی لگائیں گے؟ میں آپ کو فون نہیں کر سکتی جے؟" معصومیت خفگی اور تلخی کا عجب امتزاج تھا، جہان نے گہرا سانس بھرا۔
"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔" وہ جیسے خفا ہوا تھا۔
"آپ تو یوں ری ایکٹ کر رہے ہیں جے جیسے میں نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہو، آپ کا تو راستہ صاف ہوا ہے، آپ اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کر سکتے ہیں۔" وہ نخوت سے کہہ رہی تھی اور جہان کو خود پہ ضبط محال ہونے لگا۔
"آپ کس سوچ میں پڑے ہوئے ہیں، سب گھر والوں کے سامنے اس پردہ نشین کی نقاب کشائی کر ڈالیں۔" وہ چہک کر بولی تو جہان نے ناگواری سے ٹوکا تھا۔
"کیا مطلب ہے؟ اور سنو تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔" وہ پھنکارا تھا اور زینب مشکوک ہونے لگی۔
"آپ بہت ٹیپکل ری ایکشن دے رہے ہیں جے! حالانکہ آپ کو برا نہیں لگنا چاہیے، آف کورس جو ریزن آپ نے سب کے سامنے رکھا ہے اب اس کے مطابق آپ کو اپنا پرپوزل وہاں بھیجنا چاہیے۔"
"ابھی میں ایسا نہیں کر سکتا۔" وہ رکھائی سے بولا زینب جھنجلا گئی تھی۔
"بٹ وائے؟"
"وہ لڑکی جس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں اس کی فیملی کی کچھ پرابلمز ہیں، ابھی میں پرپوزل نہیں بھجوا سکتا۔" اس نے بڑی مشکل سے خود کو کمپوز کر لیا، وہ اپنا بھرم کسی بھی حال میں کھونا نہیں چاہتا تھا۔

"کیا پرابلمز ہیں مجھے بتائیں؟" زینب کی بات پہ جہان کے ماتھے پہ شکنیں نمودار ہونے لگیں تھیں۔
"زینب آپ اس قدر انٹرفیئر مت ہوں میرے پرسنلز میں پلیز۔"
"آپ پھر خواہ مخواہ ایموشنل ہو رہے ہیں جے! میرا مقصد صرف پرابلمز حل کرنا ہے، آف کورس جب تک آپ کا معاملہ کھل کر سامنے نہیں آتا میرا کام کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ تنک کر بولی اور جہان کے اندر جیسے بھالا اتار دیا گیا تھا، اس نے کسی کرب سے گزرتے ہوئے اتنی سختی سے دانتوں سے ہونٹ کو کاٹا کہ منہ میں خون کا ذائقہ گھل کر رہ گیا۔
"جے پلیز نیور مائنڈ! آپ خود سوچیں اگر آپ نے کسی کام کا بیڑا اٹھایا ہے تو اسے تکمیل تک تو پہنچائیں گے نا۔" اس کے اس کا لہجہ و انداز قدرے دھیما تھا مگر جہان کی اذیت و کرب میں کمی واقع نہیں ہوئی۔
"میری وجہ سے آپ اپنے کام کو مت اٹکائیں، تیمور سے کہیں وہ اپنا پرپوزل بھیج دے، ہاں بھیج دے، تاکہ پپا فٹ سے انکار تو کر دیں۔" وہ چہکی تو جہان نے سرد آہ بھری تھی۔
"ڈونٹ یو وری! میں سنبھال لوں گا سب، البتہ جس روز انہیں آنا ہو مجھے پہلے سے آگاہ کر دیجئے گا۔" وہ رسانیت سے بولا تو زینب نے سر کو نفی میں جنبش دی تھی۔
"نہیں اتنی جلدی یہ سب کچھ اگر ہوا تو اس کا مطلب یہی ہو گا یہ سب میں نے کرایا ہے، شاہ ہاؤس کے مکین اتنے احمق نہیں ہیں بہر حال۔"
اور جہان اس کی جہاندیدہ سوچ پہ قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا، اضطراب دکھ اور صدمے نے اس کی اپنی عقل تو سلب کر کے رکھ دی تھی۔
"یہاں آپ کا انکار پہنچ چکا ہے، مما اور پپا کو تو کوئی خاص ردعمل نہیں ہے، البتہ زیاد بھائی کا موڈ ضرور آف ہے۔" وہ اسے بے نیازی سے بتا رہی تھی، جہان کے چہرے پہ ایک سایہ آ کر گزر گیا اس نے کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا تھا، بہر حال وہ اس سے بڑھ کر اپنے ضبط کا امتحان نہیں لے سکتا تھا۔

☆☆☆

"مجھے اتنی حیرت ہو رہی ہے کہ یقین کرنا بھی چاہوں تو نہیں کر سکتی۔" نوریہ اس کے سامنے بیٹھی تھی، اس تک ابھی ابھی جہان کی کسی اور میں انوالومنٹ اور زینب سے شادی کے انکار کی خبر پہنچی تھی، زینب نے اپنے احساسات چھپانے ضروری سمجھے تھے۔
"اور تم بکواس کیا کرتی تھیں وہ مجھ میں انوالو ہے۔" اس نے دانت کچکچائے۔
"ہاں مجھے تو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ معاذ مجھ میں انٹرسٹڈ نہیں ہیں۔" وہ ایک دم موضوع بدل کر خود ترسی کا شکار ہوئی تو زینب نے زور سے سر جھٹکا تھا۔
"خیر اب ایسی بھی بات نہیں ہے، بھائی کے معاملے میں تمہارا اندازہ غلط ہے۔"
زینب پہ اگرچہ معاذ کا نوریہ کے لئے صاف انکار والی بات کھل چکی تھی اس کے باوجود وہ نوریہ کو اس چکر سے نکالنا نہیں چاہتی تھی، اس کی بات پہ نوریہ کے چہرے پہ تمسخر پھیل گیا، اس نے

گہرا سانس بھرا اور سر جھکا لیا۔

''مجھے تو جہان بھائی پہ حیرت ہے، تم دونوں کی جوڑی بے حد لاجواب تھی، پتہ نہیں انہیں کیا سوجھی۔'' اس کے تاسف کی کوئی حد نہیں تھی، زینب ڈرائی فروٹ کی پلیٹ سے کاجو چنا اور منہ میں رکھا تھا پھر کاندھے جھٹک کر بے نیازی سے گویا ہوئی تھی۔

شیر کی اپنی خدائی
ریچھ کے اپنے ضوابط
بھڑیئے کا اپنا ہی قانون
ان پر حرف گیری کا کسی کو حق نہیں
مچھروں کو حکم ہے
وہ اپنی بھیں بھیں سے غرض رکھا کریں

''اس نظم کا عنوان جنگل ہے، سمجھ تو گئی ہوگی تم؟'' اس کے بے نیاز لہجے میں بھی ہلکی سی کاٹ تھی، نوریہ جو جھکا سر اٹھا کر حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی کس قدر غیر مطمئن کیفیت میں سر کو نفی میں جنبش دینے لگی۔

''تم اپنے آپ کو مچھروں سے تشبیہ دے رہی ہو؟'' زینب نے اس گستاخی پہ گھور کر اسے دیکھا اور ڈرائی فروٹ کی پلیٹ اپنے سامنے سے سرکا دی۔

''نان سنس! میں نے تمہیں کہا ہے مچھر!'' وہ کہہ کر خود ہی ہنسنے لگی، نوریہ نے کچھ اور بھی حیرت میں مبتلا ہو کر اس کے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا۔

''تمہاری اس نظم سے مجھے بھی ایک نظم یاد آ گئی ہے جو میں تم سے شیئر کرنا چاہوں گی۔'' زینب نے یوں کاندھے اچکائے جیسے کہہ رہی ہو ''مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے'' نوریہ نے گہرا سانس بھرا تھا۔

ہر جانب پر کترے طوطے
چوری کے چکر میں گم ہیں
اپنے اپنے پنجروں میں گردن اکڑائے
چھن چھن کرتے گھوم رہے ہیں
دنیا کو الجھا رکھا ہے
اپنی لاحاصل ٹیں ٹیں میں

زینب نے گھور کر اور کسی قدر ناپسندیدہ نظروں سے اسے دیکھا تو جواباً وہ ہنس پڑی تھی۔

''اس کا عنوان ہے ''گفتار کے غازی'' اور محترمہ زینب حسن شاہ ایک بات غور سے سن لیں، آپ جس قدر بھی گفتار کی غازی ہوں مگر یہ بھی حقیقت ذہن میں رکھا کریں کہ آپ کے سامنے والا بھی بے وقوف اور بالکل عقل سے پیدل نہیں ہے۔''

''کیا مطلب ہے اس بات سے؟'' زینب نے بے حد ناگواری میں مبتلا ہو کر اسے دیکھا تھا۔

''زینب مجھے دکھ اس بات کا نہیں ہے کہ تم نے اتنے اچھے پیارے جہان بھائی کو ٹھکرا کر ایک غیر آدمی پہ بھروسہ کیوں کر لیا، بہر حال تم دونوں کا سنجوگ خدا کو منظور ہی نہیں ہوگا، دکھ کی بات یہ ہے زینی کہ تم نے اپنا سارا جرم سارا گناہ جہان بھائی کے کھاتے میں منتقل کر دیا، ایک بے حد صاف گو انسان کے ساتھ کیا یہ سراسر زیادتی نہیں؟''

الفاظ تھے یا پگھلا ہوا سیسہ زینب کو لگا تھا وہ بیٹھے بیٹھے سن پڑ گئی ہو، حیران ششدر اور مضطرب، نوریہ نے اسے تاسف کی نگاہ سے دیکھا تھا اور یونہی بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ اٹھ کر یک جھٹکے سے پلٹ رہی تھی جب زینب نے اس سکتے کی کیفیت سے نکل کر اسے دیکھا تھا۔

''تت......تم...... کیسے جانتی ہو یہ سب؟'' آواز اس کے حلق سے پھنس کر نکلی تھی، نوریہ کو لگا وہ کسی پل بھی رو پڑے گی، جیتی ہوئی بازی ہار جانے کا خیال اسے ہراساں کرنے لگا تھا۔

''کل جب تم فون پہ تیمور سے بات کر رہی تھیں یہ اتفاق تھا یہ سب باتیں میں نے سن لیں، آئندہ اس سے بات کرتے اتنی مگن مت ہو جانا کہ اطراف کی خبر نہ رہے۔'' وہ کس قدر تلخی و غصے سے بولی تھی، زینب کی گرفت اس کے ہاتھ پہ کچھ اور بھی سخت ہو گئی۔

''تم یہ بات کسی کو نہیں بتاؤ گی نوریہ پلیز پلیز!'' وہ اتنی لجاجت اتنی بے بسی سے کہہ رہی تھی کہ نوریہ کو لگا وہ کسی پل بھی رو پڑے گی مگر اسے اس پہ رحم آیا نہ ہمدردی محسوس ہوئی۔

''ڈونٹ یو وری زینی! میں ایسا کر کے تمہارے ساتھ نہیں جہان بھائی کے ساتھ زیادتی کروں گی، دوسرے لفظوں میں، میں ان کی قربانی ضائع نہیں کر سکتی مگر ایک بات یاد رکھنا زینب مجھے اس بات کا خدشہ لاحق ہو گیا ہے تمہیں تمہارے اس عمل کی سزا نہ مل جائے، کسی کی محبت کا خراج وصول کرنا میری نگاہ میں تو سراسر زیادتی ہے۔'' اس کا لہجہ بھینچا اور سرد تھا، زینب کا چہرہ کچھ اور بھی متغیر ہو گیا۔

''کیا مطلب ہے؟ کس کی محبت کا خراج وصولا ہے میں نے؟'' وہ پھٹ پڑی۔

''جہان بھائی کی، زینب میرا اندازہ ہرگز غلط نہیں تھا، ورنہ وہ کبھی تمہارے خاطر یہ سب کچھ نہ کرتے۔'' وہ زینب کو ششدر چھوڑ کر اپنا ہاتھ جھٹکے سے چھڑاتی وہاں سے چلی گئی تھی۔

☆☆☆

فریب ذات سے نکلو جہاں کے سانحے دیکھو
حقیقت منکشف ہو گی کبھی تو آئینے دیکھو
وہی اک اجنبی جس سے تعلق سرسری سا تھا
ہمارے دل میں ہوتے ہیں اس کے تذکرے دیکھو
لکھا ہے وقت نے یہ بھی عجب اپنے مقدر میں
پلٹنا ہے نہیں جس نے اسی کے راستے دیکھو
ہمیں سمجھو نہ خوش اتنا لبوں کی مسکراہٹ سے
ہماری آنکھ میں پہلے ہزاروں حادثے دیکھو!
تھکے ہارے سے بیٹھے تھے مگر تیری صدا سن کر
شکستہ پا چلے آئے ہمارے حوصلے دیکھو

آج اس کی صحت یابی کا جشن تھا اور محفل عروج پہ تھی، وہ جو ہمیشہ ایسی محفلوں سے کتراتی تھی آج شریک تھی تو وجہ یہ نہیں تھی کہ یہ بالخصوص اس کے لئے سجائی گئی تھی، وجہ وہ ستمگر تھا جس کے متعلق مسز آفریدی نے اس سے سرسری انداز میں تذکرہ کیا تھا کہ وہ بھی شریک ہونے والا ہے، پھر بے اختیاری اور لاشعوری احساس تھے کہ اس کی عام سی تیاری خاص الخاص ہوتی چلی گئی تھی اتنی خاص کہ اس پہ اٹھنے والی ہر نگاہ ٹھٹک کر تھم جاتی رہی تھی، وہ جو ہمیشہ سادہ رہتی تھی، جس کا بجنے سنورنے کا کبھی جی چاہا تھا نہ کبھی خیال آیا تھا، مگر آج وہ کسی کی اٹھنے والی نگاہ میں ستائش کی طلبگار تھی، کیسی انوکھی خواہش تھی نا جس کا اسے خود بھی بھرپور طریقے سے احساس نہیں ہو سکا تھا، پھر وہ ہر آہٹ پہ چونکتی رہی تھی، اس کی نگاہ ہر آنے والے کی سمت امید لے کر اٹھتی اور مایوسی سمیٹ لاتی، وہ ایک بار پھر اس کو اہمیت دینا بھول گیا تھا، تقریب کے اختتام تک جہاں مایوسی انتہا کو پہنچی وہاں اس کی آنکھیں اسی انتظار لاحاصل کے کرب سے بھیگ چلی تھیں، وہ اپنے کمرے میں آئی تھی اور ڈریسنگ ٹیبل کے قد آدم آئینے میں اپنا ہوش ربا عکس دیکھتی ایک ایک آرائشی چیز کو نوچ کر اتارتے جیسے ایک دم سے چونک اٹھی تھی، اس نے اپنے اضطراب اپنی افسردگی کی وجہ کھوجی تھی اور جیسے لمحوں میں سرد پڑنے لگی، اسے چپ لگی تھی اور حواس سلب ہونے لگے تھے، کیا وہ صرف اس کی خاطر......
اس سے آگے اس کی سوچ منجمد ہو کر رہ گئی۔

''نہیں مجھے اس راستے پہ اور آگے نہیں بڑھنا، یہ کانٹوں بھرا راستہ ہے اور میرے پیر پہلے ہی فگار ہیں۔''

اس نے جیسے خود کو سمجھایا تھا اور تھکے ماندے انداز میں وہیں بیٹھ گئی تھی، کچھ لمحوں کے اس جان لیوا سکوت کے بعد دروازہ ناک ہوا تھا، اس نے سر اونچا نہیں کیا، دروازہ وا ہوا اور پھولوں کا بے حد بڑا اور کسی حد تک آرٹسٹک گلدستہ اٹھائے ملازمہ اندر داخل ہوئی تھی، اس نے ژالے کے اس لٹے پٹے سے انداز کو کسی قدر حیرانی سے دیکھا تھا۔

''بی بی جی یہ آپ کو لئے پھول آئے ہیں۔'' ملازمہ کی آواز پہ ژالے نے چونک کر سر اونچا کیا، اگلے لمحے اس کا دل بہت زور سے دھڑک اٹھا تھا، اس کے تصور میں ہاسپٹل کے روم کا منظر گھوم گیا، جب جہان نے اسے پھول پیش کیے تھے، اس کا مطلب وہ اسے بھولا نہیں تھا، وہ جو ابھی کچھ لمحے قبل خود کو اس راستے پہ چلنے سے ٹوک رہی تھی اپنی جگہ چھوڑ کر سرعت سے اٹھی، لمحوں میں اس کے چہرے کی کیفیت بدل گئی تھی، بے دلی و مایوسی اور لاچاری کی جگہ جوش تمتماہٹ اور اشتیاق نے لے لی، اس نے پھول ملازمہ کے ہاتھوں سے بے صبری سے لئے تھے اور اس کی ریپنگ ہٹا کر ننھا سا وشنگ کارڈ نکالا تھا۔

''سویٹ ہارٹ! ہاؤ آر یو؟ تم یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہاری خوشیوں میں شریک نہیں ہوں، تم مجھے بھلے ایکسپٹ نہ کرو مگر جان من میں ہمیشہ تمہیں اپنی محبتیں اپنی دعائیں سونپتی رہوں گی، مے یو لیو لانگ!'' اس کے تمام ارمانوں پہ اوس گر گئی تھی، گو کہ سینڈر نے اپنا نام نہیں لکھا تھا مگر وہ اچھی طرح سے جانتی تھی، اس نے آہستگی سے پھول سائیڈ پہ رکھ دیئے اور ہونٹ بھینچ کر آنسو ضبط کرنے لگی۔

☆☆☆

حیران ہوں یہ کون سا دستور وفا ہے
تو مثل رگ جان ہے تو کیوں مجھ سے جدا ہے
تو اہل نظر ہے تو نہیں تجھ کو خبر کیوں
پہلو میں تیرے کوئی کب سے کھڑا ہے
لکھا ہے میرا نام سمندر پہ ہوا نے
اور دونوں کی فطرت میں سکوں ہے نہ وفا ہے
اٹھتے ہیں جو پہلو میں میرے درد کی لہریں
بے تاب سمندر کوئی سینے میں دبا ہے
اے زیست کے دوزخ سے گزرتے ہوئے لمحو
سوچا ہے کبھی تو نے کہ جینا بھی سزا ہے

تیمور خان کی آواز میں ایک سحر تھا مگر وہ ہمیشہ کی طرح ہمہ تن گوش نہیں تھی، اتنے میلوں کی دوری کے باوجود تیمور نے اس کی بے توجہی کو پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔

''زینی!'' وہ پکارا اور وہ چونک اٹھی تھی۔

''ہاں!''

''کہاں ہو تم یار! میں کیا کہہ رہا ہوں؟'' وہ بے طرح جھلایا اور زینب سنبھل سی گئی۔

''جانتی ہوں کیا کہہ رہے ہو۔''

''کیا؟'' تیمور نے پرکھا اور وہ کھسیا اٹھی تھی۔

''اُفوہ تیمور پیچھے مت پڑا کریں۔'' تیمور کی انا پہ چوٹ پڑی تھی اس نے ایکدم سلسلہ منقطع کر دیا تب صحیح معنوں میں زینب کی جان پہ بن آئی تھی، اس نے بوکھلا کر تیمور کا نمبر ڈائل کیا جو اس نے تیسری مرتبہ ٹرائی کرنے پہ اسے اچھی طرح بدحواس کرنے کے بعد ریسیو کیا تب بھی اس کا موڈ بگڑا ہوا تھا۔

''آپ نے مائنڈ کیا تیمور؟ ایم سوری ریئلی ویری سوری۔'' وہ گڑبڑا کر اگر معذرت پہ معذرت کر رہی تھی تو اس کی وجہ یہی تھی کہ راز افشا ہو جانے کے بعد وہ اب تیمور کو خفا کرنے کا تصور بھی نہیں رکھتی تھی۔

''میں اپنی تنہائیوں کے قصے اور بے بسی کے باب سنا رہا ہوں تمہیں اور تم...... پتہ نہیں کس کی یادوں میں الجھی ہوتی ہو۔'' تیمور کے جتلانے پہ زینب کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا، اس میں شک نہیں تھا کہ وہ جہان کی وجہ سے کچھ مضطرب تھی، ہمیشہ اس ایک بات کی کھوج میں رہی تھی وہ اور اب جبکہ معلوم ہوا تھا تو موقع ایسا تھا کہ صورتحال کچھ کی کچھ ہو کر رہ گئی تھی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے تیمور، میں اس وجہ سے پریشان ہوں کہ گھر میں آپ کے حوالے سے بات کیسے شروع کروں؟''

''کیوں؟ وہ ہے نا تمہارا کزن جہانگیر! اس سے کہو، بقول تمہارے تمہارا ہر مسئلہ چٹکیوں میں حل کرتا ہے۔'' زینب نے تو جان چھڑانے کو کہا تھا مگر الٹا پھنس کر رہ گئی، جہان کے نام پہ اس کا

رنگ پھیکا پڑا تھا۔

"تم پھر خاموش ہو گئی ہو وائے؟" زینب ہڑبڑا سی گئی۔

"ہاں کہوں گی، ڈونٹ وری۔" تیمور کا فون بند کر کے وہ خود کھڑکی میں آ کر کھڑی ہو گئی، موسم کے تیور اچھے خاصے خراب تھے، بارش کے آثار نظر آتے تھے، مست و شوخ ہوائیں جانے کس دیس سے بادلوں کو گھیر لاتی تھیں، ٹکڑیوں کی صورت نیلے گگن پر تیرتے سرمئی بادل بہت تیزی سے اکٹھے ہو رہے تھے اور شام سے پہلے ہی سرمئی ملگجا پھیلتا جا رہا تھا، فقط پہلی بوند گرنے کی دیر تھی کہ پھر بادلوں نے چھما چھم برستے دیر نہ کی اور تند ہواؤں نے بارش کے ساتھ مل کر طوفان کھڑا کر دیا، پودے تو کیا درخت تک لگتا تھا جڑ سے اکھڑ جائیں گے، وہ ساکن کھڑی تیز بارش میں نہاتی سڑک کو دیکھتے گئی تھی، اسے چند سال قبل کا وہ دن یاد آ گیا تھا، جب ایسے ہی موسم میں وہ اور نوریہ کالج سے واپسی پہ گھر آتے ہوئے بھیگ گئی تھیں، نوریہ تو مزے سے فائل کی آڑ کیے بھیگتی ہوئی چلتی رہی تھی مگر اس نے شور مچا دیا تھا۔

"اس قدر خراب موسم اوپر سے پوائنٹ میں مجھے تو لگتا ہے میں اس بارش میں گھل جاؤں گی۔" اس نے جب دسویں بار اس جملے کی تکرار کی تو نوریہ چڑ گئی تھی۔

"کیا ہے زینی! بچوں کی طرح ریں ریں لگا رکھی ہے، کوئی سیلاب نہیں آ گیا کہ تم دریا کنارے ڈوب رہی ہو، اتنا تو رومینٹک موسم ہو رہا ہے انجوائے کرو، اس طرح کے مواقع زندگی میں کبھی کبھار ہی آتے ہیں۔"

"تم کرو انجوائے میں تو وہاں کھڑی ہو رہی ہوں، بارش تھمے گی تو گھر جاؤں گی، ایک تو فون بھی نہیں ہے، بندہ وقت ضرورت استعمال کرے، نہیں ہمارے گھر والوں کو ہم پہ اعتبار ہی نہیں ہے۔" کلسنا، کڑھنا، بدگمانی پالنا اس کی فطرت تھی، نوریہ ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گئی کہ اس کی وضاحت کسی کام نہیں آتی تھی، زینب اس کا ہاتھ دبوچے سڑک کراس کر کے سامنے دوکان کے شیلٹر کے نیچے کھڑی ہونے کے ارادے سے آگے بڑھنا چاہتی تھی کہ ڈرامائی طور پہ جہان کی گاڑی نے ان کا راستہ روک لیا تھا، سڑک پہ تیزی سے جمع ہوتے پانی میں اس کی گاڑی کے ٹائروں کی تیز چرچراہٹ گونجی اور ان کے پہلے سے بھیگے کپڑے کچھ اور بھی داغدار ہو گئے، زینب کو گالیوں کوسنوں کو کھلنے والا منہ وائیٹ کرولا کے ڈرائیونگ سیٹ پر براجان جہان کو دیکھ کر مارے خوشی کے کچھ اور بھی کھل گیا۔

"اوہ جے آپ! فٹافٹ دروازہ کھولیں مجھے بیٹھنا ہے۔" وہ خوشی میں بالکل بچوں کی طرح سے اچھلی تھی، جہان نے دروازہ اوپن کیا تو وہ عجلت کی ماری فرنٹ سیٹ پہ براجمان ہو گئی، جہان نے خود اتر کر نوریہ کے لئے گاڑی کا پچھلا دروازہ ان لاک کیا تھا، گاڑی کا ہیٹر پہلے سے آن تھا جسے زینب کو کپکپاتے دیکھ کر جہان نے کچھ اور تیز کیا تھا۔

"میری سردی ختم نہیں ہو رہی ہے جے! اپنی جیکٹ اتار کر دیں مجھے!" اس فرمائش پہ جہان گہرا سانس بھر کے رہ گیا تھا نوریہ نے پیچھے سے اسے ٹہوکا دینا ضروری سمجھا مگر اسے پروا کب تھی۔

"بہت سردی لگ رہی ہے مجھے لگتا ہے مر جاؤں گی یہیں۔" اس نے جہان کو ہاتھ کے اشارے سے جیکٹ اتارنے کا کہا تھا جہان نے دیکھا اس کے ہونٹ نیلے پڑ رہے تھے، کچھ ایسی ہی حالت نوریہ کی بھی تھی مگر اس نے زینب کی طرح واویلا نہیں مچا رکھا تھا، جہان نے جیسے ہی اسے جیکٹ اتار کر دی، زینب تب تک اپنا گیلا دوپٹہ اتار کر سائیڈ پہ رکھ چکی تھی، جہان کی بے دھیانی میں اٹھنے والی نگاہ سٹپٹا کر فی الفور پلٹی جبکہ وہ اس بے نیازی اور اطمینان بھرے انداز میں جیکٹ پہننے میں مصروف رہی تھی پھر اس نے صرف یہیں تک اکتفا نہیں کیا تھا۔

"جے یہ دیکھیں مجھ سے اس کا زپ بند نہیں ہو رہا۔" وہ سخت جھنجلاہٹ کا شکار تھی، کانپتے ہاتھوں کی انگلیوں کی لرزش زدہ گرفت سے زپ کی ہک بار بار پھسلتی تھی، جہاں نوریہ خفت زدہ ہوئی وہاں جہان جیسے آزمائش میں پڑ گیا تھا۔

"ہاں تو رہنے دو، کیا ضرورت ہے زپ بند کرنے کی۔" نوریہ نے ڈانٹا تھا مگر وہ اس پہ غصے میں الٹ پڑی تھی۔

"کیوں بند نہ کروں، سردی ختم کیسے ہو گی؟ اس لئے تو جیکٹ نہیں پہنی تھی۔"

"اوفوہ جھگڑا ختم کرو، لاؤ بند کر دیتا ہوں میں۔"

جہان نے انہیں آپس میں الجھتے دیکھ کر صلح کا جھنڈا لہرایا اور جس پل وہ گاڑی روک کر جیکٹ کی زپ بند کر رہا تھا، زینب کو اچانک شوخی سوجھ گئی تھی، اس نے اپنے یخ بستہ ہاتھوں میں جہان کا چہرا تھام لیا تھا، جہان نے چونک کر اسے دیکھا تھا وہ آنکھوں میں ڈھیروں ڈھیر شرارت بھرے کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"پتہ چلا کتنی ٹھنڈی ہو رہی ہوں میں۔"

اور جہان جو اس کے طلسمی سحر میں گم ہونے لگا تھا خود کو بمشکل سنبھال کر سیدھا ہوا تھا اور گاڑی کا اسٹیرنگ دوبارہ سے سنبھالتے اس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ اترنے لگی تھی۔

"جے مجھے کافی لے کر دیں شاید میری سردی کو فرق پڑ جائے۔" وہ زپ کا کالر تک کھینچ کر بند کرتے ہوئے ایک نئی فرمائش داغ چکی تھی، گاڑی اس وقت ایک کافی پارلر کے آگے سے گزر رہی تھی جہان نے گہرا سانس بھر کے گاڑی کو بریک لگا دیئے تھے، جہان نے وہیں سے کافی آرڈر کی تھی۔

"تھینکس جے، یو آر سو سویٹ!" مگ کو ہونٹوں سے لگا کر گرما گرم کافی کا سپ لیتے ہوئے وہ اس کی ممنون ہوئی تھی۔

"بیوقوف اپنوں میں تھینکس نہیں چلتا۔"

تب اس نے کتنی اپنائیت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ زینب کا سر تھپک کر کہا تھا اور زینب نے کاندھے اچکا دیئے تھے، ہوا کی شوریدہ سردی کے باعث دریچے کا پٹ زوردار آواز سے بند ہو کر پھر کھلا اور ساتھ ہی بوچھاڑ اسے بھگونے لگی تب وہ چونک کر ماضی سے حال میں لوٹی تو اس کی آنکھیں جانے کس جذبے کے تحت بھیگ رہی تھیں۔

"آپ تو میرے لئے ہمیشہ ہی اتنے کیئرفل تھے جے مگر وہ نوری کہتی ہے آپ مجھ سے محبت

کرتے ہیں، آپ نے ہمیشہ مجھے باقی سب پہ فوقیت دی مجھے ہمیشہ سنیت سنیت کر رکھا، اسی جذبے کے تحت؟"

"کیا آپ مجھے اپنے لئے سنبھالتے تھے؟" وہ خود سے سوال جواب کر رہی تھی تبھی دروازہ ناک ہوا وہ چونک کر پلٹی، ماریہ ہاتھ میں چائے کا مگ لئے کھڑی تھی۔

"بجو آپ کی چائے!"

"تھینکس!" اس نے ممنونیت سے کہا اور مگ تھام لیا، ماریہ وہیں سے پلٹ گئی تھی، اس نے اپنا سیل فون اٹھایا اور جہان کو "پلیز کم بیک" کا ایک ٹیکسٹ بھیجا تھا، جسے لاہور میں اپنے کمرے میں بخار میں پھنکتے جہان نے پڑھا تھا اور اگلے لمحے اس کی انگلی کی ایک جنبش سے وہ ٹیکسٹ ضائع ہو چکا تھا، مسلمان ہونے کے ناطے وہ ایک ہی بل سے دوسری مرتبہ ڈسنا گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

☆☆☆

یونہی اداس ہے دل بے قرار تھوڑی ہے
مجھے کسی کا کوئی انتظار تھوڑی ہے
نظر ملا کے بھی تم سے گلہ کروں کیسے
تمہارے دل پہ میرا اختیار تھوڑی ہے
مجھے بھی نیند نہ آئے اسے بھی چین نہ ہو
ہمارے بیچ بھلا اتنا پیار تھوڑی ہے
خزاں ہی ڈھونڈتی رہتی ہے دربدر مجھ کو
میری تلاش میں پاگل بہار تھوڑی ہے
نہ جانے کون یہاں اپنا بنا کے چھوڑ دے پھر
یہاں کسی کا کوئی اعتبار تھوڑی ہے

کتنا اچھا ہوا تھا اس نے اپنے سارے جذبات کسی مناسب وقت کے لئے سنبھال رکھے تھے، جو سنبھالے ہی رہ گئے تھے، اس کے چہرے پہ زہر خند پھیلا، ہجر کی داستان فراق کا سوز اور دوری کا پر درد احساس سب کچھ اس کی سانسوں پہ محیط محبت کے اندر شام غریباں کا سوز در آیا تھا، اس غضب کی سردی میں بھی وہ پسینوں میں نہانے لگا، بے سکونی نے مسلسل جسم و جاں میں پنجے گاڑھ لئے تھے، یہ محبت بھی اس کے لئے کسی آسیب سے کم ثابت نہیں ہوئی تھی، بربادی کا سلسلہ تھا کہ لامتناہی ہوتا چلا جا رہا تھا، اس اعصابی جنگ نے اسے اتنا کمزور کر دیا تھا کہ وہ خود کو سنبھال نہیں پا رہا تھا، اس وقت بھی وہ شدید ٹمپریچر محسوس کر رہا تھا، جبھی آفس بھی نہیں جا سکا، آرام کرنے کی غرض سے لیٹا ہوا تھا کہ اس کے سیل پہ پپا کی کال آ گئی تھی، اس نے خود کو مشکل میں گرفتار محسوس کیا، اب وہ دانستہ خود کو تمام رشتوں سے دور کر رہا تھا، مگر محبتیں اتنی آسانی سے کہاں چھوڑی جا سکتی ہیں۔

"جہان بیٹے اگر مجھے پتہ ہوتا لاہور ہم سے ہمارا بیٹا چھین لے گا تو میں کبھی آپ کو لاہور نہیں جانے دیتا، بزنس جاتا بھاڑ میں۔"

رسمی سلام دعا کے بعد انہوں نے جس طرح چھوٹتے ہی اس محبت اپنائیت اور شفقت بھرے انداز میں کہا تھا وہ ایکدم سے خفت زدہ ہو گیا تھا۔

"ایسی بات نہیں ہے چاچو میں انشاء اللہ جلد چکر لگاؤں گا۔"

"ہماری ہونے والی بہو یہیں لاہور میں رہتی ہے کیا؟"

کچھ توقف کے بعد ہونے والے سوال نے اسے گنگ کر دیا تھا، ان کے لہجے و انداز سے بالکل بھی ایسا کوئی احساس نہیں ملتا تھا کہ وہ زینب کو ٹھکرا چکا ہے، یہ انداز جوان کی گفتگو کا تھا تھوڑا سا شریر تھوڑا سا شوخ ایک باپ کا تھا جو اپنے بیٹے کو ایسے کسی بھی موقع پہ چھیڑنے کے لئے اختیار کر سکتا ہے، جانے کس کس احساس کے ساتھ جہان کی آنکھیں بھیگتی چلی گئی تھیں، وہ کچھ بھی بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

"چاچو آئی ایم ساری، میں سمجھتا ہوں میں آپ کی محبتوں کے قابل نہیں رہا، مجھ میں آپ کا سامنا کرنے چچی جان سے ملنے کا حوصلہ نہیں ہے۔"

"یہ آپ کی سعادت مندی اور فرمانبرداری ہے بیٹے! ورنہ ایسا کچھ نہیں ہے، آپ نے جو فیصلہ کیا یقیناً وہی بہترین تھا اور وقت کی ضرورت بھی، میری جان مجھے آپ سے ہرگز بھی کوئی شکوہ نہیں، شکوہ اس وقت ہو گا جب آپ اس معمولی بات کی وجہ سے یہاں آنے سے گریزاں رہو گے اور ہاں بیٹے ہماری ہونے والی بہو جہاں بھی رہتی ہے آپ بس اس اتنا بتا دیں کہ ہم اسے آپ کی دلہن بنا کر جلدی سے شاہ ہاؤس لانا چاہتے ہیں، تاکہ ہمارا بیٹا جو شاہ ہاؤس کا راستہ بھول گیا ہے پھر سے بھاگ بھاگ کر وہاں آنا شروع کر دے۔" انہوں نے اسی ملائمت سے کہا تھا پھر چند مزید باتوں کے بعد جب ان کا فون بند ہوا تو جہان کے دل کا بوجھ بجائے کم ہونے کے مزید بڑھ گیا تھا اور یہ عمر بھر کی بات تھی۔

"کاش زینب تم نے ایسا نہ کیا ہوتا۔"

وہ نا چاہتے ہوتے بھی شاکی ہو گیا تھا جانے کتنی دیر وہ یونہی ساکن پڑا رہا تھا، خود سے بھی خفا سا جب اس کا دروازہ بجا کر واچ مین نے اندر جھانکا۔

"صاحب آپ سے کوئی خاتون ملنے آئی ہیں۔"

"مجھ سے؟" وہ حیران ہوا تھا پھر اس کی پیشانی پہ ناگواری کی شکنیں پھیلیں نیلما کا خیال اس کا موڈ بری طرح سے غارت کر گیا تھا، ابھی وہ واچ مین کو کچھ کہنے کو منہ کھول ہی رہا تھا کہ ادھ کھلے دروازے میں کھڑے واچ مین کے پیچھے جہان کو مسز آفریدی کی جھلک نظر آئی تھی اور وہ حیران پریشان سا اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"خیریت ینگ مین! مجھے لگتا ہے آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہے؟" مسز آفریدی چلتی ہوئیں اس کے روبرو آ کھڑی ہوئیں، جہان نے بمشکل خود کو سنبھالا تھا انہیں اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر بھی حیرت تمام نہیں ہو رہی تھی۔

"وہ بھلا اس کے پاس کیوں آئی تھیں؟"

"جی بس...... آپ تشریف رکھیئے نا؟" اس نے بوکھلا کر کہا پھر واچ مین کو جانے کا اشارہ

کرتے ہوئے ایکدم کچھ یاد آنے پہ مسز آفریدی کو دیکھا۔

''کیا لیں گی میم آپ چائے یا کافی؟''

''اس تکلف میں مت پڑھو مائی سن! میں تو آپ کے آفس فون کرتی رہی تھی، پتہ چلا آپ خرابی طبیعت کے باعث نہیں آئے میں نے سوچا کھڑے کھڑے احوال دریافت کرلوں، ژالے میرے ساتھ ہے میں اسے گاڑی میں چھوڑ کر آئی ہوں۔'' ان کے جواب پہ جہان نے اپنا بستر چھوڑ دیا تھا۔

''آپ بیٹھیں میں انہیں لے کر آتا ہوں، یہ بات تو بالکل مناسب نہیں ہے کہ آپ پہلی بار تشریف لائی ہیں اور مجھے میزبانی کا شرف بخشے بغیر چلی جائیں۔'' وہ رسانیت اور آہستگی سے کہتا خود کمرے سے باہر نکل گیا، مسز آفریدی جو سارے ارے کررہی تھیں اس کے باہر نکلتے ہی بے ساختہ بھرپور طریقے سے مسکرا رہی تھیں، ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا، وہ بڑی ترنگ میں صوفے پہ بیٹھی تھیں، جہان اندرونی حصے سے نکل کر پورچ میں آیا تو واچ مین اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

''صاحب! خانساماں سے چائے کا کہہ دوں؟''

''ہاں بالکل بلکہ ان سے کہیے گا چائے پہ اہتمام کرلیں۔''

وہ انہیں تاکید کرتا ہوا پورٹیکو میں آیا تو اسی پل ژالے جو اپنے سیل فون پہ مصروف تھی متوجہ ہوئی تھی اسے روبرو پا کے وہ اتنی حیران ہوئی کہ ششدر رہ گئی تھی، جہان نے اس کی جانب کا دروازہ کھولا تھا تب وہ ہڑبڑائی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' بلیک جینز پہ وہائیٹ شرٹ میں ہلکی بڑھی شیو اور پیشانی پہ بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ وہ اس گھریلو اور عام سے حلیے میں بھی بے حد خاص اور امپریسو نظر آرہا تھا اس قدر کہ اسے نگاہیں جھکانا پڑیں۔

''آئی تھنک آپ مجھ سے خفا ہیں، سوری ایکچوئلی اس روز بھی میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' اس کی خاموشی سے اس نے اپنے تئیں جو سمجھا تھا اسی لحاظ سے وضاحت پیش کی، ژالے گڑبڑا کر رہ گئی۔

وہ ہرگز بھی اس قابل خود کو نہیں پاتی تھی کہ کوئی وضاحت پیش کرسکتی، مسز آفریدی نے آج خود اسے کالج سے پک کیا تھا اور یہاں کسی کام کا کہہ کر خود اندر چلی گئی تھیں، اس کے گمان تک بھی نہیں تھا کہ چند لمحوں کے بعد وہ اس چہرے کا سامنا کرنے والی ہے جو پوری کائنات میں سب سے زیادہ اہمیت اختیار کرگیا تھا۔

''آیئے پلیز!'' جہان نے اسے پھر سے مخاطب کیا تھا وہ جیسے مسمرائز سی گاڑی سے نکل کر اس کی سنگت میں جب اندر آئی تو مسز آفریدی نے بہت دھیان سے اس کے تاثرات ملاحظہ کیے تھے اور جیسے اتنے دنوں کی کشمکش سے نکل کر جیسے کسی حتمی نتیجے پہ پہنچ گئیں۔

''کب سے ہے آپ کی طبیعت خراب؟'' انہوں نے جہان کو مخاطب کیا، جو ژالے کی نسبت نارمل اور بے نیاز نظر آتا تھا۔

''معمولی ٹمپریچر ہے۔''

جہان دوبارہ اپنے بیڈ پہ ٹک گیا تھا، ژالے سر جھکائے اپنی گود میں رکھے ہاتھوں کو گھورتے جا رہی تھی۔

''آپ اتنے بڑے گھر میں اکیلے ہوتے ہو جہانگیر! آئی مین آپ کی فیملی۔'' جہان جو سر اٹھا کر انہیں خاموش نظروں سے دیکھنے لگا تھا گہرا سانس کھینچ کر رہ گیا۔

''ہم لوگ کراچی میں ہوتے ہیں، میں بزنس کے سلسلے میں یہاں ہوں۔''

''گڈ! بزنس کے علاوہ کیا مصروفیات ہیں؟'' مسز آفریدی نے جیسے ہی انٹرویو کا آغاز کیا وہ اپنی جگہ پہ بری طرح سے جز بز ہونے لگی تھی۔

''بزنس کے علاوہ تو کوئی اور مصروفیات نہیں ہے۔'' جہان جو اس سوال جواب کے سلسلے پہ کچھ حیران نظر آرہا تھا، اسی حیرانی سے بولا تھا۔

''بہن بھائی میں آپ کے؟''

''نہیں میں اکلوتا ہوں، میرے والدین کی میرے بچپن میں روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہوگئی تھی، میں اپنے دو چچاؤں کے ساتھ رہتا ہوں، ماشاللہ میرے چاچو اور چچیاں بہت پیار کرتے ہیں مجھ سے، میرے کزنز کے ساتھ میرا بہن بھائیوں والا ہی ریلیشن ہے۔'' جہان نے اب کے خود تفصیلی جواب سے نوازا شاید وہ اس کے بعد ان سے کسی اس متعلق مزید سوال کی توقع کررہا تھا، ژالے کی خفت کچھ اور بڑھ گئی تھی، اس دوران ملازم چائے کی ٹرالی لے آیا تھا، ذرا سی دیر میں اچھا خاصا اہتمام چائے کے ساتھ کرلیا تھا، جہان انہیں چائے کے ساتھ اسنیکس لینے پہ اصرار کرنے لگا۔

''گڈ! آپ یہ بتاؤ بیٹا کہ آپ انگیجڈ تو نہیں ہو نا؟'' وہ بے تکلفی کی ہر حد پھلانگتے مسکرا کر دوستانہ انداز میں گویا ہوئیں تو اس سے جہان کی حیرت سے پوری وا ہو جانے والی آنکھوں میں ایک لمحے کو بھی نہیں دیکھا نہیں گیا، وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی۔

''چلیے مما! پلیز اٹھیں۔'' اس کا چہرہ ضبط کی کوشش میں بے تحاشا سرخ پڑ گیا تھا، جہان نے خاموش مگر نافہم نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''ارے بیٹھو بیٹا! ابھی چائے......'' اس نے ان کی پوری بات نہیں سنی تھی اور باہر نکلتی چلی گئی، مسز آفریدی نے کھسیاہٹ زدہ مسکان سے جہان کو دیکھا تھا اور اس سے معذرت کرتیں ژالے کے پیچھے لپکی تھیں جہان نے کاندھے جھٹک دیئے، اسے مسز آفریدی کے رویئے نے ہی نہیں ژالے کے انداز نے بھی الجھایا تھا۔

☆☆☆

گویا انداز شاہانہ ہے امیروں جیسا
میرے اندر کا انساں ہے فقیروں جیسا
ہم نے چہرے پہ سجا رکھی ہے رونق لیکن
دل کا عالم ہے کہ ویران جزیروں جیسا
اس کے اوصاف و خصائل نے مجھے جیت لیا

میرے مریدوں میں اک شخص تھا وہ پیروں جیسا
اس سے پہلے تھی اسیری تھی رہائی جیسی
اب کہ آزادی میں ہے حال اسیروں جیسا
اس کو گنوا کے ہیں اب تک خسارے تابش
وہ اک شخص جو میرے ساتھ تھا پیروں جیسا

جہان شاہ ہاؤس آیا تو سب اس سے ویسے ہی ملے تھے جیسے کوئی بیچ میں بات ہوتی ہی نہ ہو، وہ خود اپنے آپ سے شرمندہ ہونے لگا تھا اس وقت مکمل طور پہ وہ خود کو سخت مشکل میں گرفتار محسوس کرتا جب جب بھی اس انجانی لڑکی کے متعلق کسی نے بھی اس سے سوال کیا تھا، اسے صحیح معنوں میں اندازہ ہوا وہ کیسی مشکل میں گرفتار ہو کر رہ گیا ہے، سب سے زیادہ اسے زینب کے سامنے سے الجھن محسوس ہوئی تھی جواب تک نہیں ہوا تھا، ماریہ کے ذریعے اسے پتہ چلا تھا کہ وہ کالج سے ہی اپنی کسی فرینڈ کی طرف چلی گئی تھی جس کی آج برتھ ڈے تھی، جہان اس وقت اپنے کمرے میں تھا جب زینب شام ڈھلے گھر لوٹی اور ماریہ نے اسے جہان کی آمد کی اطلاع دی تھی، زینب کے چادر اتار کر رکھتے ہاتھ کچھ لمحوں کو اس زاویے پہ ساکن رہ گئے تھے، اس نے گہرا سانس بھر کے خود کو سنبھالا تھا۔

''کیسے ہیں جے!'' شام کی چائے پہ زینب کا سب کے بیچ اس سے سامنا ہوا تھا، وہ اسے پہلے سے ویک اور خاموش محسوس ہوا حالانکہ وہ سب سے ہنس بول رہا تھا، اسے دیکھ کر بھی بالخصوص مسکرایا تھا۔

''الحمدللہ آپ کیسی ہیں زینب؟''

''آپ کے سامنے ہوں، آپ بتائیں کیسی ہوں؟'' اس نے ہمیشہ والا جواب دیا تھا مگر وہ ہمیشہ کی طرح جواباً نہ مسکرا سکا نہ ہی اس کی آنکھوں میں جھانک کر جواباً یہ کہہ سکا تھا۔

''مجھے تو بالکل ٹھیک لگ رہی ہو، بلکہ پہلے سے کچھ موٹی نہیں ہو گئیں؟'' وہ مصنوعی حیرت سے کہہ کر ساتھ بیٹھیں مما، مما جان اور پھر اسما بھابھی سے پوچھا کرتا اور وہ چیخنے لگتی تھی مگر اب جواباً میں خاموشی تھی وہ ساکن تھا اور لاتعلق، وہ اب کسی اور کی سمت متوجہ ہو گیا تھا، زینب جتنی دیر وہاں رہی تھی، اسے دیکھتی اسے پرکھتی رہی مگر اس کی کسی حرکت کسی ادا سے اسے اس یقین کی ڈوری کو تھمانے کا حوصلہ نہ ہو سکا، جو نوریہ نے اسے تھمانا چاہی تھی، پھر جب وہ رات کھانے کے بعد اپنے کمرے میں سونے کی غرض سے جا رہا تھا، زینب نے راہداری کے موڑ پہ اچانک اس کا راستہ روک لیا تھا، مدھم روشنی میں شفاف راہداری کے پلر سے ٹیک لگائے وہ اتنی پرسکون نہیں تھی، جتنا خود کو ظاہر کر رہی تھی، جہان نے حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''سوری فار واٹ؟''

''اتنا کچھ میرے لئے کرنے پہ جے آپ نے میری خاطر ایک جھوٹا الزام اپنے سر لے لیا مجھے اس بات کی شرمندگی تو......''

''ایسا کچھ نہیں ہے زینب! وہ ایک حقیقت ہے، ہاں مجھے اس اعتراف میں عار نہیں کہ

بزدلی کا مظاہرہ کر جاتا اگر تم مجھے تیمور کے بارے میں نہ بتاتیں، میں اپنے بزرگوں کے سامنے حسان بندی کے باعث انکار کر جرأت نہیں رکھتا تھا، اب میں نے تمہارے لئے سہی مگر اپنے حق میں اچھا کیا ہے، سو ڈونٹ وری تم پہ میرا کوئی احسان نہیں ہے۔'' اس کا انداز اس قدر نارمل تھا کہ زینب متحیر رہ گئی تھی۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا ہے جے! اگر یہ سچ ہے تو پھر آپ اس لڑکی کو سامنے کیوں نہیں تے؟'' وہ متذبذب تھی جہان نے ٹھنڈا سانس بھر کے اسے دیکھا۔

''میں نے بتایا تھا نا کہ کچھ پرابلمز ہیں اس کی فیملی کی اور جہاں تک یقین کی بات ہے تو میں کیا کہہ سکتا ہوں اس کے سوا کہ جب وہ سب کے سامنے آئے گی تو تمہیں بھی یقین آ جائے گا میری سچائی کا۔'' وہ اتنی بے نیازی اور اعتماد سے بولا تھا کہ زینب پھیکے پڑتے چہرے کے ساتھ سے دیکھتی رہ گئی۔

''تم اب تیمور سے کہتی کیوں نہیں ہو کہ وہ اپنے گھر والوں کو بھیجے؟'' وہ اب کے ذرا سا منجھلایا تھا، زینب نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

''آپ مجھے یہاں سے اتنی جلدی کیوں نکالنا چاہتے ہیں؟''

''ایک کام جسے ہونا ہی ہے پھر وہ اپنے وقت پہ کیوں نہ ہو جائے، تیمور سے کہنا اپنے گھر لوں کو بھیج دے اب۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ آگے بڑھ گیا تھا، زینب ساکن کھڑی تھی، یقین و بے یقینی کے درمیان ڈولتی ہوئی جہان کی باتوں اور اس کی حالت میں یکسانیت نہیں تھی، وہ جو کہتا تھا اس کی آنکھوں کی زبان سے کیوں میل نہیں کھاتا تھا، وہ ہونٹ بھینچے کاندھے جھٹک کر پلٹ گئی تھی، اس نے اس مسئلے پہ مزید نہ سوچنے کا فیصلہ کیا تھا۔

☆☆☆

شوں کے موسم میں دل کی سرزمینوں پر
دکیوں بکھرتی ہے
مل کیوں نہیں کھلتے
ب کیوں نہیں ملتے
دں یہ فقط تنہائی ساتھ ساتھ رہتی ہے
دں بچھڑنے والوں کی یاد ساتھ رہتی ہے
ا تیز بارش سے دل کے آئینے پر سے
س کیوں نہیں ڈھلتے
م کیوں نہیں سلتے
د کیوں نہیں آتی
شوں کے موسم میں
کھ کیوں برستی ہے
لم کیوں نہیں تھمتے

بارشوں کے موسم میں لوگ کیوں نہیں ملتے

اندھیری رات کے دامن میں دودھیا چاندنی ٹیرس پہ پھیلی ہوئی تھی، اسی چاندنی کے فسوں خیز ماحول میں وہ بے خیال سی ٹیرس پہ نکل آئی تھی، چاند بڑی تمکنت کے ساتھ ستاروں کے جھرمٹ میں جلوہ گر تھا جسے دیکھتے ہوئے وہ جانے اس جانے پہچانے شخص کو کیوں سوچنے لگی، شاید وہ بھی اس چاند کی طرح تھا، اکیلا مگر بے حد اٹریکٹو، جس کی کشش میں سحر طاری کر دینے والی بے خودی تھی، وہ بھی اسی سحر میں جکڑی گئی تھی نا چاہتے ہوئے بھی، مگر بے وقوف تھی نا اس راز کو چھپانا چاہتی تھی جو خوشبو کی مانند پھیل کر اپنا احساس بخش جاتا ہے، اسے مسز آفریدی پہ غصہ تھا، کیوں انہوں نے اس روز جہان سے اس قسم کی باتیں کیں کہ وہ ان کی جانب سے مشکوک ہو جائے، وہ اتنی حساس تھی نہیں چاہتی تھی کوئی اس کے حوالے سے ذرا سا بھی غلط سوچے، مسز آفریدی پہ اس نے اپنا غصہ اپنی خفگی اس طرح سے ظاہر کی تھی کہ ان سے بات کرنا ان کے سامنے آنا ترک کر دیا تھا، مسز آفریدی اس کے اس احتجاج سے واقف تو تھیں مگر عادی نہیں ہو پائی تھیں وہ ہمیشہ اپنی خفگی یونہی ظاہر کیا کرتی تھی، شاید اپنے متعلق ان کی محبت اور بے تابی سے آگاہ تھی جبھی انہیں اس انداز میں سزا دینا ٹیز کرنا چاہتی تھی، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ وہ بے حس یا کٹھور تھی وہ صرف حساس ہی نہیں، بہت پیارا دل رکھنے والی نازک سی لڑکی تھی جسے سب کے احساسات کی ہمیشہ بہت پرواہ رہا کرتی تھی، بس مسز آفریدی کے لئے وہ کچھ کٹھور ہو گئی تھی تو وجہ وہ انکشافات تھے جو ژالے کے خیال میں اگر اس پہ نہ بھی کیے جاتے تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا مگر مسز آفریدی کی تنگ سوچ کے باعث یہ بات کھلی تھی اور ژالے پہ اس کی زندگی کے اذیت انگیز پہلو عیاں ہو گئے تھے۔

''ژالے! کیا کر رہی ہو بیٹے یہاں؟ پتہ ہے نا کتنی سردی ہے، اندر چلو۔'' وہ اس قدر مگن تھی کہ خبر نہیں ہو سکی کب وہ اس کے سر پہ آ پہنچی تھیں، ان کی آواز سن کر اس نے محض ایک نگاہ انہیں دیکھا تھا پھر ہونٹ بھینچتے ہوئے نگاہ کا زاویہ بدل لیا، انداز میں لاتعلقی و بے نیازی اور بیگانگی مسز آفریدی نے عاجز ہو کر اسے دیکھا تھا۔

''ژالے تم سن رہی ہو کیا کہہ رہی ہوں میں؟'' انہوں نے اب کے کسی قدر خفگی کا مظاہرہ کیا۔

''سن لیا ہے، میں اپنی مرضی سے یہاں ہوں، جب جی چاہے گا روم میں چلی جاؤں گی، برائے کرم میری اتنی فکر کرنا چھوڑ دیں۔'' وہ کس قدر غصے میں آ کر بولی تو مسز آفریدی کو بھی غصہ آ گیا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے ژالے! ماں ہوں تمہاری، پتہ نہیں کیا ہوتا جا رہا ہے تمہیں ہر گزرتے دن کے ساتھ بے رحم کیوں ہو رہی ہو۔'' ژالے نے محض انہیں دیکھا تھا عاجزی سے بے بسی اور دکھ سے اور وہ جیسے ہارنے لگی تھیں اس کے آگے۔

''کیوں خفا ہو جان؟'' انہوں نے اس کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے خود سے قریب کیا، ژالے بے حس سی بنی کھڑی رہی۔

''واٹس یور پرابلم سویٹی؟''

''آپ اس روز مجھے جہانگیر شاہ کے ہاں کیوں لے کر گئی تھیں؟''

''بتایا تو تھا مجھے اس سے کچھ کام تھا۔'' انہوں نے معصومیت کا تاثر دیا۔

''میں ساتھ ہوں تو اپنے آفشیلی کاموں سے گریز کیا کریں پلیز۔''

''او کے جان! اور کچھ؟ ویسے کیا آپ کو اس بات پہ غصہ ہے کہ میں نے اس روز آپ کو تھوڑا سا اگنور کر کے جہانگیر کو توجہ دی تھی؟'' انہوں نے اسے گدگدا کر مسکراتے ہوئے پوچھا گویا اس کا موڈ بحال کرنا چاہا۔

''مجھے غصہ اس بات کا نہیں تھا مام! آپ کو کیا ضرورت تھی ان سے اس قدر پرسنل سوال پوچھنے کی، کیا سوچتے ہوں گے وہ۔'' اس نے روٹھے پن سے کہا تو مسز آفریدی مسکرا دی تھیں پھر اسے دیکھ کر معنی خیزی سے بولیں۔

''وہ کچھ نہیں سوچتا ہو گا بلکہ وہ عادی ہو گا، جوان حسین لڑکیوں کی ماؤں کے منہ سے اس قسم کے سوال سننے کا۔'' ژالے نے پہلے چونک کر پھر اضطراب بھرے انداز سے انہیں دیکھا تھا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ پلیز آپ خود کو اس لسٹ میں شامل مت کریں۔'' اس کا لہجہ ناگواریت اور تلخی لئے ہوئے تھا، مسز آفریدی نے بغور اسے دیکھا تھا۔

''کیوں میری بیٹی جوان اور حسین نہیں ہے کیا؟''

''مما پلیز! مجھ سے اس قسم کی باتیں مت کیا کریں۔'' وہ ضبط کھو کر چیخ پڑی۔

''اب بھی نہیں؟'' انہوں نے رسانیت آمیزی سے کہتے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو ژالے کی آنکھیں مارے تحیر و وحشت کے پھیل کر رہ گئیں۔

''اس بات سے کیا مطلب ہے آپ کا؟ اب کیا ہو گیا ہے، یا تبدیلی آئی ہے۔'' شدت ضبط کے باوجود اس کی آواز اس کے حلق سے گھٹ کر نکلی تھی اور نمناک تھی، مسز آفریدی نے دانستہ گریز برتا ایک لمحہ لگا تھا انہیں صورتحال سمجھنے میں، وہ جان سکی تھیں وہ کیوں گریزاں ہے۔

''ژالے جہانگیر ایسا لڑکا ہے کہ کوئی بھی لڑکی اس کے سنگت میں پورے تفاخر سے زندگی گزار سکتی ہے، بھرپور اور طمانیت آمیز۔''

''کوئی بھی لڑکی! مگر وہ ژالے نہیں ہو سکتی، میں نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ مجھے شادی نہیں کرنی ہے۔'' اس کا گلا بھرانے لگا تھا، اس نے کچھ توقف کیا تھا پھر انہیں دیکھے بغیر بولی تھی۔

''آپ آئندہ اس قسم کی بات نہیں سوچیں گی، کرنا تو بہت بڑی بات ہے۔'' اس کا لہجہ دوٹوک اور قطعی تھا، مسز آفریدی نے جواباً کچھ نہیں کہا، ژالے پلٹ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

(میں تمہاری بات ماننے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی ہوں میری جان! اس لئے نہیں کہ مجھے جہانگیر شاہ جیسا کوئی دوسرا لڑکا نہیں مل سکتا، اس لئے کہ مجھے جہانگیر کی طرح تمہاری آنکھوں میں کسی اور کے لئے محبت کا جذبہ نظر نہیں آئے گا، تم اپنی آرزو کو اپنی بے حسی کی بھینٹ چڑھانا چاہتی ہو جو مجھے گوارا نہیں، مجھے تمہارا بچہ چاہیے اس جائیداد کا وارث، تمہارا نعم البدل، تاکہ اگر تم مجھ سے بچھڑ جاؤ مجھ سے دور ہو جاؤ تو مجھے زندگی گزارنے کے لئے کوئی سہارا میسر ہو)۔

ان کی سوچ ان کی خود پسندی اور خود غرضی کی عکاس تھی، وہ بہت شد و مد سے آنے والے وقت کی پلاننگ کر رہی تھیں، آنے والا وقت جس کے بارے میں سوائے اللہ کے کسی کو آگاہ ہی نہیں آنے والا وقت جو انسانوں کے لئے کسی اندھیر تاریک غار کی طرح ہے جس کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتا۔

☆☆☆

یوسف نہ تھے مگر سر بازار آ گئے
خوش فہمیاں یہ تھیں کہ خریدار آ گئے
ہم کج ادا چراغ کہ جب بھی ہوا چلی
طاقوں کو چھوڑ کر سر دیوار آ گئے

وہ اوندھے منہ تکیوں میں سر دیئے لیٹا تھا بالکل ساکن، اسے لاہور آئے ہوئے آٹھ ماہ ہونے کو آئے تھے اور ان آٹھ مہینوں میں اس نے شاید آٹھ چکر بھی شاہ ہاؤس کے نہیں لگائے تھے، کتنا مشکل لگنے لگا تھا اسے وہاں سب کا سامنا، خاص طور پہ زینب کا، اس کی نظریں کسی کھوج میں مبتلا محسوس ہوا کرتیں پھر معاذ حسن تھا، اس تک یقیناً ابھی تک اس طرح کی کوئی خبر نہیں پہنچی تھی جبھی وہ ابھی تک اسی ایک بات کے لئے اس کے کان کھایا کرتا۔

''تیرا منگنی کا ارادہ نہیں ہے نا؟ سیدھی سیدھی شادی کرے گا؟''

اور وہ خاموشی میں عافیت سمجھا کرتا اگر پپا نے اسے نہیں بتایا تھا تو یقیناً پیش نظر کوئی مصلحت تھی، اس جیسا جذباتی انسان جس کی کھوپڑی بھی الٹی تھی کچھ بھی کر سکتا تھا، اس نے کروٹ بدلی اور سرد آہ بھری، درد نارسائی ایک بار پھر سلگنے لگا، یہ زخم بھرتا ہی نہ تھا، یہ خیال کہ وہ ٹھکرا دیا گیا ہے اسے پل پل سلگاتا، اس نے شدید اضطرابی کیفیت میں سگریٹ نکال کر سلگایا اور یکے بعد دیگرے کئی مسلسل کش لئے۔

پھر اس طرح ہوا کہ مجھے مقتل میں چھوڑ کر
سب چارہ ساز جانب دیوار آ گئے
اب دل میں حوصلہ نہ سکت ہے بازوؤں میں
اب کے مقابلے میں میرے یار آ گئے

سنگر کی پر درد آواز ماحول پہ چھائی یاسیت اور سوگواری کو کچھ اور بڑھانے لگی، اس کے سیل فون کی اسکرین اندھیرے میں بلنک کرنے لگی، اس نے سرسری نگاہ کی، انجان نمبر تھا اس نے دانستہ نظر انداز کیا، انجان نمبر سے اسے ہمیشہ نیلما کال کیا کرتی تھی اور وہ اس لڑکی سے ناک تک بے زار تھا، بلکہ اس وقت کو کوسا کرتا جب وہ حادثاتی طور پہ اس سے ٹکرا گئی تھی، کل پھر پپا کا فون آیا تھا۔

''بیٹے آپ خوامخواہ کیوں دیر کر رہے ہو، ہمیں بچی کا ایڈریس دو تا ہم بات آگے بڑھاتے ہیں، خوامخواہ کسی کو اتنی دیر تک لٹکانا مناسب نہیں ہے۔''

اور وہ بے بس سا یہ بات سنتا رہا تھا، وہ کس کا ایڈریس دیتا جب ایسی کوئی بات بھی نہیں تھی،

کل ہی زینب نے اسے فون پہ تیمور خان کی فیملی کی آمد کے متعلق بتایا تھا۔

''وہ لوگ اس ہفتے آ رہے ہیں جے! اب آپ کو یہ بات سنبھالنی ہے، سنیں انکار نہیں ہونا چاہیے۔'' اس نے در پردہ گویا اس کا وعدہ یاد دلایا تھا، جہان کے چہرے پہ عجیب سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی، دل کی جو بھی حالت تھی اس پہ اس نے توجہ دینا دانستہ ضروری نہیں سمجھی تھی، اس نے گہرا سانس بھرا اور سر جھٹک کر دھیان بٹانا چاہا تو مغنی کی آواز پہ دھیان گیا تھا۔

آواز دے کے چھپ گئی ہر بار زندگی
ہم ایسے سادہ دل تھے کہ ہر بار آ گئے
سورج کی دوستی پہ جنہیں ناز تھا فراز
وہ بھی تو زیر سایہ دیوار آ گئے

اس نے آگے بڑھ کر ٹیپ آف کیا اور پھر ادھ جلا سگریٹ ایش ٹرے میں اچھال دیا تھا۔

''مجھے اب خود کو اس افسردگی سے نکالنا ہے، میں اب مزید سب سے نہیں بھاگ سکتا۔''

''صاحب آپ کی چائے؟ ساتھ میں کچھ کھانے کو بھی لے آؤں؟'' خانساماں چھوٹی ٹرے میں چائے کی مگ لے کر آیا تھا، جہان نے مگ اٹھایا اور سر کے اشارے سے نفی میں جواب دیا تھا، ابھی پہلا سیپ لیا تھا کہ اس کے سیل پہ معاذ کی کال آنے لگی تھی، جہان نے مگ سائیڈ پہ رکھ کر اس کی کال ریسیو کی تھی۔

''کیسے ہو معاذ؟'' اس نے شعوری کوشش سے لہجے کو بشاش بنانا چاہا تھا۔

''اس بات کو چھوڑو، بتاؤ میں کیا اول فول سن رہا ہوں؟'' وہ بے حد کڑے لہجے میں بولا تھا جہان کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

''جے تم زینب سے شادی سے انکاری ہوئے؟''

''جس نے تمہیں یہ بات بتائی اس نے وجہ بھی بتائی ہوگی۔'' جہان نے دانستہ رکھائی کا مظاہرہ کیا تھا مگر معاذ چیخ پڑا تھا۔

''میں ایسی بکواس باتوں پہ یقین نہیں کرنے والا میں تم سے پوچھتا ہوں جے مجھے سچ بتاؤ۔''

''یہی سچ ہے۔''

''یہ محض ایک بکواس ہے جے مجھے اصل بات بتا دو ورنہ......؟''

''ورنہ کیا......؟'' جہان کا لہجہ و انداز بے حد پر سکون تھا مگر دوسرے فریق کو آگ لگا دینے والا۔

''ورنہ یہ کہ میں حقیقت معلوم کرنے کو خود پاکستان چلا آؤں گا، یہ بھی سن لو کہ زینب کی شادی تمہارے علاوہ اور کسی سے نہیں ہوگی انڈر اسٹینڈ۔''

(جاری ہے)

وفا کا ناطہ

تحسین اختر

زبان کانٹا سا بن گئی ہے
جو بات کہنی تھی ان کہی ہے
کسی کی خواہش بھی کیا عجب تھی
نصیب جاگا تو سو گئی ہے
وہ دل کی بستی وہ خواب نگری
اجڑ گئے ہم تو جب بسی ہے
طویل ظلمت بتاؤ کب تک؟
خفا ہے ستاروں کو روشنی ہے
دہکتے انگار سی ہیں آنکھیں
تو کیوں یہ لہجے میں برف سی ہے

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں، پلیز ایک بار مجھے ملنے کا موقع دے دو، پلیز ایک بار۔'' سیل فون اس کے کانوں سے لگا تھا اور دوسری طرف سے آنے والی آواز اس کی سانسوں کے تسلسل میں رکاوٹ بن رہی تھی۔

''کیوں؟'' آنسوؤں میں ڈھلا ہوا ایک لفظ جانے کیسے اس کے لبوں سے ادا ہوا تھا۔

''میں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں، تمہیں ایک بار دیکھنا چاہتا ہوں، تم سے ملنا چاہتا ہوں پلیز انکار مت کرنا، پلیز۔'' وہ لہجہ پہلے سے بھی زیادہ بے تاب بے چین اور درد میں ڈوب گیا تھا۔

''آجاؤ۔'' اس کے منہ سے بس اتنا ہی نکلا تھا اور دوسری طرف گویا نئی زندگی کی نوید مل گئی تھی۔

وہ گویا اڑتا ہوا آیا تھا اور آ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا، ایک طرف شرمندگی تھی اور دوسری طرف بے بسی، ایک طرف وقت کے کھونے کا ملال تھا اور دوسری طرف بس اذیت سی اذیت، ایک طرف پریشانی تھی اور دوسری طرف زندگی کے جانے کا ڈر، دو مختلف رویوں اور سمتوں کے افراد سالوں بعد ایک دوسرے کے مقابل آئے تھے، بولنے کی ہمت دونوں میں سے کسی کے پاس نہ تھی۔

''سمجھ میں نہیں آتا میں بات کہاں سے شروع کروں، بس اتنا کہوں گا مجھے معاف کر دو۔'' اس نے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیئے تھے۔

''میرے سامنے سے ان ہاتھوں کو ہٹا لو، معافی تلافی کا وقت اب گزر چکا، جو کچھ ہوا اس کے لئے معافی بہت چھوٹا لفظ ہے اور نہ ہی میں تمہیں معاف کروں گی۔'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی تھی، اس سے خود کو اس پر اتنا کچھ سہہ کر بھی مضبوط ظاہر کرنا مقصود تھا یا شاید اس شخص کا عکس نگاہوں میں اتارنا تھا بہر حال جو بھی تھا اس نے اپنی بات کہہ کر رخ موڑا تھا اور اندر چلی گئی تھی، وہ معافی مانگنے آیا تھا اور معافی اتنی آسانی سے کہاں مل جایا کرتی ہے۔

''مجھے تمہارے در پر بار بار آنا پڑا تو بھی میں آیا کروں گا۔'' اس کا اب وہاں کھڑے رہنا فضول تھا وہ دل میں نیا عہد باندھ کر وہاں سے لوٹ آیا تھا۔

☆☆☆

فروری کی ایک ٹھٹھرتی ہوئی رات تھی، ساری دنیا گرم لحافوں میں اور پرسکون گھروں میں خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی بس وہی تھی بے چین، بے تاب اور درد سے
جو اپنے گھر کے صحن میں اِدھر سے اُدھر چکرا
تھی، جانے اس کے پاؤں میں کون سا چکر
گیا تھا کہ اسے ایک پل بھی قرار نہیں آتا تھا،

صحن میں ٹہلتے ٹہلتے اس نے سامنے برآمدے کی دیوار پر لگے کلاک پر ایک نظر ڈالی تھی اور ساتھ ہی اس کے بے تابی سے اِدھر اُدھر چلتے قدم ٹھہر گئے تھے، اس نے اپنی گرم شال کو اچھی طرح لپیٹا تھا

اور بیرونی دروازے کا پٹ کھول کر باہر گلی میں آ گئی تھی، وہ گلی جو دن میں خاصی بارونق اور گہما گہمی سے بھرپور لگتی ہے اس وقت سناٹے اور تنہائی کا لبادہ اوڑھے فروری کی اس سرد رات کے بیت جانے کا انتظار کر رہی تھی، وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی گلی پار کر کے کھلے میدان میں آ گئی تھی، اس کھلے میدان کے آگے ریلوے اسٹیشن کی عمارت شروع ہو جاتی تھی، اسے اسٹیشن پر ہی جانا تھا، گلی سے نکلتے ہی ٹھنڈی اور سرد ہوا نے اسے کپکپانے پر مجبور کر دیا تھا، مگر وہ ڈھیٹ بن کر چلتی رہی تھی اور جلد ہی اسٹیشن پر آ گئی تھی، اسٹیشن پر ہو کا عالم طاری تھا، مسافر اس وقت کوئی نہیں تھا اور اسٹیشن پر کام کرنے والا عملہ بھی کہیں نظر نہیں آ رہا تھا، یقیناً وہ اسٹیشن کی عمارت کے اندر ہوں گے، سخت سردی میں باہر بیٹھ کر انہوں نے مرنا تھوڑی تھا، وہ چادر سے منہ لپیٹ کر ایک سنگی بینچ پر بیٹھ گئی تھی، کچھ دیر بعد اسے احساس ہوا تھا کہ اس وقت وہ وہاں تنہا نہیں بیٹھی ہوئی بلکہ کوئی اور ذی روح بھی اس کے پاس موجود ہے، اس نے اپنے اِدھر اُدھر نظریں گھما کر دیکھا تو اسے اپنے شک کی تصدیق ہو گئی، ایک معذور اور بوڑھا فقیر اس سے کچھ فاصلے پر خالی بوریوں کے ڈھیر پر بیٹھا میلا کچیلا سا کمبل اوڑھے بیٹھا تھا، خالی بوریوں کا بستر اس نے ایک لوہے کی ریڑھی پر بچھا رکھا تھا اور وہ سارا دن اسی ریڑھی پر بیٹھ کر یہاں بھیک مانگا کرتا تھا، یہ اسٹیشن ہی اس کا گھر بار اور سب کچھ تھا، وہ بوڑھا فقیر اس کی طرف متوجہ تھا یا نہیں، ناکافی روشنی میں اسے اچھی طرح پتہ نہیں چل سکا تھا، جب وہ گھر سے نکلی تھی تب تین بجنے والے تھے اور اب اندازے سے اس نے حساب لگایا تھا کہ چار تو بجنے والے ہوں گے وہ اٹھ کر پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگی تھی، اب وہ منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر اپنے اوپر پھونک رہی تھی اتنے میں دور سے ایک سرخ روشنی کا نشان نظر آیا جو تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا اور واضح ہوتا جا رہا تھا، گویا ٹرین آ رہی تھی، اس نے منہ پھیر کر اِدھر اُدھر دیکھا تھا آج اس وقت جانے والا کوئی مسافر نہیں تھا ویسے بھی یہ ایک چھوٹا سا اسٹیشن تھا، اس لئے ضروری نہیں ہوتا تھا کہ ہر وقت ہی اس پر مسافروں کا ہجوم رہے، ٹرین کی دھمک سے پلیٹ فارم لرزنے لگا تھا، اس کے پڑھنے میں بھی تیزی آ گئی تھی، بس اب منٹوں نہیں سیکنڈوں کی بات تھی اور پھر اس نے ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر تیزی سے آتی ہوئی ٹرین کے سامنے چھلانگ لگا دی تھی، پل بھر میں ایک وجود ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا، زندگی آن واحد میں موت میں بدل گئی تھی، ٹرین کافی آگے جا کر رک گئی تھی، بوڑھا اور معذور فقیر جس نے اپنی آنکھوں سے سب دیکھا تھا پھٹی پھٹی نظروں سے ابھی تک ٹرین کے پیچھے رہ جانے والے شور کو سن رہا تھا، وہ سمجھ رہا تھا یہ لڑکی کوئی مسافر ہے مگر وہ نہیں جان سکا تھا کہ وہ تو اپنی زندگی کو موت کے حوالے کرنے یہاں آئی ہے، سیڑھیوں پر تازہ سرخ خون بکھرا ہوا تھا اور وہ چیخ چیخ کر اندر بیٹھے لوگوں کو متوجہ کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

تم نے سن لیا ہو گا
چاہتوں کے موسم میں
زخم جو بھی لگ جائے
عمر بھر نہیں سلتا
تم نے سن لیا ہو گا
شہر کی ہواؤں سے
وہ جو ایک دیوانہ
آتے جاتے راہی کو
راستوں میں ملتا تھا
اب کہیں نہیں ملتا

وہ مر گئی تھی، موت بھی ایسی اذیت ناک کہ اس کا وجود اس کے اپنوں کو بس ٹکڑوں کی صورت میں ہی آخری دیدار کے لئے مل سکا تھا، رونا اس کی موت پر تو تھا مگر جس قسم کی موت اس نے اپنے لئے پسند کی تھی وہ اک عالم کا کلیجہ چیر رہی تھی، چیتھڑوں میں بٹے ہوئے اس کے وجود کو منوں مٹی تلے دفنا دیا گیا تھا مگر ابھی تک آنسو تھمنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے، وہ جو اس سے معافی مانگنا چاہتا تھا، بار بار اس کے در پر آنا چاہتا تھا، وہ تو اک سکتے کی کیفیت میں بیٹھا تھا، وہ جو سب سے زیادہ اس کا اپنا تھا اور وہ جس نے دنیا میں سب سے زیادہ اس کو دکھ پہنچائے تھے اور جس کے لئے ہی اس نے ایسی دردناک موت کا انتخاب کیا تھا وہ اب اپنے کیے پر شرمندہ تھا، وہ رو رہا تھا، اکیلا ہی بیٹھا بین کر رہا تھا، مگر اب وہ اس کو سننے کی حدود سے بہت دور جا چکی تھی۔

☆☆☆

عفاف آغا ایک نازک سی لڑکی تھی، بی اے کے بعد اس نے تعلیم کو خیر باد کہہ کر بس گھر میں رہنے کو ترجیح دی تھی، اس کے خاندان میں سب لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اس لئے سب نے اس کو بہت زور دیا تھا کہ وہ اپنا تعلیمی سلسلہ ابھی منقطع نہ کرے اور مزید پڑھے مگر ہر دلائل کے آگے بس عفاف کا ایک ہی جواب ہوتا تھا کہ میں نے جتنا پڑھنا تھا پڑھ چکی، بس اب گھر میں رہ کر گھر داری سیکھوں گی، اس کی ضد کے آگے کسی کی نہ چلی تھی اور اب وہ تھی اور گھر کا پرسکون ماحول، وہ صبح کی پہلی کرن کے ساتھ ہی بستر سے اٹھ جاتی تھی، نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر کچھ دیر اپنے گھر کے سرسبز لان میں واک کرتی اور پھر ناشتے کی تیاری کے لئے کچن میں آ جاتی، جب سب ناشتہ کر کے اپنے اپنے کام دھندوں میں لگ جاتے تب وہ ملازمہ کے ساتھ مل کر سارے گھر کی تفصیلی صفائی کرواتی بس پھر اس کے بعد وہ ہوتی اور اس کے اپنے مشاغل، کبھی وہ اچھی سی مووی دیکھ رہی ہوتی کبھی پودوں کی دیکھ بھال کرتی اور کبھی ناول پڑھتی، وہ شروع سے ہی ایسی تھی گھر کا پرسکون ماحول ہمیشہ اسے اپنی طبیعت کے ہم آہنگ لگا کرتا تھا، اس کی بہنیں اس کا مذاق اڑاتیں کہ وہ اکیسویں صدی میں بھی کیسی زندگی جی رہی ہے مگر اسے ان کی باتوں اور ہنسی مذاق کی کوئی پرواہ نہیں تھی، وہ جب ان کے معاملات اور لائف اسٹائل میں نہیں بولا کرتی تھی تو اپنے لئے بھی یہ پسند نہیں کرتی تھی کہ وہ اس کی ذاتی زندگی کی راہیں متعین کرتی پھریں، اس کی اس زندگی سے گھر کا ایک فرد بہت خوش تھا اور وہ تھی دادی اماں، عفاف کے گھر میں رہنے سے انہیں اپنے لئے ایک ساتھی مل گیا تھا، عفاف نہ صرف دادی اماں کے چھوٹے چھوٹے کام اپنے ہاتھوں سے کرتی بلکہ کتنی دیر تک ان کے پاس بیٹھ کر گپ شپ بھی لگاتی، عفاف جب کالج جاتی تھی اور گھر میں بس ماما جان ہوتی تھیں اور یا دادی اماں، تب انہیں سب سے یہی گلہ رہتا تھا کہ کوئی دو گھڑی ان کے پاس ٹک کر نہیں بیٹھتا، سب کی اپنی مصروفیت تھی اور دادی اماں کی اپنی فراغت، مگر عفاف نے ان کا یہ گلہ دور کر دیا تھا۔

''تم میں مجھے لگتا ہے دادی اماں کی روح حلول کر گئی ہے۔'' رباب اس کا مذاق اڑاتی تھی۔

''تو کیا ہوا۔'' وہ بے نیازی سے جواب دیتی تھی۔

دن تو معمول کے تھے وہی شب و روز، وہی

روٹین اور وہی عفاف آغا کی معصومیت، مگر سدید جلال نے آغا ہاؤس بس میں قدم رکھتے ہی ہلچل مچا دی تھی، وہ ماما جان کی ایک کزن کا بیٹا تھا اور نہایت ہی چلبلی فطرت کا مالک تھا، اس نے آتے ہی عفاف کی ناک میں دم کر دیا تھا، وہ ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا اور اس بار اس کی کمپنی نے اس کے ٹرانسفر آرڈر اس شہر میں کر دیئے تھے چونکہ وہ پہلے بھی آغا ہاؤس آتا جاتا رہتا تھا اس لئے آغا ہاؤس کے سب مکین اس کے دوست تھے اور وہ ان کا دوست تھا حتیٰ کہ دادی اماں بھی اس کی شرارتوں اور چٹکلوں سے محفوظ نہیں تھیں، عفاف کی میزبانی تھی اور سدید کی گز بھر لمبی چلتی زبان، دادی اماں کو تو پچھلے سارے گلے بھول گئے تھے، وہ اس خوشگوار کمپنی میں سارے دکھ بھول گئی تھیں۔

☆☆☆

"عفی کیا ہو رہا ہے؟" وہ آملیٹ بنا رہی تھی جب وہ آفس کے لئے تیار ہو کر خوشبوؤں میں بسا کچن کے دروازے پر آ کھڑا ہوا تھا۔

"کتنی بار کہا ہے مجھے عفاف کہا کرو، میرا اتنا پیارا نام ہے تم بیڑا غرق کر دیتے ہو، مجھے یہ عفی وفی پسند نہیں ہے۔" وہ آملیٹ پلیٹ میں نکال کر برا سا منہ بنا کر بولی تھی۔

"صبح صبح ایسا منہ بنا کر تو رخصت نہ کرو، سارا دن باس کی جھاڑیں کھاتے گزر جاتا ہے۔" اس نے اپنی مدد آپ کے تحت آملیٹ اور توس کی پلیٹ اٹھائی تھی اور ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگا تھا۔

"صبر نہیں ہوتا کیا، میں ناشتہ لا تو رہی ہوں۔" وہ مہمان تھا اور عفاف کو اس کا کام کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو میں ایسے تکلفات میں نہیں پڑتا۔" عفاف جب تک چائے دم کر کے لائی تب تک وہ اپنا ناشتہ ختم کرنے کے قریب تھا۔

"بہت اچھی طرح جانتی ہوں، آغا ہاؤس والوں سے زیادہ تمہیں کون جان سکتا ہے، اس معاملے میں تم فکر نہ کرو۔"

"اوہ...... اچھا...... آغا ہاؤس والے میرے بارے میں اور کیا کیا جانتے ہیں۔" وہ چائے کا کپ لے کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اب عفاف کی سماعتوں کے قریب بولا تھا، اس کی نظروں میں جانے ایسا کیا تھا اور لہجہ جانے کہاں کی خبر دیتا تھا کہ عفاف زیادہ دیر اس کے پاس ٹھہر نہ سکی تھی۔

"بدتمیز۔" عفاف لمبا سا سانس خارج کرتے ہوئے کچن میں آ گئی تھی، اب وہ چائے کا کپ لے کر مسکراتا ہوا دادی اماں کے تخت پر بیٹھا باتیں بنا رہا تھا، عفاف کو اس کی آواز کچن تک آ رہی تھی۔

"بڑا اچھا بچہ ہے۔" کافی دیر بعد جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ آفس جا چکا ہے تب وہ کچن سے نکلی تھی اور دادی اماں سے ناشتے کو پوچھنے آئی تھی، مگر دادی اماں تو اب تک اس کی باتوں کے اثر میں تھی، مسکراتے ہوئے اس کی تعریف کرنے لگی تھیں۔

"دادی جان دلیہ کھائیں گی یا دودھ کے ساتھ کچھ اور۔" وہ اس کی تعریف کو نظر انداز کر کے دادی سے پوچھنے لگی تھی۔

"دلیہ ہی لے آؤ، مگر میٹھا نہ ڈالنا نمکین بنانا۔" وہ بولی تھیں۔

"پھر آپ کا بلڈ پریشر ہائی ہو جائے گا۔" وہ دادی اماں کے ذائقوں سے بخوبی واقف تھی جانتی تھی بے شک انہیں جو بیماریاں تھیں وہ اس ر میں اپنی جگہ پر تھیں مگر وہ پرہیز کے ساتھ اپنے ، پر سمجھوتہ نہیں کرتی تھیں۔

"نہیں ہوتا، تم ہلکا سا نمک ڈال لینا۔"

"او کے۔" وہ دلیہ بنانے چل پڑی تھی۔

☆☆☆

آج کام والی نہیں آئی تھی، دو دن سے اس بچہ بیمار تھا، عفاف کافی دیر تک تو اس کا انتظار رتی رہی تھی مگر جب اس کے آنے کے مقررہ ت سے بھی گھڑیاں کی سوئیاں کافی آگے کھسک ئیں اس نے خود ہی جھاڑ پونچھ شروع کر دی ی، اندر رہائشی حصے کی صفائی سے فارغ ہو کر وہ ا کا پائپ لئے باہر پورچ دھوتے آ گئی تھی، وہ اپ شڑاپ پانی میں جھاڑو لگانے میں اتنی بھی کہ اسے کھلے گیٹ سے اندر آتی شخصیت پتہ نہ چلا، پتہ تو اس وقت چلا جب کوئی اس ، سر پر آ کر چلایا تھا۔

"کیا بدتمیزی ہے یہ، دو منٹ کے لئے پ سے صبر نہیں ہو سکتا، سارا گندا پانی میرے ڈال دیا ہے۔" اتنی گرجتی برستی آواز پر اس ہاتھوں کو ایک دم بریک لگے تھے اور وہ رد کی طرف حیرت سے دیکھنے لگی تھی۔

"محترمہ گھر کے کسی فرد کو بلایئے، ایک تو کام کرنے والیوں کو بھی تمیز نہیں ہی لے کے ے سوٹ کا ناس مار دیا ہے۔" وہ اسے حکم ے کر خود پر پڑا پانی ایک بار پھر جھاڑنے اور ہ ساتھ بڑبڑانے بھی لگا تھا۔

"اور محترم آپ ہیں کون جو منہ اٹھائے کسی گھر میں گھس آئے ہیں، دوسروں کو تمیز سکھا نا رہے ہیں اور اپنا پتہ نہیں ہے کہ گھر کا دروازہ دیکھ کر بے دھڑک اندر داخل نہیں ہونا چاہتے باہر جو اطلاعی گھنٹی نصب ہے اسے بجانا ہے۔" وہ جواب تک حیرت میں مبتلا کھڑی تھی خود کو کام والی کا خطاب ملتے دیکھ کر اس کا میٹر بھی گھوم گیا تھا۔

"اطلاعی گھنٹی ہی بجائی گئی تھی جب کوئی فرد گیٹ پر پوچھنے نہیں آیا تو آپ کو دیکھ کر اندر آنا پڑا تھا۔" وہ انگارے چباتا ہوا بولا تھا۔

"اچھا اچھا زیادہ وقت نہ برباد کرو یہ بتاؤ کیا کام ہے اور کس سے ملنا ہے۔" وہ اب نہایت بدتمیزی سے بولی تھی۔

"اندر تمہارے صاحب ہیں تو انہیں بتاؤ بدر قاضی آیا ہے۔"

"یہاں کوئی صاحب واحب نہیں رہتے۔"

"میں سدید جلال کا پوچھ رہا ہوں، سدید جلال صاحب۔" وہ تقریباً چیخنے والے انداز میں بولا تھا۔

"سدید جلال اور صاحب۔" عفاف کو تو ایسا شاک لگا تھا کہ وہ گرنے والی ہو گئی تھی۔

"نہیں ہے وہ گھر میں۔" وہ اسے ٹکا سا جواب دے کر اندر کی طرف آ گئی تھی، اب اس طرح کام والی کا خطاب دے گیا تھا خود کو سلگانے کے لئے اتنا ہی کافی تھا۔

"علیمہ کل کوئی بدر قاضی نام کا بندہ مجھ سے ملنے آیا تھا۔" علیمہ لاؤنج میں صفائی کر رہی تھی جب سدید اس سے پوچھنے لگا تھا۔

"پتہ نہیں جی، کل تو میں چھٹی پر تھی۔"

"کیا تم چھٹی پر تھی، مگر وہ تو کہہ رہا تھا اپنی کام والی سے پوچھ لینا میں آیا تھا کہ نہیں۔" وہ زیر لب بڑبڑایا تھا اور پاس ہی بیٹھی عفاف کا دل ایک بار پھر جل کر راکھ ہو گیا تھا، کل والا ناخوشگوار واقعہ اس کی نظروں کے سامنے گھومنے لگا تھا۔

"ہاں آیا تھا۔" وہ جانے کن خیالوں میں تھی بلند آواز میں بولی تھی۔

"کیا...... کیا تم۔" اور یل کے ہزاروں

حصے میں ہی سدید کو ساری بات سمجھ آ گئی تھی کہ جسے بدر قاضی ملازمہ سمجھا تھا وہ یقیناً عفاف آغا ہی تھی اور جب بات سمجھ میں آئی تب وہ ہنستے ہنستے لوٹ پھوٹ ہو گیا تھا۔

''کیا مسئلہ ہے ایسے کیوں ہنس رہے ہو۔''
عفاف کھسیانی سی ہو کر بولی تھی سدید کی شرارتی نظروں اور بلند بانگ قہقہوں سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے نہیں بتانا چاہیے تھا کہ کل بدر قاضی اسے ملا تھا، مگر اب بات منہ سے نکل چکی تھی اب سدید کو اس کا ریکارڈ لگانے کا اچھا خاصا موقع مل گیا تھا۔

☆☆☆

وہ لڑکی ملازمہ تھی مگر لگتی نہیں تھی، ایسا حسن جو دیکھنے والے کو ایک نظر میں ہی شیدائی کر دے اور ایسا رعب جو بولنے والے کی زبان گنگ کر دے وہ تھی ملازمہ مگر لگتی کیوں نہیں تھی، بدر قاضی جب سے سدید جلال کے گھر سے ہو کر آیا تھا وہ اسی لڑکی کے خیالوں میں کھویا ہوا تھا جس سے اس کی ملاقات بے شک خوشگوار نہیں تھی مگر ایسا اثر چھوڑ گئی تھی جس سے اب وہ کبھی نکلنے والا نہیں تھا۔

''میں سدید جلال سے پوچھوں گا، مگر شاید وہ برا مان جائے، لیکن میں بہانے سے اس سے پوچھوں گا۔'' وہ خود سے ہی سوال جواب کرتے ہوئے مطمئن ہو گیا تھا اور سدید جلال سے اگلی ملاقات میں اس نے اس بات کا ذکر چھیڑ دیا تھا۔

''یار تم نے تو اس دن لطیفہ ہی تخلیق کیا تھا۔'' سدید ہنستے ہوئے بولا تھا۔

''کس دن۔'' وہ لاعلمی سے بولا تھا۔

''وہ جس دن تم گھر میں میرا پوچھنے آئے تھے یار اس دن وہ کام والی نہیں میری کزن عفاف آغا تھی اور وہ بے چاری بڑا گرم ہو رہی تھی کہ تم نے اسے کام والی سمجھا۔'' سدید جلال خود ہی روانی سے سب بتا گیا تھا جو وہ پوچھنا چاہ رہا تھا۔

''عفاف آغا!'' نام کیا تھا اس کے منہ سے شہد سا گھل گیا تھا اور وہ اپنے اندازے پر بہت مسرور تھا کہ وہ کام والی نہیں لگتی تھی اور وہ کام والی تھی بھی نہیں۔

سنو پیارے!
محبت کرنے والوں کی نگاہیں بھی
ہوا میں ڈولتی خوشبو کی صورت منظروں میں
اپنے ہونے کی نشانی چھوڑتی ہیں
چاندنی راتوں میں جیسے
چاند کی کرنیں
سمندر کے بدن میں نغمگی آباد ہیں
محبت کرنے والوں کے تعلق اور ان کی دوریاں
سب سے
انوکھی ہیں
کہ جیسے بے خبر سورج کے حلقے میں
اگرچہ ان گنت تارے کئی سیارگاں ہیں
اور پھر حلقہ بہ حلقہ ان کے اپنے چاند ہیں لیکن
کبھی ایک رشتہ بے نام کی ڈوری میں ایسے منسلک
ہیں
جس طرح عشاق کی آنکھیں
سنا ہے عورتیں تو
چاہنے والوں کی خوشبو
بے کراں انبوہ میں پہچان لیتی ہیں
محبت کی نظر ملنے سے پہلے جان لیتی ہیں
مگر پیارے......!

محبت تو ایسے ہوئی تھی جیسے سوتے میں کوئی سپنا دیکھا ہو اور اچانک آنکھ کھل جائے، عفاف آغا سے ہونے والی پہلی ملاقات بھی اک سپنا معلوم ہوتی تھی اور اب دوسری ملاقات کے لئے

وہ منتظر تھا کہ سدید جلال کسی بہانے اسے آغا ہاؤس بلا لے اور کسی بہانے ہی سہی، اس دشمن جاں سے ملاقات ہو جائے مگر وہ ایسے بہانے کا منتظر تھا اور ایسا بہانہ ملتا نہ تھا اور سدید جلال سے دوستی بھی نئی نئی تھی ابھی، جو اس نہج پر نہیں پہنچی تھی جہاں وہ سارے تکلفات بھلا کر آغا ہاؤس پہنچ جائے۔

سدید جلال سے کئی دن سے ملاقات نہ ہو سکی تھی، اس نے آفس میں بیٹھے بیٹھے سدید کو فون کر دیا تھا۔

''کہاں ہو؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''تمہیں کیا کوئی جئے یا مرے، کئی دن سے بخار میں مبتلا ہوں۔'' سدید کی نقاہت بھری آواز ہوا کے دوش پہ لہرائی تھی۔

''اوہ سوری یار! میں تو واقعی بے خبر ہوں، اگین سوری یار، میں ابھی آ رہا ہوں تمہاری طرف۔'' اس نے عجلت میں فون بند کیا تھا اور اپنے باس کو ضروری کام کا کہہ کر اب آغا ہاؤس کی طرف بائیک پر اڑا جا رہا تھا۔

سدید جلال نے غالباً اس کے آنے کا گھر میں پہلے سے ذکر کر دیا تھا اس لئے اسے بغیر کسی دقت کے اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا۔

''سوری یار! مجھے تمہاری بیماری کا پتہ نہیں چل سکا میں سمجھا کہیں مصروف ہو گے مگر مجھے کیا خبر تھی تم یوں بستر سنبھالے پڑے ہو گے۔'' اس نے پھولوں کا بوکے اور فروٹ کا شاپر اس کے سرہانے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔'' سدید نے پھلوں کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔

''یہ تکلف نہیں ہے۔'' وہ کرسی لے کر اس کے بیڈ کے پاس بیٹھ گیا تھا، سدید نے موبائل پر کوئی نمبر ملایا تھا اور عفاف چائے بھیج دو کہا تھا، بدر کا تو رواں رواں اس نام سے سرشار سا ہو گیا تھا کچھ دیر بعد چائے آ گئی تھی مگر ایک کم عمر سی بچی کے ہاتھ، وہ مایوس سا ہوا تھا۔

''بہت بہت شکریہ تمہارے آنے کا۔''
جب وہ ایک پر تکلف چائے پی کر اور کافی دیر سدید کے پاس بیٹھ کر جانے کے لئے اٹھا تو سدید نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا تھا۔

''یار شکریہ کس بات کا، دوستی میں نہ تو شکریے کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ ہی سوری کی، یہ فقرہ شاید تم نے نہیں سنا۔'' وہ خوشدلی سے بولا تھا۔

''ہاں مگر اب سن لیا ہے۔'' سدید جلال نے بھی اسی خوشدلی سے جواب دیا تھا۔

''اور اب یاد بھی رکھنا، چلتا ہوں، خدا حافظ۔'' وہ گرم جوشی سے اس کا ہاتھ دبا کر باہر نکل آیا تھا۔

''ماما جان سن لیا ہے ہم جلدی آ جائیں گے آپ فکر نہ کریں۔'' رباب، عفاف کو ساتھ لے کر شاپنگ کے لئے جا رہی تھی اور پیچھے سے ماما کی ہدایتیں بیرونی گیٹ تک جاری تھیں، بدر جو ابھی گیٹ سے باہر نکلا ہی تھا اس نے اپنے قدموں کی رفتار بھی آہستہ کر دی تھی، شاید ان میں وہ بھی ہو اور دید کی اک خواہش نے اسے پر جوش سا کر رکھا تھا، لڑکیاں گیٹ سے باہر کھڑی گاڑی میں بیٹھ رہی تھیں جب بدر نے بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے گہرے سبز رنگ کے ملبوس میں عفاف آغا کی ایک جھلک دیکھ ہی لی تھی اور دیکھ تو عفاف نے بھی اس کو لیا تھا، اسے سدید جلال کا وہ بدتمیز دوست کیسے بھول سکتا تھا جس نے اسے کام والی کا درجہ دے دیا تھا۔

''یار یہ ہینڈسم کون ہے؟'' رباب کی نظر غالباً اب اس پر پڑی تھی۔

"کون؟"

"یہی گرے شرٹ میں جو بائیک پر بیٹھا ہے۔" رباب نے ایکسرے کرتی نظروں سے اس کو کھوجا تھا۔

"یہ سدید کا دوست ہے۔"

"وہی تو نہیں جس نے تمہیں کام والی بنا دیا تھا۔" سدید نے جس طرح وہ والا قصہ سب کو نمک مرچ لگا کر سنایا تھا وہ سب کی یادداشت میں ابھی تک محفوظ تھا، رباب نے تو اسے چھیڑا تھا مگر جب عفاف نے اثبات میں سر ہلایا تو رباب کو اچھا خاصا جھٹکا لگا تھا۔

"یار! تم اس کی اتنی برائیاں کررہی تھیں اور یہ ڈیشنگ سا بندہ تو لاکھوں میں ایک ہے۔" رباب اس کی پرسنالٹی سے خاصی متاثر ہوئی تھی۔

"اور اس بندے کی آبزرویشن بھی لاکھوں میں ایک ہے۔" وہ طنز سے بولی تھی۔

"وہ تو ہے۔" رباب نے اسے چھیڑا تھا اور اس کی نظریں ابھی بھی اپنی گاڑی کے آگے جاتی بائیک پر اٹکی تھیں۔

☆☆☆

رات کے گیارہ بجنے والے تھے وہ عشاء کی نماز پڑھ کر سونے کی تیاریوں میں تھی جب تکیے پر رکھا اس کا موبائل بجنے لگا تھا، آج ویک اینڈ تھا اس حساب سے باقی سب لوگ ابھی جاگ رہے تھے رباب اور نایاب وغیرہ ٹی وی لاؤنج میں کوئی مووی دیکھنے میں مصروف تھیں، آج رباب نے جس طرح شاپنگ کے سلسلے میں بازار میں خوار کیا تھا وہ بری تھک گئی تھی اس لئے جلد ہی کمرے میں آگئی تھی تاکہ نماز پڑھ کر سو سکے، اس نے موبائل اٹھا کر دیکھا نمبر اجنبی تھا اس نے موبائل دوبارہ تکیے پر ڈال دیا تھا، مگر کال کرنے والا بھی کوئی ڈھیٹ ہی تھا، جب متواتر موبائل بجتا رہا تب اسے کال ریسیو کرنا پڑی تھی۔

"السلام علیکم!" کال ریسیو کرتے بھاری اور گمبھیر لہجہ اس کی سماعتوں سے ٹکرایا تھا۔

"وعلیکم السلام!" وہ ابھی تک کال والے کو پہچان نہیں سکی تھی اس لئے تذبذب کا شکار تھی۔

"میں بدر قاضی بول رہا ہوں، عفاف مجھے آپ سے بات کرنی ہے، آپ عفاف آغا ہیں نا۔" مدعا پہلے بیان ہوا تھا اور تصدیق میں۔

"آپ جو بھی بول رہے ہیں میں آپ کوئی بات نہیں کرنا چاہتی اور دوسرا میں یہ بھی جانتی کہ آپ نے میرا نمبر کیوں کب اور کس کے لئے لیا ہے، بس اتنا کہوں گی کہ آج تو نمبر پر کال کرنے کی جرأت کرلی ہے آئندہ کیجئے گا۔" اس نے واضح اور دوٹوک انداز میں تھا۔

"عفاف پلیز میری بات تو سنیں میں ایسا ویسا شخص نہیں ہوں، سدید جلال میرا دوست ہے اور وہ مجھے اچھی طرح جانتا ہے، میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں اور تم سے......"

"شٹ اپ۔" اس کی بات ابھی ادھوری ہی تھی جب عفاف غصے سے کہہ کر کال منقطع کر دی تھی، موبائل اس نے بیڈ پر پھینکا تھا اور دل کی دھڑکنوں کو نارمل کررہی تھی جن میں اجنبی شخص کی ایسی بات نے ہلچل سی مچا دی تھی۔

"ہونہہ لوگ کیسے چپک ہی جاتے ہیں۔" اس نے پانی پی کر بیڈ پر لیٹ کر چادر سر پاؤں تک اوڑھ لی تھی اور سونے کی کوشش کر لگی تھی، تھوڑی دیر بعد ہی وہ نیند کی وادی میں چکی تھی یہ اور بات کہ ساری رات خوابوں میں قاضی کی آواز ہی مختلف طریقوں سے سماعتوں

میں گونجتی رہی تھی، پھر یوں ہوا تھا کہ وہ شخص تو جیسے موبائل سے چپک کر رہ گیا تھا، اس کے لاتعداد ایس ایم ایس مسڈ کالز اور کالز نے عفاف کو بری طرح ڈسٹرب کر کے رکھ دیا تھا، ایک دوبار تو اس نے جی میں آئی کہ وہ سدید سے اس بندے کی شکایت لگا دے مگر جانے ایسا کیا تھا کہ وہ چاہتے ہوئے سدید سے اس کی شکایت نہ کر سکی تھی۔

"کوئی آپ کو اتنا چاہتا ہو، آپ سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ جان سے بھی گزر جانا چاہتا ہوں، آپ چاہیں نہ چاہیں وہ کسی نہ کسی طریقے سے آپ کے دل میں جگہ بنا ہی لیتا ہے۔" اور ایک دن ایسا آیا تھا جب بدر قاضی بھی عفاف کے دل میں جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا، سیدھی سادھی عفاف آغا محبت میں پاگل ہو چکی تھی۔

☆☆☆

تم اداس ہو
رات کو چاند تاروں سے باتیں مت کیا کرو
پھولوں کو دیکھ کر مت چونکا کرو
کوئی طبیعت کا پوچھے تو موسم کے بارے میں
مت بتایا کرو
کاغذ پر آڑھی ترچھی لکیریں مت کھینچا کرو
ورنہ
ورنہ لوگ کہیں گے تم اداس ہو

عفاف آغا بدل رہی تھی، جس میں تو سب سے پہلے اس کے شب و روز کی روٹین بدلی تھی وہ سحر خیز تھی اور رات کو جلد سو جانے کی عادی، اب رات بھر چادر میں منہ دیئے بدر قاضی کے ساتھ موبائل پر چیٹنگ ہوتی تھی اور دن چڑھنے پر بھی اس کی آنکھ مشکل سے ہی کھلتی تھی، فجر کی نماز تو اکثر چھوٹنے لگی تھی، پھر سارا دن بھی گھر بھر میں وہ بولائی بولائی پھرتی، نہ کسی کام میں دل لگتا نہ کسی کی بات اچھی لگتی، بس بدر قاضی کی باتوں اور یادوں میں ہی کھوئے رہنا اچھا لگتا تھا، اس کی بدلتی حالت کو سب سے پہلے دادی اماں نے نوٹس کیا تھا اور انہوں نے شور مچا دیا تھا کہ عفاف کو کیا ہو گیا ہے، ان کی اتنی اچھی پوتی جو ان کا اتنا خیال رکھتی تھی اسے اب اپنا ہی ہوش نہیں تھا وہ دہائی نہ دیتی تو اور کیا کرتیں۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا، بس گھر میں رہتے رہتے دل بھر گیا ہے، میں کالج میں دوبارہ ایڈمیشن لینا چاہتی ہوں، سب اتنا پڑھ رہے ہیں اور میں کتنی پاگل تھی جو اپنی پڑھائی ادھوری چھوڑ دی۔"

رات ہی بدر قاضی نے اسے یہ مشورہ دیا تھا کیونکہ وہ اس سے ملنا چاہتا تھا اور وہ اکیلی گھر سے باہر نہیں جا سکتی تھی، ملاقاتوں کے اس سلسلے کے لئے ضروری تھا کہ وہ دوبارہ سے کالج جوائن کر لیتی اور اس بات کا ذکر اس نے صبح ہی گھر میں کر دیا تھا، کچھ نے تو حیران ہو کر اس کے اس فیصلے کو دیکھا تھا اور کچھ نے خوشی محسوس کی تھی کہ اسے دوبارہ سے اپنا تعلیمی سلسلہ بحال کرنے کا خیال تو آیا۔

"اب پڑھ لکھ کر تم نے کیا کرنا ہے۔" سب اپنے اپنے کام دھندوں پر جا چکے تھے، سدید کا آفس چونکہ لیٹ لگتا تھا اس لئے سب سے آخر میں وہی جاتا تھا وہ چائے دم کرتی عفاف کے سر پر کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"کیا مطلب کیا کرنا ہے، ساری دنیا کس لئے پڑھتی ہے، میں کون سا کوئی نیا اور انوکھا کام کرنے جا رہی ہوں، تم نے ایم بی اے کیا ہے، تم نے اتنا سارا کس لئے پڑھا ہے۔" اس نے سدید کو کرارا سا جواب دیا تھا۔

"مجھے تو جاب کرنی تھی روپیہ پیسہ کمانا تھا"

اپنی فیملی کو اسپورٹ کرنا تھا، جبکہ تمہیں تو بس گھر ہی سنبھالنا ہے۔''

''مجھے بس گھر نہیں سنبھالنا، مجھے بھی زندگی میں بہت کچھ کرنا ہے۔''

''مگر میں چاہتا ہوں تم زندگی میں جو کچھ بھی کرو بس میرے لئے کرو، میرے حوالے سے کرو، مجھے تمہاری اتنی پڑھائی ہی قبول ہے، بلکہ تم مجھے ہر حال میں ہر رنگ میں قبول ہو عفاف آغا۔''

وہ صبح بہت عام سی تھی مگر سدید جلال کے اظہار نے اسے بہت خاص بنا دیا تھا، عفاف آغا تو اتنا واضح اظہار سن کر اپنی جگہ پر ساکت رہ گئی تھی، وہ کسی اور کو دل میں بسائے بیٹھی تھی، سدید جلال کو تو اس نے آج تک اس نظر سے دیکھا ہی نہیں تھا پھر یہ سدید جلال دل میں کیا کچھ سوچے بیٹھا تھا۔

''بولو عفاف تم کیا کہتی ہو۔'' وہ ساکت تھی اور وہ جواب لینے پر قادر تھا۔

''سدید تم نے کچھ سوچ رہے ہو وہ بہت غلط ہے، میری اور تمہاری راہیں بالکل الگ ہیں، اس لئے اگر تم نے کوئی خواب میرے حوالے سے دیکھا بھی ہے تو اس کو ابھی ختم کر دو۔'' اس نے سفاکی سے کہا تھا۔

''خواب اتنی جلدی کیسے ختم کیے جاتے ہیں، تمہارے پاس کوئی طریقہ ہے تو بتا دو، میرے پاس تو ان کو کوئی حل نہیں ہے۔'' وہ طنز سے بولا تھا۔

''سدید مجھے کسی بحث میں نہیں پڑنا بس اپنے بڑھتے قدموں کو ابھی روک لو تو اچھا ہے۔''

''مگر کیوں عفاف! تم مجھے ایسے کیسے ٹھکرا سکتی ہو۔'' عفاف کے لہجے میں ایک انچ کی بھی رعایت نہیں تھی اسے دکھ ہوا تھا اور حد سے سوا ہوا تھا۔

''یہ میری مرضی ہے، میں تمہاری پابند تو نہیں ہوں۔''

''تم جو بھی فیصلہ کرنا سوچ سمجھ کر کرنا، میں اتنی جلدی تو تم سے جواب نہیں مانگ رہا۔''

''مجھے تمہارے بارے میں کبھی نہیں سوچنا سدید جلال، اس لئے فیصلہ جلدی ہو یا تاخیر سے بات ایک ہی ہے رزلٹ ایک ہی ہے۔'' وہ چائے کپ میں نکال کر ایک کپ اس کے سامنے رکھ کر اور دوسرا اپنے لئے اٹھا کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

☆☆☆

دو باتیں ایک ساتھ ہوئی تھیں، ادھر عفاف نے کالج میں دوبارہ سے ایڈمیشن لیا اور ادھر سدید جلال نے اپنا ٹرانسفر واپس اپنے شہر کروا لیا، وہ ایک گھڑی ایک منٹ بھی اس شہر بے وفا میں نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا، جس دن اس کو ٹرانسفر آرڈر ملے اس نے اسی روز رخت سفر باندھ لیا تھا۔

''پتہ نہیں سب کو کیا ہو گیا ہے، پہلے اس لڑکی کے دماغ میں جانے کیا سمایا کہ کالج دوڑ پڑی اور اب اس لڑکے کو بیٹھے بٹھائے خدا جانے کیا سوجھی کہ واپس اپنے گھر جا رہا ہے۔'' وہ دادی جان سے ملنے آیا تو وہ اپنے ہی دکھڑے رونے لگی تھیں ایک بار پھر ان سے دو اچھے ساتھیوں کا ساتھ جو چھوٹ رہا تھا وہ اداس تھیں اور بے تحاشا تھیں۔

''اماں اب یہ آپ کا اور ہمارا زمانہ تو ہے نہیں، ان بچوں نے ابھی زندگی میں بہت کچھ کرنا ہے، ہاتھ پر ہاتھ دھرے تو نہیں بیٹھے رہ سکتے، پھر یہ ہم جیسے بے کار لوگوں کے لئے اپنا کیریئر تو داؤ پر نہیں لگا سکتے نا، آپ اداس نہ ہوں۔'' ماما جان نے دادی اماں کو تسلی دی تھی۔

''ہاں بہو سچ کہہ رہی ہو تم بھی، مگر اس لڑکے کی وجہ سے تو بہت رونق تھی، چلو خیر سے اپنے اماں باوا کے پاس جا رہا ہے، اللہ اسے خوش رکھے۔'' انہوں نے اپنے جذبات پر قابو پا کر سدید جلال کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی تھی۔

''آتے جاتے رہنا، اب جا کر بھول ہی نہ جانا۔'' وہ ماما جان سے مل کر رخصت ہونے لگا تو انہوں نے آواز لگائی تھی۔

''دادی اماں کیوں نہیں آؤں گا، اگر آپ مجھے یاد کریں گی تو میں آپ کو کیسے بھول سکتا ہوں۔''

''جیتے رہو، فی امان اللہ۔'' دادی اماں نے خوش ہو کر کہا تھا۔

''خدا حافظ۔'' وہ اس بے وفا کے کالج سے لوٹنے سے پہلے پہلے یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا، اس نے دادی اماں سے دوبارہ آنے کا وعدہ تو کر لیا تھا مگر اسے نہیں لگتا تھا کہ وہ اب کبھی لوٹ کر آغا ہاؤس آ سکے گا، آغا ہاؤس میں لوٹ کر آنے کے لئے اب باقی رہ ہی کیا گیا تھا۔

سدید جلال چلا گیا تھا رات ڈائننگ ٹیبل پر ڈنر کے لئے جب سب اکٹھے ہوئے تھے تو سب نے اس کی کمی کو محسوس کیا تھا اور اپنے اپنے طور پر اس کمی کا اظہار بھی کیا تھا مگر ایک خاموش تھی تو عفاف آغا، وہ آج کالج سے دو پیریڈ بنک کر کے بدر قاضی سے مل کر آئی تھی اس پر اس پہلی ملاقات کا ایسا نشہ طاری تھا کہ اسے اپنے اردگرد کسی تبدیلی کا احساس نہیں ہو رہا تھا، بدر قاضی نے کیسے اس کی تعریف کی تھی، کیسے اس کو سراہا تھا، کیسے محبت کا اظہار کیا تھا، کیسے اپنی بے تابیوں کی داستان سنائی تھی، کیسے دوبارہ ملنے کا وعدہ کیا تھا، کیسے اسے اصرار کر کر کے آئس کریم کھلائی تھی، وہ ان سب سے نکلتی تو یہ سوچتی کہ اس گھر میں رہنے والے سدید جلال کا دل اس نے کس بری طرح توڑا ہے اور اب وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کو چھوڑ کر چلا گیا ہے، آغا ہاؤس کو چھوڑ کر چلا گیا ہے۔

☆☆☆

بدر قاضی کیا تھا ایک جادوگر، جس نے عفاف آغا پر ایسا جادو کر دیا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ بدل رہی تھی، وہ ایک سچی کھری اور سیدھی سادھی لڑکی تھی مگر اب وہ جھوٹ بولنے لگی تھی، کالج سے نکل کر بدر قاضی سے ملنے لگی تھی اور گھر والوں کو دھوکا دینے لگی تھی، وہ جب تک بدر قاضی کی محبت میں گرفتار نہیں ہوئی تھی تب تک سچی اور کھری رہی تھی اب تو وہ ایک سچی محبت کی خاطر باقی رشتوں سے ملاوٹ کرنے لگی تھی۔

بدر قاضی سے اس کی محبت پروان چڑھتی رہی تھی اس عرصے میں نایاب کی شادی ہو گئی تھی اور رباب کی منگنی اور اب اس کی باری تھی، گھر والے اس کے لئے کسی اچھے رشتے کی تلاش میں تھے اور وہ بدر قاضی سے اصرار پر مجبور تھی کہ وہ اپنے والدین کو اس کے گھر بھیجے۔

''میں بھیج دوں گا لیکن کیا تمہارے گھر والے مان جائیں گے، ہمارے اور تمہارے اسٹیٹس اور ذات برادری میں بہت فرق ہے۔'' وہ دل کا خدشہ زبان پر لایا تھا۔

''میں کسی اسٹیٹس اور ذات برادری کو نہیں مانتی۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی تھی۔

''تم تو نہیں مانتی تمہارے گھر والے تو سوال اٹھائیں گے نا۔''

''نہیں اٹھاتے تم بھیج کر تو دیکھو۔'' وہ ضدی لہجے میں بولی تھی۔

''او کے، آج ہی پھر اپنے گھر میں بتا دینا جا کر کل شام کو میرے گھر والے با قاعدہ رشتہ

مانگنے آئیں گے۔''

''اوکے۔'' خوشی اس کے انگ انگ سے چھلکنے لگی تھی۔

گھر میں آکر وہ بے چین ہی رہی تھی کہ گھر والوں کو کیسے بتائے بدر قاضی کے گھر والے رشتہ لینے آرہے ہیں اور انہیں ہاں ہی ہونی چاہیے، وہ دادی اماں کے پاس بیٹھی ماما جان کے پاس بھی اور رباب کے پاس بھی کئی بار گئی مگر اس کی ہمت نہ پڑی کہ وہ اپنے منہ سے اپنے رشتے اور بدر قاضی کی بات کر سکے۔

''میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی کل جب مہمان خود ہی آکر اپنا مدعا بیان کریں گے تو گھر والوں کو خود ہی پتہ چل جائے گا، ویسے بھی میرے خیال میں بدر قاضی میں ایسی کوئی کمی اور کوئی خاص نہیں ہے کہ اس کے لئے انکار کیا جائے، بس کل کی کل دیکھی جائے گی۔'' وہ رات مطمئن ہو کر سوئی تھی اور اگلی صبح کے ہوتے ہی اسے شام کا انتظار شروع ہو گیا تھا، آخر خدا خدا کر کے دن کی گھڑیاں تمام ہوئی تھیں اور ملازمہ نے کچھ مہمانوں کے آنے کی اطلاع دی تھی، گھر والوں کو کچھ نہیں پتہ تھا اس لئے سب نارمل تھے مگر اس کا دل دھڑک دھڑک کر اس کو کچھ اور ہی سمجھا رہا تھا، ہر دھڑکن پر بدر قاضی کا نام لکھا تھا، آنے والے مہمان چونکہ بدر قاضی کے حوالے سے آئے تھے اس لئے عفاف کے لئے وہ بہت ہی خاص الخاص تھے۔

''تمہیں ماما جان ڈرائینگ روم میں بلا رہی ہیں۔'' مہمانوں کو آئے کافی دیر ہو چکی تھی۔

وہ لوگ دادی اماں اور ماما جان سے جانے کیا مذاکرات کر رہے تھے عفاف کو ابھی تک کچھ پتہ نہ چل سکا تھا کہ رباب نے اسے آکر ماما کا پیغام دیا تھا، وہ آئینے میں ایک بار پھر اپنا ناقدانہ جائزہ لے کر مطمئن ہو کر باہر آگئی تھی، ڈرائینگ روم تک جاتے جاتے اس کے پیر من بھر کے ہو گئے تھے اور ہاتھوں میں ٹھنڈے پسینے آرہے تھے آخر بدر کے گھر والے آج اس کو پہلی بار دیکھنے والے تھے، اس نے اندر داخل ہوتے ہی سلام کیا تھا اور دادی جان کے ساتھ بیٹھ گئی تھی، چونکہ وہ نظریں جھکا کر بیٹھی تھی اس لئے دادی اماں اور ماما جان کے تاثرات نہیں دیکھ سکی تھی، البتہ سامنے ٹانگ پر ٹانگ جمائے ایک ادھیڑ عمر مرد اور عورت کا سرسری سا جائزہ وہ اندر داخل ہوتے ہی لے چکی تھی، عورت نے ضرورت سے زیادہ شوخ کلر کا لباس پہنا ہوا تھا اسے کچھ عجیب سا لگا تھا، بدر قاضی جیسے نفیس انسان کے والدین کے اس قسم کے حلیوں کی توقع کم از کم اسے نہیں تھی۔

''تم بدر قاضی کو جانتی ہو؟'' ماما جان کی سپاٹ سی آواز کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی اس نے بے اختیار ہی سر اٹھا کر ماما کو دیکھا تھا، وہ تو سوچ رہی تھی مہمان بس رشتہ مانگیں گے اس کے یا بدر قاضی کے تعلق کا کوئی حوالہ اس طرح آئے گا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

''جب ہم کہہ رہے ہیں تو کیا آپ کو اعتبار نہیں ہے۔'' بدر کے والد صاحب نے ارشاد فرمایا تھا۔

''عفاف میری بات کا جواب دو تم بدر قاضی کو جانتی ہو۔'' ماما نے اس شخص کی کسی بات کا نوٹس نہیں لیا تھا اور پہلے سے بھی سرد و سپاٹ آواز میں عفاف سے پوچھا تھا۔

''جی...... جی ماما جان!'' وہ بے اختیار ہی سر اور زبان ہلا گئی تھی، بات اگر کھل ہی گئی تھی تو اس نے بھی گھر والوں کو بتا دینا ہی مناسب سمجھا تھا۔

''تم جاؤ اپنے کمرے میں۔'' ماما جان کی آواز ایک بار پھر اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر تیزی سے ڈرائینگ روم سے باہر نکل گئی تھی۔

وہ باہر آکر گہری سانس لیتے ہوئے خود سے ہم کلام تھی اور ماما جان سے ڈر بھی رہی تھی کہ بدر قاضی کا پول کھلنے پر جانے ان کا ردعمل کیا ہوگا اور پھر بابا جان اور دادی اماں کا بھی، بہر حال تیر کمان سے اور بات منہ سے نکل چکی تھی اسے اب حالات کا سامنا تو کرنا ہی تھا۔

''ہم نے ان لوگوں کو صاف جواب دے دیا ہے، تم بھی اب اپنے دل و دماغ سے بدر قاضی نام کے شخص کا ہر حوالہ مٹا دو۔'' کچھ دیر بعد ماما جان اس کے کمرے میں آکر بولی تھیں۔

''کک...... کیا۔'' وہ بیٹھے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی، اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ بدر قاضی کے گھر والوں کو انکار کر دیا جائے گا، اب بس اسے اس بات کی فکر تھی کہ بدر اس انکار پر کتنا سیخ پا ہو رہا ہوگا اور اب جانے اس کا ردعمل کیا ہوگا حالانکہ اس وقت اسے فکر یہ ہونی چاہیے تھی کہ بدر قاضی اور اس کے تعلقات کا پھول کھلنے پر اس کے اپنے گھر والوں کا کیا ردعمل ہوگا۔

''عفاف میں تمہیں سب سے معصوم اور سیدھا سمجھتی تھی اور تم نے آج یہ دن دکھایا ہے کہ ہماری دہلیز تک چلے آئے ہیں یقیناً تم نے اس لڑکے کی اتنی ہمت بندھائی ہے اور اس لڑکے نے اپنے گھر والوں کی اور اس لڑکے سے ملے بغیر ہی میں جان گئی ہوں کہ وہ کس قماش اور اسٹینڈرڈ کا ہوگا، اس کی فیملی کو دیکھ کر اور مل کر اس لڑکے کا تعارف خود ہی مل جاتا ہے، تمہیں شرم آنی چاہیے تھی اتنا بڑا قدم اٹھاتے ہوئے، بہر حال جو بھی ہوا ایک ماں کی حیثیت سے میں تمہیں سمجھانے اور وارن کرنے آئی ہوں کہ اس بات کو ابھی اور اسی وقت ختم کر دو اگر یہ قصہ تمہارے ڈیڈی کی سماعتوں تک پہنچ گیا اور صرف میری تربیت پر آیا تو یاد رکھو عفاف میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی اور پھر تمہارے لئے جو سزا تجویز ہوئی تمہیں وہ بھگتنی ہوگی اس لئے بہتر یہی ہے کہ ابھی سے اپنے قدموں کو روک لو تاکہ یہ قصہ یہیں ختم ہو جائے۔'' وہ سر جھکائے سن رہی تھی اور ماما جان کی آواز غصے کی شدت سے کانپ رہی تھی، ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ عفاف کا گلا ہی دبا دیں، انہیں عفاف سے اس عمل کی توقع نہیں تھی، مگر اب کیا ہو سکتا تھا توقع تو ٹوٹ چکی تھی۔

☆☆☆

''تمہارے گھر والوں نے انکار کر کے اچھا نہیں کیا، تمہیں تو بڑا مان تھا کہ میری فیملی کو انکار نہیں ہو سکتا دیکھ لیا تم نے اپنے گھر والوں کا حال، میرے والدین کی جو بے عزتی ہوئی ہے اور جو شرمندگی انہیں اٹھانی پڑی ہے وہ تو بس میں ہی جانتا ہوں نا۔'' بدر کا موڈ بہت بری طرح آف تھا، عفاف کو کل تک اندازہ نہیں تھا کہ بدر کے والدین کو اتنی بے عزتی ہوئی ہے اب جو بدر نے احساس دلایا تو اسے لگا کہ واقعی اس کے گھر میں بدر کے والدین کی اتنی بے عزتی ہوئی ہے کہ اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

''بدر اب کیا ہو سکتا ہے۔'' کافی دیر بعد اس نے شرمندگی مٹانے کی غرض سے کہا تھا۔

''اب صرف ایک ہی ہے راستہ ہے اور ایک ہی طریقہ، اگر تم چاہو تو۔'' بدر کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی اور لہجہ عجیب پراسراریت میں لپٹا ہوا تھا۔

''وہ کون سا؟'' وہ سمجھتی تھی کہ وہ بدر کی محبت میں اتنی آگے جا چکی ہے کہ اب واپسی ناممکن ہے

اس لئے ان دونوں کو اکٹھا کرنے کو جو بھی طریقہ ہو جو بھی راستہ ہو وہ اختیار کرنے پر تیار تھی۔

''وہ یہ کہ ہمیں کورٹ میرج کر لینی چاہیے۔'' وہ بڑے آرام سے بولا تھا۔

''کیا؟'' عفاف کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا، اتنے کھلے ڈلے راستے پر چلنے کا تو اس نے کبھی نہیں سوچا۔

''نہیں بدر یہ نہیں کروں گی، یہ بہت مشکل ہے۔'' وہ اک شاک میں گھر کر بولی تھی۔

''دیکھو عفاف!'' بدر اس کے قریب ہوا تھا اور اسے اپنے جال میں لانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنے لگا تھا اس جال میں دانہ تو اس نے محبت کے نام پر پہلے ہی سے پھینک رکھا تھا۔

☆☆☆

دادی اماں اچھی بھلی تھیں مگر اچانک جانے کیا ہوا کہ سینے میں ایسا درد اٹھا کہ ہاسپٹل جانے جاتے جان سے گزر گئیں، سب حیران اور پریشان تھے کہ دادی اماں تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھیں پھر انہیں کیا ہوا مگر موت کا اک وقت بھی تو مقرر ہے، اسے تو بس بہانہ چاہیے ہوتا ہے، سینے کا درد بھی دادی اماں کی موت کا بہانہ ہی تھا۔

وہ جو اس شہر بے وفا سے ہر ناطہ توڑ کر گیا تھا دادی اماں کی آخری رسومات میں شریک ہونے کے لئے اسے دوبارہ یہاں آنا پڑا تھا، دادی اماں اپنی زندگی میں اسے کتنا یاد کرتی رہی تھیں اسے آغا ہاؤس سے آنے والی کالوں کے ذریعے اندازہ ہوتا رہا تھا، عفاف آغا نے اس سے تعلق توڑا تھا باقی لوگوں کا رابطہ اس سے جوں کا توں تھا اور آج دادی اماں کے نورانی چہرے کا آخری دیدار کرتے ہوئے جہاں سدید جلال کا دل دکھ سے بھرا ہوا تھا وہیں شرمندگی بھی بے تحاشا تھی کہ آج جب وہ ان سے ملنے آیا ہے تو وہ اس دنیا سے ہی منہ موڑ چکی ہیں نہ اس کو دیکھ سکتی ہیں نہ اس کی باتیں سن سکتی ہیں اور نہ ان باتوں پر ہنس سکتی ہیں، دادی اماں کو سپرد خاک کرنے کے بعد وہ زیادہ دیر آغا ہاؤس میں نہیں رک سکا تھا مگر جتنی دیر بھی وہ وہاں رہا تھا اس نے ایک بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ دادی اماں کی وفات کا غم اور دکھ اپنی جگہ مگر آغا ہاؤس کے سب مکینوں کے چہروں پر کچھ اور ہی تحریر تھا وہ کیا تھا یہ وہ نہیں جان سکا تھا بہر حال اسے کسی انہونی کا احساس ہو رہا تھا جب دادی اماں کا جنازہ اٹھانے وہ لوگ اندر آئے تھے تب اس نے عفاف کو ایک کونے میں سر جھکائے بیٹھے دیکھا تھا، اس پر سدید کی ایک ہی نظر پڑی تھی پھر وہ اسے دوبارہ دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا، عفاف آغا نے ایسا ہر اختیار اس سے چھین لیا تھا پھر وہ نظر بھر بھر کر اسے کس لئے دیکھتا۔

☆☆☆

عفاف نے کورٹ میرج کر لی تھی اور نکاح نامہ بدر نے آغا ہاؤس کے ایڈریس پر پوسٹ کر دیا تھا، جب گھر میں عفاف کے رشتے کی بات ہو رہی تھی اور سرفہرست سدید جلال کا نام تھا سب نے اس کے حق میں ووٹ دیئے تھے اس بات کا جب عفاف کے ذریعے بدر کو پتہ چلا تو اس نے نکاح نامہ آغا ہاؤس میں بھیج دیا تھا وہ نکاح نامہ تو یا کوئی بم جس نے اپنی اپنی جگہ پر ہر کسی کے چیتھڑے اڑا دیئے تھے۔

آغا ہاؤس کی تاریخ میں پچھلی تمام نسلوں میں عفاف واحد لڑکی تھی جو بظاہر بہت سیدھی سادھی اور شرمیلی تھی اور جس نے وہ کام کیا تھا جو آج تک کوئی سوچ بھی نہیں سکا تھا، ڈیڈی نے کہہ دیا تھا اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے آغا ہاؤس میں ہی دبا دیئے جائیں اور ماما جان نے اس کو اس بری طرح پیٹا تھا کہ اس کا سارا وجود لہولہان ہو گیا تھا، اس پر کڑے پہرے لگ گئے تھے اور اب آغا ہاؤس میں اس کے لئے نفرت ہی نفرت ہی تھی۔

''یہ میرے گھر والے ہیں، یہ ظالم لوگ ہیں یہ جاہل ہیں، انہیں کسی کی زندگی کی کوئی پرواہ نہیں ہے، میں نے محبت کی ہے کوئی جرم تو نہیں، جب بدر نے گھر میں باضابطہ رشتہ بھیجا تھا تب یہ کیوں نہیں مانے تھے پھر اب کیوں پچھاتے ہیں، میں انہیں چھوڑ دوں گی یہ ہیں اس قابل، جب انہیں میری پرواہ نہیں ہے تو مجھے بھی ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے، ایک وہ بدر قاضی ہے وہ میری آنکھ میں آنسو دیکھ کر بھی تڑپ اٹھتا ہے وہ ساری دنیا میں میرا اپنا ہے میں اس کے پاس چلی جاؤں گی، میں ان سب کو چھوڑ دوں گی۔'' جتنی سختی آغا ہاؤس میں اس پر کی جا رہی تھی اتنا ہی وہ گھر والوں سے متنفر ہو رہی تھی اتنی ہی بدر قاضی کے لئے اس کے دل میں محبت بڑھ رہی تھی، پھر اس نے ایسا ہی کیا تھا ایک رات سب کو سوتا چھوڑ کر وہ آغا ہاؤس کی دہلیز بھی پار کر آئی تھی، بدر قاضی بانہیں کھولے باہر اس کا منتظر کھڑا تھا۔

زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا
دل کی دھڑکن تھم جائے گی
لوگ ہنسیں گے اور کہیں گے
ہم تو پہلے ہی کہتے تھے
برف پگھل سکتی ہے لیکن
بھڑک اٹھے یہ ناممکن ہے
چھوڑو جو بھی کہتے ہیں کہنے دو ان کو
آؤ جاناں!
آج وفا کا آخری ناطہ توڑ کے دیکھیں

کچھ نہیں ہوا تھا نہ تو دل کی دھڑکن تھمی تھی نہ اس کے قدم لرزے تھے وہ آرام سے اپنے خون کے رشتوں سے اپنوں سے پیاروں سے وفا کا آخری ناطہ توڑ آئی تھی۔

☆☆☆

بدر قاضی کے ساتھ اس نے نئی زندگی کا آغاز کیا تھا، بے شک مشکلات بہت سی تھیں آغا ہاؤس والی آرام و آسائشات کچھ بھی نہ تھیں مگر اسے احساس نہیں ہوتا تھا کیونکہ چھوٹے سے ویران گھر میں بدر کی محبت ہی اتنی زیادہ تھی کہ اسے کسی اور چیز کی کمی ہی محسوس نہ ہوتی تھی، ہر دن عید اور رات شب برات بن کر گزر رہی تھی، بس وہ تھی اور بدر کی چاہتیں، وہ ان میں پور پور بھیگی تھی اور پور پور سرشار تھی۔

موسم جلد ہی بدل جایا کرتا ہے رتیں آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں اس طرح بدر قاضی کی محبت کا موسم بھی رفتہ رفتہ بدلنے لگا تھا، وہ اس سے جی بھر کر دل بہلا چکا تھا اب دو دن بعد آتا کبھی چار چار دن بھی گزر جاتے اور پھر یوں ہوا وہ ہفتہ ہفتہ گھر نہ آتا، اس کی ساری رات آنکھوں میں کٹ جاتی وہ ڈرتی اکیلے میں گھبراتی اور بدر کا انتظار کرتے کرتے صبح سے شام اور شام سے صبح کر دیتی، وہ آتا وہ اس سے لڑتی، کبھی وہ اس کی اک اک ادا پر نثار ہوتا تھا اور اب تو وہ جھنجھلاتا اور دوبدو خود بھی لڑ پڑتا تھا۔

بدر قاضی بدل رہا تھا عفاف دیکھ رہی تھی مگر اس کا دل و دماغ اس بات کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھا۔

پھر بدر قاضی کی اصلیت کھل کر سامنے آ گئی تھی، اب وہ خود گھر نہیں آتا تھا بلکہ اس کے دوست اس کی غیر موجودگی میں آنے لگے تھے، وہ اصل میں اس کے دوست نہیں تھے بلکہ گاہک تھے عفاف آغا کے، وہ ان سے عفاف کا سودا کرتا تگڑی رقم وصول کرتا اور عفاف اپنی عزت کے

وصال یار

سیرا گل

بچاؤ کے لئے لاکھ کوششوں کے باوجود اپنی عزت بچا نہ پائی تھی، اسے تو اب پتہ چلا تھا بدر نے تو اس ویران گھر میں اسے قید کر رکھا ہے، اس نے خود ہی بھیڑیوں کی کچھار میں ہاتھ دیا تھا، خود ہی غلط قدم اٹھایا تھا، خود ہی چل کر طوفان کے پاس آئی تھی اب وہ اپنی بربادی کا دوش دیتی تو کسے دیتی، جو اپنے تھے اس کی حفاظت کرنے والے تھے ان کو تو بے عزت کر کے چلی آئی تھی آغا ہاؤس کو ٹھوکر مار کر چلی آئی تھی اور اب زمانے نے اسے ٹھوکروں پر رکھ لیا تھا، جو بھیڑیا تھا وہ خود نوچ کر کھاتا یا دوسرے بھیڑیوں کے حوالے کر دیتا یہ اس کی مرضی تھی۔

اب وہ خود نہیں آتا تھا بس پس پردہ رہ کر رقم وصول کرتا تھا اور گاہک بھیج دیتا تھا، عفاف سونے کی وہ چڑیا تھی جو بدر قاضی جیسے کمینے اور کنگلے شخص کو لاکھوں کا کر گئی تھی، وہ بڑی دیر سے ایسی ہی بے وقوف اور سیدھی سادھی لڑکی کی تلاش میں تھا اور وہ لڑکی عفاف آغا کی صورت میں اسے مل گئی تھی جو بڑی آسانی سے اس کے ہاتھوں بے وقوف بن گئی تھی۔

☆☆☆

عفاف آغا نے ٹرین کے نیچے آ کر خودکشی کر لی تھی، سدید جلال اس سے سچی محبت کرتا تھا یہ الگ بات کہ عفاف جھوٹی اور سچی محبت میں تمیز نہ کر سکی تھی اور نتیجہ یہ ہوا تھا کہ عزت گنوا کر جان سے بھی چلی گئی تھی، ایسا تو سدید نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ جان سے ہی چلی جائے، اس کی عبرتناک موت کا سنتے ہی وہ آغا ہاؤس دوڑا تھا اور زخ زخم اس کا وجود دیکھنے کے قابل بھی نہیں تھا، بس ایک چہرہ تھا جو مسخ ہونے سے محفوظ رہا تھا اس لئے گھر والے اس کو پہچان پائے تھے، ماما جان تو سکتے میں تھیں، باقی سب کی حالت بھی بہت بری تھی، بے شک عفاف نے بڑی غلطی کی تھی مگر اس غلطی کی ایسی سزا تو ان سب نے بھی سوچی تھی مگر وہ لوگ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ عفاف کن اذیتوں سے گزری ہے، کتنی بار اس کی عزت کے سودے ہوئے ہیں وہ مر کر ساری بدنامی اور بدر قاضی کی ساری ذلالت ساتھ ہی منوں مٹی تلے لے گئی تھی۔

سدید اسٹیشن پر بوڑھے معذور فقیر کے پاس بیٹھا تھا اور وہ اسے آنکھوں دیکھا حال سنا رہا تھا کہ لڑکی نے کیسے ان کے سامنے ٹرین کے سامنے کود کر خودکشی کی تھی، پھر وہ اس علاقے میں گیا تھا جہاں بدر نے مکان لے کر عفاف کو رکھا ہوا تھا، اہل علاقہ سے مل کر سدید کو پتہ چل گیا تھا کہ وہ کس قماش کا انسان تھا اور کس طرح نت نئے لوگ اس گھر میں آتے تھے مگر بہت سارے لوگوں کو یہ نہیں پتہ تھا کہ یہاں کوئی لڑکی بھی رہتی تھی، سدید جلال اب عفاف کی خودکشی کی وجہ بھی سمجھ گیا تھا، اس جیسی عزت دار لڑکیاں عزت دار گھروں کی بیٹیاں جب اپنی بے وقوفیوں کی بدولت غلط ہاتھوں پر چڑھ جاتی ہیں تو پھر اپنی جان لینے کو سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہیں بچتا، یہ صرف عفاف آغا کی ہی نہیں ہر اس لڑکی کی کہانی ہے جو اپنوں کو غلط اور غیروں کو اپنا سمجھ لیتی ہیں۔

سدید جلال کو اب ہر حال میں بدر قاضی جیسے شیطان کو سزا دلوانی تھی اور اس کے لئے وہ سرگرم ہو گیا تھا، اس کی محبت کا آخری حق یہی تھا اور وہ اسے ادا کرنا ہی تھا۔

☆☆☆

جھاڑے کی خشک اور ٹھنڈی رات اپنے آخری پہر میں ڈھل رہی تھی ہر سو خاموشی اور ہو کا عالم تھا ستاروں کی لو مدھم تھی چاند بھی بادلوں کی چادر اوڑھے اونگھ رہا تھا درخت دم سادھے کھڑے تھے کبھی کبھار ہوا کا کوئی ٹھٹھرتا جھونکا دھیرے سے انہیں چھو کر گزرتا تو پتوں کی سرسراہٹ سے فضا میں مدھم سا ارتعاش پیدا ہوتا تھا اور پھر گہرا سکوت چھا جاتا۔

مگر چند لمحوں کی وہ سرسراہٹ ہی کمبل میں دبکے ابراہیم کو دوسراہٹ کا احساس دلاتی تھی وہ یہ سوچ کر ہی اطمینان محسوس کرتے کہ کوئی اور بھی ہے جو ان کے ساتھ جاگ رہا ہے۔

''جانے وہ کہاں ہو گی شاید وہ بھی میری طرح تنہا ہو۔'' جانے اس عمر میں ماضی کیوں اتنا یاد آتا تھا، رفیق سفر تو کب کی ساتھ چھوڑ کر دوسرے جہان سدھار چکی تھیں مگر اک فراق یار تھا جو خوابوں کے سفر پہ لے جاتا تھا، خواب بھی ایسے جی کا تنکا تنکا بکھر گیا، یک دم ہی ان کے حلق میں کانٹے سے چبھنے لگے تھے نیم تاریکی میں ہی اندازے سے سائیڈ ٹیبل ٹٹولا مگر جگ ندارد۔

''آج پھر جھلی بہو پانی رکھنا بھول گئی۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھے تو خیال آیا کہ وہ تو کل صبح کے ہی اپنے فیل ٹاؤن والے بنگلے میں شفٹ ہو چکے ہیں۔

''ہک ہا۔'' لبوں سے اک درد بھری آہ نکلی۔

آخر ایک روز تو ایسا ہونا ہی تھا وہ کب تک سب بچوں کو جوڑ کر رکھتے بقول ان کے اب سب کی اپنی فیملی تھی اور ان کے لئے یہ گھر چھوٹا پڑ رہا تھا۔

ان کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی بڑا بیٹا ندیم مشہور ایڈووکیٹ تھا جو کراچی میں اپنی بیوی اور دو بچوں کے ساتھ مقیم تھا۔

اس سے چھوٹا وسیم وہ ڈاکٹری کے شعبے سے وابستہ تھا اور کل ہی اپنی بیوی اور ایک بیٹے کے ساتھ نئے بنگلے میں شفٹ ہوا تھا۔

اس سے چھوٹی بیٹی صدف تھی جس کے فرض سے بھی وہ سبکدوش ہو چکے تھے۔

اب گھر میں ان کے ساتھ سب سے چھوٹا بیٹا صمیم تھا جس کی ابھی دو ماہ قبل شادی ہوئی تھی سو وہ نئی نویلی دلہن کے ناز نخرے اٹھانے میں مگن رہتا تھا۔

کچن میں آ کر لائیٹ جلانے کے بعد انہوں نے کیبنٹ سے شیشے گلاس نکالا جانے کیسے ان کا ہاتھ لرز اٹھا گلاس سنبھالنے کے باوجود بھی نیچے جا گرا، چھناکے کی آواز سناٹے میں دور تلک گونجی تھی۔

''اللہ ابراہیم تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تمہیں شیشے کے گلاس میں پانی پلایا جائے اب جانتے ہو اماں کس قدر برسے گی مجھ پر۔'' روہانسی آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرائی، لیکن ان کی نظریں بکھرے ہوئے کانچ پر ساکت تھیں۔

چالیس سال کے بعد آج پھر ان کے ہاتھ سے گلاس ٹوٹا تھا، ورنہ اس دوران ہمیشہ انہوں نے گلاس بڑی احتیاط سے استعمال کیا تھا کیونکہ اس روز تائی اماں سے اسے بہت ڈانٹ پڑی تھی جس پر اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں بادل امڈ آئے تھے، دل میں یک دم گھٹن کا احساس بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

فجر کے بعد کچن میں جھانکا ناشتے کے آثار ناپید تھے، نو بجے سے قبل بہو نے نہیں اٹھنا تھا اور انہیں بھوک صبح وسویرے ستانے لگتی تھی، دو سلائس پر جیم لگانے کے بعد انہوں نے دودھ گرم کیا اور

خود ناشتے کی ٹیبل پر آ بیٹھے لیکن دو لقمے لگاتے ہی ان کا دل اوب گیا تھا ہمیشہ کی طرح وہ پھر بہت یاد آئی تھی۔

''میں تمہیں بہت مس کرتا ہوں ثنا بیل کاش تم ہوتی تو میں اتنا اکیلا اتنا ادھورا نہ ہوتا، یہ ناشتے کی میز اتنی خالی نہ ہوتی یہاں چائے کے دو مگ ہوتے، وہاں.....''

''کس سے باتیں کر رہے ہو صاحب۔'' ملازم کی آواز پر وہ چونکے اور پھر سر جھٹک کر اپنے کمرے میں چلے آئے کوٹ پہننے کے بعد، آئرن اسٹینڈ پر رکھا اونی مفلر اٹھایا جس کے ایک کونے میں اے ایس کڑھا ہوا تھا یہ مفلر بھی سالوں پہلے وہ ان کے لئے لے کر آئی تھی۔

''بوجھو تو میں تمہارے لئے کیا لائی ہوں۔'' وہ آموں کے باغ میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا جب وہ اچانک جانے کہاں سے آن دھمکی تھی۔

''کچھ اسپیشل ہے۔'' ابراہیم نے کتاب بند کرتے ہوئے پر اشتیاق نظروں سے اسے دیکھا تو اس نے پیچھے چھپائے دونوں ہاتھ سامنے کر دیئے اس کے ہاتھوں میں سیاہ رنگ کا اونی مفلر تھا جسے ابراہیم نے لے کر گلے میں ڈال لیا۔

''یہ میں نے خود کاڑھا ہے۔'' انہوں نے بڑی ملائمت سے مفلر پر ہاتھ پھیرا تو یوں لگا کہ جیسے اس کے لمس کا احساس آج بھی زندہ ہے۔

وہ اسے گلے میں ڈال کر گھر سے دور نکل آئے اب ان کا رخ پارک کی جانب تھا، طویل راہداری گزرتے ہوئے وہ اندر داخل ہوئے تو حسب معمول دائیں ہاتھ بنے لان میں کاسنی پھولوں کی بیل کے پاس سنگی بینچ پر ایک خاتون گیٹ کی جانب پشت کیے بیٹھی تھی، وہ روز اس عورت کو دیکھتے تھے اور پھر آگے بڑھ جاتے تھے لیکن آج انہوں نے ٹریک بدلنے کا سوچا تھا۔

اس خیال کے تحت وہ بائیں جانب جانے کی بجائے دائیں سائیڈ پر بنی بجری کی طویل روش پر چلنے لگے تھے کچھ فاصلے پر انہوں نے اس عورت کو اٹھتے اور پھر پلٹتے ہوئے دیکھا تھا۔

''سیاہ ساڑھی میں ملبوس بے تحاشا گوری رنگت والے اس چہرے پر انہیں جانے کیوں کچھ شناسائی کا احساس ہوا تھا۔

وہی بڑی بڑی آنکھیں، دلکش عنابی لب اور بالوں کا گھنیرا پن البتہ کچھ کم ہو چکا تھا۔

''اللہ! یہ بال ہے کہ مصیبت جتنا سلجھاؤ اتنے ہی الجھ جاتے ہیں۔'' سنگھار میز کے ساتھ کھڑی وہ اپنے کمر سے نیچے تک آئے سیاہ گھنے بالوں کو سنوارنے سے زیادہ کھینچ رہی تھی۔

''اتنے ریشمی اور ملائم بالوں کو کنگھے سے پہلے انگلیوں سے سلجھایا جاتا ہے۔'' وہ اچانک اس کے سر پر آن کھڑا ہوا تھا اور فرار کی تمام راہیں مسدود تھیں جب دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام کر اس نے لال، ہری، پیلی، نارنجی جانے کتنے ہی رنگوں کو چوڑیاں اس کی کلائیوں میں ڈال دی تھیں۔

دھنک کے وہ سارے رنگ آج بھی اس عورت کے کلائیوں پر اپنی رعنائیوں کی جھلک دکھلا رہے تھے۔

''ثنا بیل!'' انہوں نے با آواز صدا دی لیکن تب تک وہ گیٹ عبور کر چکی تھیں۔

☆☆☆

باقی کا سارا دن بے حد بے چینی میں گزرا تھا بہو نے ان کے فیورٹ پائے بنائے تھے لیکن ان کا کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا بستر پر لیٹے ہوئے رات سے دن کرنا مشکل ہو گیا تھا اس عمر میں تو ویسے بھی نیند پل دو پل کے لئے ساتھ دیتی تھی وہ سوچتے کوئی تو ہو جو تیرہ شبوں کا ساتھی

ہو۔

لیکن کس کے پاس نہلا ان کے لئے وقت تھا سب اپنے اپنے مشغلوں اور سرگرمیوں میں مصروف تھے پہلے تو پھر بھی حمزہ کی وجہ سے گھر میں کافی رونق تھی اب تو وہ بھی کیل ٹاؤن چلا گیا تھا وہ روز اس سے مل کر بھی آتے تھے لیکن ہر پل کے ساتھ اور کبھی کبھی کی ملاقات میں کچھ فرق تو تھا نا۔

زندگی میں اب جیسے کرنے کو کچھ بھی نہیں رہا تھا سارے خوبصورت لمحے مانو تو ہتھیلی سے ریت کی مانند پھسل گئے تھے اکہتر برس یوں بیتے تھے جیسے کوئی پل پلک جھپکنے میں سرک جاتا ہو، روشن کو نگلتے اندھیرے نے ان کی سوچوں کا رخ موڑا تو وہ اٹھ کر موم بتی جلانے لگے۔

''ابراہیم تیل ہے۔'' وہ منڈیر پر جھکی استفسار کر رہی تھی۔

''کیا کرنا ہے۔'' وہ کتاب پر سے نظریں اٹھا کر بولا کل اس کا ایم اے انگلش کا آخری پیپر تھا ان دنوں بجلی نہیں ہوا کرتی تھی اس لئے وہ چھت پر لالٹین جلائے بیٹھا تھا اور جتنا گھر میں تیل تھا وہ سب اس نے لالٹین میں انڈیل دیا تھا۔

''کل میرا کیمسٹری کا پیپر ہے تیاری کرنی تھی اور دیے میں تیل کم ہے۔'' وہ ان دنوں ایف ایس سی کی اسٹوڈنٹ تھی، اس نے کچھ پل سوچنے کے بعد لالٹین اسے تھما دی اور خود بھی دیوار پھلانگ کر ان کے چھت پر آ گیا۔

آسمان پر چھائے بادل چاند سے آنکھ مچولی کھیل رہے تھے، دھیمے سروں میں چلتی ہوا رات کی رانی اور بیلے کے پھولوں کی خوشبو سے مہک رہی تھی دور کہیں سے آتی موسیقی کی مدھم مدھم دھن نے ماحول پر اک فسوں سا طاری کر رکھا تھا۔

وہ کتاب گود میں رکھے انہماک سے پڑھنے میں مشغول تھی اور ابراہیم کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ وہی لڑکی ہے جو روز اس کے اسکوٹر کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر کالج جاتی تھی۔

گلابی اجلا چہرہ دیے کی مدھم لو میں بھی چاند کی مانند دمک رہا تھا ایک شریر سی لٹ تھی جسے ہوا کے شوخ جھونکے چہرے پر بکھیر دیتے تھے وہ بار بار اسے کانوں کے پیچھے اڑستی تھی تنگ آ کر اس نے بالوں کو کیچر میں جکڑ دیا لیکن اتنے گھنے بال چھوٹے سے کیچر میں نہیں سما رہے تھے کلائیوں میں پہنے رنگ برنگے بینڈ میں سے اس نے ایک اتار کر بالوں کو اونچی سی پونی ٹیل بنا دی تھی پھر مطمئن سی ہو کر کتاب پر جھک گئی، وہ رات بھر مسمرائز سا اسے دیکھتا رہا تھا یہاں تک کہ دن نکل آیا۔

☆☆☆

موذن کی پہلی آواز پر وہ اٹھ کر قریبی مسجد چلے آئے تھے وضو کیا نماز ادا کی اور اس سے ملنے کی دعا مانگ کر قریبی پارک چلے آئے ہوا آج کل کی نسبت زیادہ خنک اور نوکی تھی کہر کے مرغولے دھوئیں کی مانند زمین سے آسمان تک چھائے ہوئے تھے، پرندے ابھی تک اپنے گھونسلوں میں دبکے چہچہا رہے تھے وہ اس بینچ پر آ کر بیٹھ گئے جس کے اوپر کاسنی پھولوں کی بیل منڈلا رہی تھی۔

کچھ دیر کے انتظار کے بعد قدموں کی چاپ سنائی دی وہ پلٹے اور پھر اٹھ کھڑے ہوئے، اسکن کلر کی ساڑھی میں ملبوس وہ اپنے نازک سراپے کے گرد میرون شال لپیٹے کھڑی تھیں۔

''ثنا بیل!'' ان کے لبوں نے سرگوشی نما جنبش کی۔

''کیسے ہو ابراہیم؟'' وہ انہیں پہچان کر مدھم سا مسکرائی تھیں۔

''تمہارے سامنے ہوں۔'' ان کی آنکھوں میں نارسائی کا کرب سیال بن کر اندر کہیں دل کی تہوں میں اترنے لگا تھا۔

وہ یونہی کھڑی کچھ دیر انہیں دیکھتی رہیں خاموشی کا طویل وقفہ دونوں کے مابین حائل ہو چکا تھا ثنا بیل کی نظریں ان کے گلے میں جھولتے سیاہ اونی مفلر پر ٹکی ہوئی تھیں۔

چالیس سال بعد بھی وہ ان کے گلے میں تھا، جبکہ ابراہیم اپنی جگہ حیرت زدہ تھا کہ چالیس سال گزرنے پر بھی کانچ کی وہ نازک چوڑیاں ٹوٹی نہیں تھیں نہ ہی ان کے وہ دھنک رنگ مدھم پڑے تھے۔

''میں تمہیں روز دیکھتا تھا بس پہچاننے میں کچھ دیر لگی۔''

''جبکہ مجھے تو محض ایک لمحہ لگا تھا۔'' ان کا شکایتی لہجہ ابراہیم کو نظریں چرانے پر مجبور کر گیا تھا وہ ان بے ضرر سے لفظوں میں ہی کیا کچھ جتلا گئی تھیں۔

''آؤ بیٹھو۔'' انہوں نے سنگی بینچ کی جانب اشارہ کیا۔

''اب اس عمر میں ہڈیاں اتنی ٹھنڈ کی متحمل نہیں ہو سکتیں میں آج بس یونہی کھلی فضا میں سانس لینے کی غرض سے ایک چکر لگانے آئی تھیں آؤ گھر چلتے ہیں۔'' دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے انہوں نے سردی کے احساس کو زائل کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ یوں دعوت دی جیسے وہ برسوں سے ان کے ساتھ واک پر آ رہے تھے۔

ابراہیم کو بھی یہ خیال پسند آیا تھا وہ اٹھ کر ساتھ چل پڑے گھر چھوٹا تھا لیکن خوبصورت تھا گیٹ سے داخل ہوتے ہی ان کی نگاہ پورچ کے ساتھ بنے ایک چھوٹے سے باغیچے سے ٹکرائی جس میں خوش رنگ پھول اپنی بہاریں دکھلا رہے تھے۔

''ابراہیم بائیک روکو۔'' وہ اس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولی۔

''کیا آفت آن پڑی ہے۔'' وہ اسکوٹر ایک جانب لگا کر اسے گھورتے ہو بولا۔

''وہ سامنے نرسری دیکھو۔'' اس کا اشتیاق قابل دید تھا۔

''دیکھ لی اب چلیں۔'' اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد وہ اس کی سمت گھوما تو وہ منہ پھلا کر بولی۔

''مجھے کچھ پلانٹس لینے ہیں۔''

''رک کیوں گئے اندر آ جاؤ۔'' لاؤنج کے دروازے پر وہ منتظر کھڑی تھیں وہ ان کی ہمراہی میں چلتے ہوئے ڈرائینگ روم میں چلے آئے تھے کاؤچ پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے سوچا۔

''سب کچھ تو وہی ہے پھر وقت کیوں اتنا آگے نکل چکا ہے۔'' انہیں بٹھا کر وہ خود چائے بنانے چلی گئی تھیں۔

گھر میں پھیلے سناٹے کو انہوں نے بری طرح محسوس کیا اور دھیان بٹانے کی خاطر ڈائننگ ٹیبل پر رکھی سیاہ ڈائری اٹھا کر دیکھنے لگے جس کے صفحے سفید سے اب زردی مائل ہو چکے تھے وہ اپنی وضع سے بہت پرانی معلوم ہوتی تھی۔

اس لئے کوئی زیادہ نہیں رکتا ہے یہاں
لوگ کہتے ہیں میرے دل پہ تیرا سایہ ہے

باقی کے سارے صفحات خالی تھے ان کا دل ایک لمحے کے لئے ڈوب کر ابھرا۔

چائے کی برسوں پرانی وہی مخصوص خوشبو آج ایک مدت بعد ان کے نتھنوں سے ٹکرائی

تھی۔

''آج بھی تمہاری چائے میں وہی ذائقہ ہے۔'' وہ ایک سپ لے کر خوشدلی سے مسکرائے۔

''ہاں اور یاد ہے اس چائے پر میں تم سے کتنا جھگڑا کرتی تھی کہ میری آدھی سے زیادہ عمر تو اس چائے کے چکر میں نکل جائے گی۔'' اس کی آنکھوں میں ست رنگی یادوں کے تار جھلملائے تھے ابراہیم نے لب بھینچتے ہوئے سر جھکا لیا۔

انہیں یاد تھا وہ دن میں سات مرتبہ اس سے چائے بنوا کر پیا کرتے تھے اور اس کے بعد سے پھر انہوں نے آج تک بھی چائے نہیں پی تھی۔

''تمہاری فیملی کہاں ہے؟'' انہوں نے دانستہ بات بدل دی۔

جس پر وہ خاموش بیٹھی اپنے ہاتھوں کو گھورتی رہیں ابراہیم پہلے تو منتظر نگاہوں سے انہیں دیکھتے رہے پھر جب یہ دورانیہ کافی طویل ہو گیا تو گہری تشویش میں مبتلا ہو کر اسے دیکھا۔

''ثنابیل!''

''میں اکیلی ہوں۔'' بے تاثر لہجہ، سپاٹ انداز۔

''جو چاہا وہ ملا نہیں اور جو ملا اسے میں اپنا نہیں سکی۔'' وہ اب اطمینان سے چائے پینے لگی تھیں اور ابراہیم کو اپنا اطمینان رخصت ہوتا محسوس ہو رہا تھا وہ کچھ بے چین سے ہو کر بولے۔

''تمہارا شوہر؟'' اتنا تو انہیں بھی یاد تھا کہ اس کی شادی ہوئی تھی۔

''اس نے شادی کے چھ ماہ بعد مجھے چھوڑ دیا تھا۔''

''کیوں؟'' انہیں اپنے دل کی سرزمین پر درد پھیلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

''تمہاری بیوی عورت تھی اس لئے سمجھوتہ کر گئی وہ مرد تھا اس لئے میرے ساتھ محبت پر کمپرومائز نہیں کر سکتا تھا۔'' وہ برتن سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''تم نے اسے بتایا کیوں؟'' وہ بھی اٹھ کر ان کے پیچھے آئے تھے۔

''وہ عمر ہی ایسی تھی۔'' دونوں کپ دھو کر خشک کرنے کے بعد انہوں نے ریک میں سجا دیئے اور جب واپس پلٹیں تو وہاں کوئی نہیں تھا۔

جبکہ اس ''کوئی'' نے انہیں بھی قدم آگے بڑھانے ہی نہیں دیئے تھے۔

☆☆☆

کروٹیں بدل بدل کر ان کا جسم دکھنے لگا تھا مگر نیند ہنوز آنکھوں سے روٹھی ہوئی تھی بالآخر وہ اٹھ کر کھڑکی میں آن کھڑے ہوئے سرد ہوا کا جھونکا پیشانی پر بکھرے بالوں سے شرارت کر گیا تھا سردی ہڈیوں میں سرایت کرنے لگی تھی مگر وہ بے حس بنے کھڑے رہے۔

''لوگ کہتے ہیں میرے دل پر تیرا سایہ ہے۔'' اس فقرے کی بازگشت گونج گونج کر دماغ کی دیواروں سے ٹکرا رہی تھی۔

☆☆☆

ثنابیل ان کے تایا ابا کی اکلوتی لاڈلی بیٹی تھی بچپن سے ہی دونوں ایک دوسرے سے منسوب تھے دونوں کو ہی پڑھنے کا جنون تھا سارا گاؤں ان کی مثالیں دیا کرتا تھا، گلی محلے کے لوگ رشک بھری نظروں سے دونوں کو دیکھا کرتے تھے، ابراہیم اس سے سینئر ہونے کی وجہ سے اکثر اسٹڈی میں اس کی ہیلپ کر دیا کرتا تھا دونوں کے مابین دوستانہ فضا قائم تھی لڑنا، جھگڑنا، ہنسی مذاق کی باتیں تھیں۔

مگر چاندنی رات کا وہ پرفسوں ماحول دھڑکنوں میں عجیب سی ہلچل مچا گیا تھا محبت تو وہ اس سے پہلے بھی کرتا تھا مگر اب محبت کا انداز بدل گیا تھا۔

وہ جو کچھ عرصے سے باقاعدہ اماں کے ساتھ جرح کر کے ان شادیوں کو ٹال رہا تھا ان کی بڑی بہن زہرہ تایا ابا کے بڑے بیٹے داؤد کے ساتھ منسوب تھی۔

اب کے گندم کی کٹائی کے فوراً بعد ہاں کہہ دی تو جیسے دونوں گھرانوں میں خوشیوں کی، رنگوں کی، کہکشاؤں کی بارات اتر آئی تھی۔

وہ خوشی خوشی شہر سے شادی کی شاپنگ کر کے واپس لوٹا تو اماں ابا کے چہرے اترے ہوئے تھے۔

''کیا ہوا اماں!'' وہ ان کے پائنتی آ بیٹھا، اماں نے روتے ہوئے بتایا۔

''داؤد نے ہماری زہرہ کو بیاہنے سے انکار کر دیا ہے۔'' تو اس کا دل جیسے تھم سا گیا تھا لیکن اماں کا اگلا انکشاف اس کے سر پر آسمان گرا گیا تھا۔

''میں بھی ثنابیل کا رشتہ ختم کر آئی ہوں۔''

''مگر اماں اس میں اس کا کیا قصور ہے۔'' وہ کتنی ہی دیر بعد بولنے کے قابل ہوئے تو اماں چمک کر بولیں۔

''تو کیا سارا قصور اس کرموجلی کا ہے۔'' ان کا اشارہ زہرہ کی جانب تھا۔

''کان کھول کر سن لے ابراہیم وہ لڑکی اب بیاہ کر اس گھر میں نہیں آئے گی۔'' وہ اپنا حکم سناتی اٹھ کھڑی ہوئیں ابا کا بھی یہی فیصلہ تھا بھائیوں کے رشتے میں ڈراڑ پڑ چکی تھی تایا ابا نے اپنی زمینیں بیچ کر گھر چھوڑ دیا۔

اور وہ ثنابیل کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکے تھے اور اب یہ خیال سوہان روح تھا کہ ان کی خاطر وہ آج بھی تنہا ہیں اس کے گھر ٹوٹنے کا ذمہ دار وہ خود کو ہی تصور کر رہے تھے۔

☆☆☆

''مجھے تم سے ایک بات کرنا تھی۔'' ناشتے کی میز پر انہوں نے ضمیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تو وہ ہاتھ روک کر مؤدبانہ سا ان کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''جی ابا جان!'' وہ کچھ لمحوں کے لئے تذبذب میں پڑ گئے، انہیں لگا والدین کی بجائے اولاد سے ایسی بات کرنا زیادہ مشکل ہے۔

''ثنابیل میری کزن ہے، بہت اچھی خاتون ہیں حال ہی میں پرنسپل کے عہدے سے ریٹائر ہوئی ہیں آج کل تنہا ہیں اور میں نے ان کے ساتھ نکاح کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔'' اطمینان سے اپنا فیصلہ سنانے کے بعد ان کے تاثرات دیکھے بغیر وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے آئے ایسا لگ رہا تھا ایک پہاڑ تھا جو سر سے ٹل گیا تھا، مگر یہ ان کی خام خیالی تھی، شام تک سب بچے لاؤنج میں عدالت لگائے ان سے جواب طلبی کے منتظر تھے۔

''ابا جی ہمیں آپ کے اس فیصلے پر سخت اعتراض ہے۔'' بڑے بیٹے نے بات میں پہل کی۔

''اور نہیں تو کیا کچھ ہماری عزت کا خیال ہے آپ کو، لوگ کیا کیا باتیں بنائیں گے مجھے تو سوچ کر ہی شرم آ رہی ہے اب اس عمر میں نکاح کرنے کا کیا تک جواز بنتا ہے۔'' یہ وسیم تھا۔

''اور میں اپنے سسرال والوں کو کیا منہ دکھاؤں گی۔'' صدف کو اپنی گرہستی کی فکر تھی۔

''اگر آپ نے ایسی کوئی احمقانہ حرکت کی تو میں یہ گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔'' ضمیم نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا تو وہ کچھ بھی کہے بغیر گھر سے نکل آئے۔

ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا

☆☆☆

کال بیل پر انگلی رکھے وہ کب سے منتظر کھڑے تھے مگر اندر سے کوئی جواب نہیں آ رہا تھا آخر تھک کر وہ واپس پلٹ آئے لیکن دو چار قدم چلنے کے بعد ان کے دل میں کھٹکا سا ہوا تھا ایک بچے کو دیوار پر چڑھا کر انہوں نے گیٹ کھلوایا اور اندر آنے کے بعد ان کے بدترین خدشات کی تصدیق ہوئی، وہ نیم غنودگی کی حالت میں بستر پر پڑی بری طرح بخار میں تپ رہی تھیں اپنے فیملی ڈاکٹر کو کال کرنے کے بعد وہ کچن میں اس کے دودھ لئے چلے آئے تھے، جبکہ دل اس کی حالت پر کڑھ رہا تھا۔

یہ وہی ثنابیل تھی جس کی ایک چھینک پر سب گھر والے ایک ٹانگ پر کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور تایا ابا کی تو جیسے جان پر بن آتی تھی۔

''ہوا کچھ بھی نہیں اور نخرے دیکھو محترمہ کے۔'' وہ جان کر اسے چھیڑتا۔

''ہاں تو تم کو کون دکھا رہا ہے۔'' وہ خفا ہو جاتی۔

''لیکن میں دیکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ گمبھیر لہجے میں کہتا اس کے قریب آ بیٹھا اور محبت سے اس کا ہاتھ تھام لیا، ثنابیل کو اپنی دھڑکنیں منتشر ہوتی محسوس ہوئی تھیں وہ بے ساختہ پلکیں جھکا گئی۔

''اب بولتی کیوں بند ہو گئی۔'' وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔

''تم مجھے ان بولتی نظروں سے اتنا مت گھورا کرو۔''

''اگر تم ان کی زبان سمجھ سکتی ہو تو جان لو کہ یہ اس چہرے کو ہمیشہ اپنی پلکوں میں مقید دیکھنا چاہتی ہیں۔'' وہ اپنے ہاتھوں سے اصرار کر کہ انہیں دلیہ کھلا رہے تھے جب کچھ یاد آنے پر دو آنسو چپکے سے آنکھوں کی شفاف سطح پر تیرنے لگے۔

''کیا ہوا؟'' انہوں نے ابراہیم کے ہاتھوں پر ہمدردی سے اپنا ہاتھ رکھا تو ابراہیم نے اس کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

''ثنابیل میں تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔'' پل میں فیصلہ ہوا تھا۔

اس کا دل دھک سے رہ گیا وہ ایسی کسی بات کی توقع نہیں کر رہی تھیں۔

''ابراہیم یہ......'' انہوں نے کچھ کہنا چاہا تھا جب ابراہیم نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر ٹوک دیا۔

''زندگی کی چند خوشیوں پر تھوڑا سا حق ہمارا بھی ہے اب انکار نہ کرو ثنابیل، میں تمہیں اس حال میں نہیں دیکھ سکتا میں اس بے نام تعلق کو ایک مقدس رشتے میں مقید کرنا چاہتا ہوں، آؤ مل کر ایک دوسرے کی تنہائیاں بانٹ لیں۔''

''لیکن لوگ کیا کہیں گے۔'' ان کی آنکھوں میں زمانے کا خوف تھا۔

''یہ جو روز ہم بغیر کسی تعلق کے ملتے ہیں اس پر لوگ کچھ نہیں کہتے اور اگر شرعی طور پر ایک رشتہ جوڑ لیں گے تو اس پر لوگ باتیں بنائیں گے ہماری نیک نامی پر حرف آئے گا تو آنے دو مجھے اس کی پروا نہیں۔'' ابراہیم کی صاف گوئی پر وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

پھر سوچا کہ وہ ٹھیک ہی کہہ رہا ہے اور اگلے ہی پل اس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا، پہلے اس نے مل کر کھویا تھا اب کی بار پا کر کھونا نہیں چاہتی تھیں صدیوں کے انتظار کے بعد تو وصل کی شب آئی تھی اور ان کے لئے تو وصال یار کا یہ ایک حسین پل ہی تمام عمر کا حاصل تھا۔

☆☆☆

ستاروں کے آئینے میں

دُرِشجر

GEMINI

برج جوزا

سیارہ عطارد

22 مئی تا 21 جون

نام کے پہلا حرف	ق۔ک
نشان	جڑواں بچہ
عنصر	ہوا
مبارک دن	بدھ
خوش بختی کا ہندسہ	5

دوسرے بروج سے تعلقات

بہترین	میزان، دلو
بہتر	سرطان، حمل، اسد، ثور
غیر یقینی	سنبلہ، قوس، حوت
غیر جانب دار	عقرب اور جدی

جوزا افراد کا حاکم سیارہ عطارد پارے کی علامت ہے، جوزا افراد پارے کی طرح ہر دم متحرک اور بے چین ہوتے ہیں، ان کی حرکات برجستہ، فوری اور روانی کی ساتھ ہوتی ہیں، یہی حال ان کے دماغ کا ہوتا ہے، ان کا دماغ روشنی کی سی رفتار کے ساتھ ایک موضوع سے دوسرے موضوع کی طرف چھلانگ لگا سکتا ہے، وہ دائرہ البروج کے ذہین ترین افراد میں شمار ہوتے ہیں اور وہ ہر شے میں بھرپور دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں، تاہم وہ اکثر منطق اور قوت فیصلہ کی کمی کا شکار ہوتے ہیں، وہ اکثر معلومات کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں لیکن انہیں عملی استعمال میں لانے کے لئے عقل سلیم استعمال کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

اکثر لوگ جوزا افراد کی تیزی کا ساتھ نہیں دے سکتے وہ اپنی ذہنی پرواز کے دوران اشیاء کی جس وسیع رینج سے گزرتے ہیں، اس میں ان کا کوئی ساتھ نہیں دے سکتا، یہ خصوصیات ان کی حاضر دماغی کے ساتھ مل کر انہیں بہت اچھا مقرر بنا دیتی ہیں، وہ بہت کم کسی بحث میں شکست کھاتے ہیں۔

جس طرح پارے کے نیچے گرائیں تو وہ بکھر جائے گا، اسی طرح جوزا افراد اپنی توانائیوں کو منتشر کر لیتے ہیں، بہت زیادہ دلچسپیاں، بہت زیادہ دماغی مصروفیات انہیں کئی ٹکڑوں میں بانٹ

کررکھ دیتی ہیں۔

متلون مزاج:۔

جوزا افراد من موجی ہوتے ہیں اور جوان کے جی میں آئے کرکے رہتے ہیں، ان کی اچانک اور غیر عقلی تبدیلیاں ان کے متعلقین کو پاگل کرکے رکھ دیتی ہیں تاہم وہ بخوبی جانتے ہیں کہ وہ کیا کررہے ہوتے ہیں اور اگر آپ ان کی تقلید کریں تو کم از کم آپ کی زندگی بوریت کا شکار نہیں ہوگی، وہ اپنے اندر کی آواز کو غور سے سنتے ہیں جو انہیں کسی عمل پر مجبور کرتی ہے۔

اعصابیت کا شکار:۔

جوزا افراد ریس کے کسی گھوڑے کی طرح اعصاب زدہ ہوتے ہیں، وہ کسی مرد میدان کی طرح کارزار حیات میں ہر دم تازہ نظر آتے ہیں، وہ یہ نہیں جانتے کہ انہوں نے کب ایکشن لینا ہوتا ہے، کیونکہ وہ ہمہ وقت ایکشن میں مصروف ہوتے ہیں، ہر دم ہوشیار باش ہونے کی وجہ سے وہ چھوٹے چھوٹے فوائد کو نظر انداز کرجاتے ہیں لیکن دوسری طرف ان میں امید پرستی پیدا ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ادراک کے جذبات جو کہ مہم جویانہ شخص کے لئے نہایت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، جب وہ اس موڈ میں ہوتے ہیں تو کسی قسم کے منفی جذبات ان پر حاوی نہیں ہوتے۔

تفریحی، تحریکی:۔

جوزا افراد دوسروں کو تفریح مہیا کرکے خوش ہوتے ہیں، اپنے ثور اور سرطان بھائیوں کے برعکس، جن کی دلچسپی محض خوش خوراکی ہوتی ہے، جوزا افراد خوراک خود بننے کی کوشش کرتے ہیں، وہ اپنی ذات میں انجمن ہوتے ہیں، وہ پرکشش، حاضر جواب اور فصاحت و بلاغت سے مالا مال ہوتے ہیں، وہ کسی بھی پارٹی کے روح رواں ثابت ہوتے ہیں، جب ان کے مہمان رخصت ہوتے ہیں، تب وہ سکون و اطمینان سے بیٹھتے ہیں۔

باتونی:۔

جوزا افراد دائرہ البروج میں سب سے زیادہ باتونی ہوتے ہیں، وہ فلموں، ٹیلی ویژن، سٹیریو، کمپیوٹرز، لائبریریز، غرضیکہ ہر شے جو معلومات کے مستقل تبادلے کی سہولت فراہم ہوتی ہے، کو پسند کرتے ہیں، جب خبریں وقوع پذیر ہورہی ہوں تو وہ ان کے زیادہ سے زیادہ قریب رہنے کی کوشش کرتی ہے، اگر وہ اپنے اخذ کردہ حقائق کو جمع کریں تو وہ ایک شاندار قسم کے رپورٹر ثابت ہوسکتے ہیں۔

ٹیلی فون جوزا افراد کی شخصیت کی ایک قسم کی توسیع ہے، وہ کسی دوست سے باتیں کرنے کے دوران بھی کئی قسم کے امور سرانجام دے سکتے ہیں، اپنے تیز ادراک ذہن کی بدولت اور اگلا نکتہ حاصل کرنے کی خواہش کے لئے وہ اکثر اپنے مخاطب کی بات میں مداخلت کرتے رہتے ہیں۔

ہوشیار، ذہین، پرکشش:۔

جوزا افراد اپنی عقل و خرد کی بدولت زندہ رہتے ہیں، اگرچہ صورتحال ناممکن نظر آرہی ہو، وہ فوری اور قابل عمل حل تلاش کرلیتے ہیں، وہ اپنی ذہنی قابلیتوں پر فخر کرتے ہیں اور قسمت کے پہیے کو اپنے مفاد میں گھمانے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

ان کی حاضر جوابی اور بذلہ سنجی نے کئی بور قسم کی ڈنر پارٹیوں کو بچایا ہے، ان کی بصیرت گہری اور ٹو دی پوائنٹ ہوتی ہے، الفاظ ان کے لئے خود بخود راستہ ہموار کرتے رہتے ہیں، جس بات کو محسوس نہیں کرتے، وہ اس میں بھی مزاح کا پہلو تلاش کرلیتے ہیں، ان کی حاضر جوابی پوری محفل کو کشت زعفران بنا دیتی ہے، حاضر جوابی میں کوئی شخص ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

غیر مستقل مزاج، ناقابل پیشگوئی:۔

جوزا افراد کے بارے میں کوئی حتمی پیش گوئی کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، وہ زندگی کی دوڑ میں سب سے آگے نظر آتے ہیں، ان سے جس مستقل بات کی توقع کی جاسکتی ہے وہ غیر متوقع بات ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ خود نہیں جانتے یا جاننا نہیں چاہتے کہ ان کا اگلا مقام کیا ہوگا، اگر مستقبل کے بارے میں علم نہ ہو تو زندگی بہت پرجوش ہوجاتی ہے، جوزا افراد سے بھی یہ توقع نہ کیجئے کہ وہ کسی ایک جگہ ٹک کر بیٹھے رہیں گے، وہ ہمیشہ پنڈولم کی طرح حرکت کرتے رہتے ہیں۔

ورسٹائل:۔

جوزا افراد کسی بھی کام کے بارے میں کوشش کرکے اس میں ترقی حاصل کرسکتے ہیں، ان کی ذات کے نہاں خانوں میں کوئی نہ کوئی مہم جوئی چھپی ہوتی ہے، ان کا ورسٹائل انداز انہیں چیزوں کو سرعت کے ساتھ سیکھنے کی طرف راغب کرتا ہے اور وہ مختصر عرصہ میں ضروری مہارتیں حاصل کرنے کے قابل ہوجاتے ہیں، جب کوئی شے ان کے لئے نئی ہے تب تک وہ ان کی کشش کا باعث بنی رہتی ہے، جب کوئی پراجیکٹ ان کی دلچسپی کھو بیٹھتا ہے تو وہ اسے ختم کرکے کوئی نیا پراجیکٹ شروع کرلیتے ہیں، چونکہ وہ تھوڑی سی توجہ سے ہی کسی چیز کے بارے میں جاننے لگ جاتے ہیں اس لئے جب کسی چیز میں ان کے لئے جدت نہ رہے تو وہ ان کے لئے بور ہوجاتی ہے، وہ بوریت کی نسبت موت کو ترجیح دیتے ہیں۔

مہم جوئی:۔

سیارہ عطارد کے زیر تسلط، عنصر ہوا اور ماہیت ذوجسدین ہونے کی بنا پر وہ بھاگ دوڑ کو پسند کرتے ہیں، وہ بچپن میں دوڑ لگانے، بائیسکل کی ریس لگانے اور مہم جوئی کو بے حد پسند کرتے ہیں، جوانی میں وہ مستقل سیاح بن جاتے ہیں اور کسی غیر ملکی بندرگاہ پر بھی اسی قدر آرام محسوس کرتے ہیں جس قدر اپنے آراستہ و پیراستہ اپارٹمنٹ میں، وہ گاؤں کی بجائے شہر کے ماحول میں زیادہ خوشی محسوس کرتے ہیں، شہر میں ٹریفک کا شور، شاپنگ کی رونقیں، عجائب گھر اور آرٹ گیلریز، تمام چیزیں انہیں دیہات کے سنجیدہ ماحول کی نسبت زیادہ جوش و خروش کی پیشکش کرتی ہیں۔

آزادی پسند:۔

جوزا افراد کی سب سے اہم ملکیت ان کا احساس آزادی ہوتا ہے، وہ آزاد اور خود مختار رہنا پسند کرتے ہیں، اگر کوئی ان کے دل و دماغ یا وقت پر ملکیت کا حق جتانا شروع کردے تو وہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں، وہ فضول باتوں اور کاموں میں وقت ضائع کرسکتے ہیں لیکن اس کا اختیار اپنے پاس رکھتے ہیں، دوسروں کے پاس نہیں، ہوا کی کوئی حدود نہیں ہوتی، اسی طرح جوزا افراد بھی حدود و قیود کو زیادہ پسند نہیں کرتے، وہ ہوا کی

طرح ہی ہلکے پھلکے اور آزاد رہنا پسند کرتے ہیں۔

فراخ ذہن:۔

ہر کہانی کے دو رخ ہوتے ہیں یا کم از کم جوزا افراد یہی سمجھتے ہیں، چنانچہ وہ سکے کے دونوں رخ دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں اور کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے دونوں قسم کی آراء سنتے ہیں، اپنی ذہنی پروازوں کے باوجود اپنے فیصلہ میں انصاف سے کام لیتے ہیں، وہ بہت کم باتوں کو ذاتی حوالہ سے دیکھتے ہیں بلکہ وہ اکثر افعال کو ایک سٹیج پر عمل پذیر ہوتے دیکھتے ہیں جو کہ ان کے عمل دخل سے دور ہوتے ہیں۔

دوہرا دماغ، استفسارانہ ذہن:۔

جوزا افراد ایک ایسے دماغ کے مالک ہوتے ہیں جو ان کے جسم سے بھی آگے ہوتا ہے حتیٰ کہ ان کا قلم بھی ان کے خیالات کا ساتھ دینے سے قاصر رہتا ہے، دراصل ایک بار ان کا دماغ حرکت میں آجائے تو ان کے لئے اسے ٹھہرانا مشکل ہو جاتا ہے، ان کے دماغ کا پہیہ ہمیشہ گردش میں رہتا ہے خواہ اسے روکنے کے لئے انہیں کتنی ہی تگ و دو کرنی پڑے، بے خوابی، انتشار، غلطی اور اعصابی تکان...... دماغ کو کنٹرول نہ کرنے کا نتیجہ ثابت ہوتے ہیں۔

ان کی شخصیت ایک معجزہ ہوتی ہے، ان کی دوہری فطرت انہیں ایک طرز سے سوچنے اور دوسری طرز سے عمل کرنے پر مجبور کرتی ہے، ایسا کرنا ان کے لئے تو کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کرتا لیکن ان کے ساتھ یار دوست اپنا سر پیٹ کر رہ جاتے ہیں اور یہ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔

غیر عملی:۔

جوزا افراد دوسروں کی طرف سے خود پر مسلط کر دیا پابندیوں کو توڑنے کے لئے کافی وقت صرف کرتے ہیں، محبت اور شادی کی شرائط اور نازک دھاگے ان کی برداشت سے باہر ہوتے ہیں، وہ محبت خوشی سے کرتے ہیں لیکن اس محبت کو انہیں کسی روٹین کا پابند کرنے یا کسی ذمہ داری میں جکڑنے کے لئے استعمال نہ کریں، وہ کسی بھی رشتہ کو اتنی ہی آسانی سے توڑ سکتے ہیں جس آسانی سے انہوں نے جوڑا تھا۔

پُرشباب و توانا:۔

جوزا افراد عمر کو خاطر میں نہیں لاتے اور اپنا بچگانہ، معصومانہ تاثر برقرار رکھتے ہیں، ان کے کردار کے اس پہلو کو دیکھا جائے تو ان کی محبت کی صلاحیت بے حد و حساب ہوتی ہے، یہی چیز انہیں پرشباب و توانا رکھنے میں مدد و معاون ثابت ہوتی ہے، دراصل ان کی زندگی میں بہت کم وقت ایسا آتا ہے جب وہ محبت میں مبتلا نہیں ہوتے۔

جوزا افراد اپنے آپ کو جوان رکھنے کے لئے کئی جتن کرتے ہیں، وہ اپنے چھریرے بدن کو پسند کرتے ہیں اور اپنی خوراک پر خاص توجہ دیتے ہیں، وہ عمدہ جلد کے مالک ہوتے ہیں اور اس کی حفاظت پر خاطر خواہ توجہ دیتے ہیں، ان کا لباس اس طرز کا ہوتا ہے کہ وہ اپنی عمر سے کئی سال کم نظر آتے ہیں۔

ڈرامائی شخصیت:۔

جوزا افراد زندگی میں ڈرامائی کیفیات کی تلاش میں رہتے ہیں، وہ زندگی میں ایکشن، ڈائیلاگ اور جوڑ توڑ کو پسند کرتے ہیں، جب زندگی ان کے لئے مشکلات کے پہاڑ کھڑے کرتی ہے تو ان پر قابو پانے کی کوشش میں وہ

بہت تیزی سے بہت کچھ سیکھتے ہیں، وہ اظہار ذات بالخصوص اپنی تحریروں میں بھی ڈرامائی انداز اختیار کرتے ہیں، ان کے خطوط پڑھ کر آپ کو احساس ہوگا جیسے وہ آپ کے سامنے بیٹھے آپ سے باتیں کر رہے ہوں۔

ارتکاز کی کمی:۔

اگر آپ نے کسی جوزا افراد کے ساتھ ایک ہفتہ پہلے ملاقات کا وقت طے کر رکھا ہو تو مطلوبہ تاریخ کی صبح اسے اس ملاقات کے بارے میں یاددہانی کرانا نہ بھولئے گا کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مذکورہ ملاقات اس کے ذہن سے نکل گئی ہو، اگرچہ اس نے کیلنڈر کو بھی نشان زد کر دیا ہو لیکن عین ممکن ہے کہ وہ اس روز کیلنڈر پر نظر ڈالنا ہی بھول جائے۔

موقع پرست:۔

جوزا افراد حال مست ہوتے ہیں، وہ تبدیلی اور اس کی نوعیت کے بارے میں اس قدر آگاہ ہوتے ہیں کہ جونہی کوئی موقع پیدا ہوتا ہے، وہ فوراً سے پیشتر اس سے استفادہ کرتے ہیں، وہ مناسب انتخاب کے لئے کم از کم دو مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں اور جو انتخاب کرتے ہیں وہ ان کے بہترین مفاد میں ہوتا ہے۔

جوزا عورت

جوزا عورت کا برج ہوا کی نمائندگی کرتا ہے اور وہ خود بھی متحرک اشیاء کو پسند کرتی ہے، اگر ماحول پر سکوت طاری ہو جائے تو وہ الجھن محسوس کرتی ہے، جوزا عورت پورے منطقۃ البروج میں سب سے زیادہ تیز کہی جا سکتی ہے۔

جوزا عورت دوست بڑی آسانی کے ساتھ بناتی ہے اور کبھی کبھار ہی نئے دوستوں کے بغیر ہوتی ہے، اس کی ذہانت و باتونی پن اور گھومنے پھرنے کی عادت اس چیز کی ضمانت ہے کہ وہ ہمیشہ ہجوم دوستاں میں گھری پائی جائے گی، وہ اتنی وسیع القلب ہے کہ اس کی موجودگی میں ہر شخص قابل قبول بن جاتا ہے، وہ کسی بھی شخص سے، کسی بھی وقت اور کسی بھی شے کے بارے میں گفتگو کر سکتی ہے، جس قدر کوئی شخص آزاد خیال اور تخلیقی صلاحیتوں کا حامل ہوگا، اسی قدر جوزا عورت سے اس دوستی کے امکانات زیادہ ہوں گے، وہ انفرادیت وسعت اور گلیمر کو پسند کرتی ہے۔

اگر آپ اپنی پارٹی میں ہلا گلا چاہتے ہیں تو جوزا عورت کو دعوت دے ڈالیں، وہ بہت جلد مہمانوں میں گھل مل جائے گی اور ہر قسم کی پارٹی میں موقع کی مناسبت سے کردار ادا کرے گی۔

محبت میں جوزا عورت خود کو ساتویں آسمان پر محسوس کرتی ہے اور وہ پہلے سے زیادہ تیزی اختیار کر لیتی ہے، جس کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ محبت میں اسے اپنے انفرادیت کے کھو جانے کا خدشہ لاحق ہوتا ہے، وہ اپنے محبوب کے لئے شعر کہنا اور خطوط ارسال کرنا پسند کرتی ہے اور اپنے محبوب کے پہلو میں بیٹھی اسے کوئی عشقیہ غزل سنا رہی ہوتی ہے تو اس کا ذہن اس پہلو پر سوچ رہا ہوتا ہے کہ اس تعلق کو ہمیشہ کے لئے کیونکر قائم رکھا جا سکتا ہے۔

اس کے محبوب کو ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ آج وہ اپنے محبوب کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہی ہو اور کل اس کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہ کرے۔

☆☆☆

حسن مطالعہ

تحریم محمود

القرآن

O اور اگر کتاب والے ایمان لاتے اور پرہیز گاری کرتے تو ضرور ہم ان کے گناہ اتار دیتے اور ضرور انہیں سکون کے باغوں میں لے جاتے۔ (سورۃ المائدہ ۶۵)

O اور اسے سننے والے اگر تجھے کچھ شبہ ہو اس میں جو ہم نے تیری طرف اتارا تو ان سے پوچھ دیکھ جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھنے والے ہیں، بے شک تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آیا تو، تو ہر گز شک کرنے والوں میں نہ ہو۔ (سورۃ یونس ۹۴)

O کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان و زمین حق کے ساتھ بنائے، اگر چاہے تو تمہیں لے جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں۔ (سورۃ ابراہیم ۲۰)

O اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالموں کا نقصان ہی بڑھتا ہے۔ (سورۃ اسرائیل ۸۲)

ثمرہ شیرازی، چوکی

فرمان رسولؐ

O حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
''کیا میں تم کو ایسے شخص کی خبر نہ دوں جو دوزخ کے لئے حرام ہے اور دوزخ کی آگ اس کے لئے حرام ہے، سن میں بتاتا ہوں کہ دوزخ کی آگ حرام ہے ایسے شخص پر جو مزاج کا تیز نہ ہو، نرم خو اور لوگوں سے قریب ہونے والا ہو۔'' (ابوداؤد ترمذی)

O حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔
''چار چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص کو مل گئیں اس کو دنیا اور آخرت میں بھلائیاں مل گئیں، دل شکر کرنے والا، زبان ذکر کرنے والی، بدن جو بلا کا صابر ہو اور بیوی جو اپنی جان اور شوہر کے مال میں خیانت نہیں کرتی۔''

O حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ تم دوسروں پر خرچ کرتے رہو، میں تم پر خرچ کرتا رہوں گا۔''

شگفتہ رحیم، فیصل آباد

نعت بحضورؐ

بند آنکھوں اور کھلی میں ہے
ایک منظر ہر گھڑی آنکھوں میں ہے
کس قدر آسودگی آنکھوں میں ہے
منظر شہر نبیؐ آنکھوں میں ہے
روضۂ اقدس سے ہٹتی ہی نہیں
بے خودی سی بے خودی آنکھوں میں ہے
اک اجالا نور کا ہے چار سو
روشنی ہی روشنی آنکھوں میں ہے
ہو زیارت کا شرف آقا انہیں
اک تمنائے دلی آنکھوں میں ہے
چلو آقا سے سدا مل کر کہیں
دیکھیے کیا دوستی آنکھوں میں ہے
بس یہی موسم رہے یا رب سدا
یہ جو اشکوں کی جھڑی آنکھوں میں ہے
فخر آنکھوں پر نہ ہو تہذیب کیوں
وہ جو اک ہستی بسی آنکھوں میں ہے

سباس گل، رحیم یار خان

بکھرے موتی

☆ انسان سارے درندوں سے خطرناک ہے شاید ہی کوئی ایسا درندہ ہو جو خود اپنی جنس کو چیرتا پھاڑتا ہو۔

☆ پھولوں کی خواہش رکھنے والے لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ گلاب کی نرم نرم پتیوں کے نیچے کانٹے بھی ہوتے ہیں۔

☆ بیٹیاں تو سبھی ہیرے جیسی ہوتی ہیں لیکن دوسروں کی آنکھ میں جوہری سی پرکھ بھی ہو۔

☆ دولت کے پیچھے کبھی نہ بھاگنا یہ تمہیں دوڑا دوڑا کر سانس پھلا دے گی اور کون جانے اسے حاصل کرنے کے بعد سانس لینے کی مہلت بھی ملتی ہے کہ نہیں۔

حمیرا رضا، ساہیوال

اقوال زریں

O کسی کی خوشی کی خاطر اپنے ارمانوں کا خون کرنا ایثار کی دلیل ہے۔

O جن لوگوں کے دلوں میں اچھے خیالات آباد ہیں وہ کبھی تنہا نہیں رہتے۔

O زندگی کے ہر قدم پر پھول بکھیرتے جاؤ ایک دن باغ پاؤ گے۔

O اگر تم جینا چاہتے ہو تو اپنے لبوں پر مسکراہٹ کے پھول سجاؤ، یہی تمہاری زندہ دلی کا ثبوت ہے۔

O سب سے بڑی بہادری دشمن کو معاف کر دینا ہے۔

O اگر تم زندگی کی قدر پوچھنا چاہتے ہو تو آخری سانس لینے والے سے پوچھو۔

O ہمیں چھوٹی چھوٹی باتوں پر مضطرب نہیں ہونا چاہیے، انہیں حقیر سمجھ کر بھلا دینا چاہیے، یاد رکھیے زندگی اس قدر مختصر ہے کہ اسے مزید چھوٹا بنانا ناممکن ہے۔

مصباح فیصل، کوہاٹ

خیال افروز باتیں

☆ راستے کی دھوپ اور ویرانی سے ڈرنے والے کبھی منزل تک نہیں پہنچتے۔

☆ سونے کی آزمائش آگ میں ہوتی ہے اور بہادر لوگوں کی مشکلات میں۔

☆ ایک موم بتی سے سبق حاصل کرو جو جل کر دوسروں کو روشنی دیتی ہے۔

☆ بدگمانی خوشیوں کی دشمن ہے۔

☆ بے موقع گفتگو انسان کی قدر گھٹا دیتی ہے۔

☆ اعتبار عمل سے ہوتا ہے لفظوں سے نہیں۔

☆ جو لوگ اللہ کے کاموں میں لگ جاتے ہیں اللہ ان کے کاموں میں لگ جاتا ہے۔

ماریہ عثمان، سرگودھا

حضور اکرمؐ نے فرمایا

☆ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جانا ہر گناہ کو مٹا دیتا ہے سوائے قرض کے۔

☆ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں تھوڑی دیر کے لئے بھی لڑا اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔

☆ ان آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہ چھوئے گی،

ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی اور دوسری وہ جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں نگہبانی کرتے ہوئے بیداری میں رات گزاری۔

☆ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مجھے یہ بہت پسند ہے کہ اللہ کی راہ میں مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر مارا جاؤں۔

☆ زندگی کا بہترین دن وہ ہے جو آپ نے اللہ کی عبادت میں گزارا۔

عائشہ شہباز، لاہور

نماز کی برکت

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سردیوں کے موسم میں باہر تشریف لائے ان دنوں درختوں کے پتے جھڑتے تھے، آپؐ نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑ کر انہیں ہلایا، پتے جھڑنے لگے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اے ابوذرؓ!''

میں نے عرض کی۔

''میں حاضر ہوں اے اللہ کے رسولؐ۔''

رسولؐ نے فرمایا۔

''جب مسلمان بندہ نماز پڑھتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضامندی کا ارادہ کرتا ہے اس سے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔'' (مشکوٰۃ)

ماں کی شان

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، میں نے معراج کی رات میں دیکھا کچھ لوگ آگ کے تنوروں کے اندر لٹکے ہوئے تھے تو میں نے پوچھا۔

''اے جبرائیلؑ یہ کون لوگ ہیں؟''

تو حضور کو جواب ملا کہ ''یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے ماں باپ کو گالیاں دیتے تھے، سب سے زیادہ عذاب قیامت کے دن تین آدمیوں کو ہوگا۔''

''(۱) مشرک، (۲) زانی، (۳) ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا۔''

ماہ رخ آصف، خانیوال

خوشبو کا دریا

O جیو اور جینے دو۔

O آدم زاد تو نے خود کو اپنی دہکائی دوزخ میں کیوں دھکیل دیا۔

O کس نے تقاضا کیا ہے اپنے منہ کا نوالہ نکال کر سامنے والے کو دے دے؟

O کون کہتا ہے کہ تو اپنا مال ومتاع کسی کے حوالے کر دے؟

O تیرے پاس تیرے دل کی دنیا ہے اس میں باغ کیوں نہیں لگاتا؟

O دل کے حسین زمانے رشک وحسد میں کیوں گنوا رہا ہے؟

O تجھے اپنی خوشی سے زیادہ دوسروں کے دکھوں کی طلب کیوں ہے؟

O تجھ سے کوئی پیغمبری کے بوجھ اٹھوا رہا ہے؟

O یہ تو نے کس کے کہنے پر دوسرے کی زندگی میں آگ لگانے کو لکڑیوں کے گٹھے کا بوجھ اٹھایا ہے۔

O تجھے اپنی آنکھوں میں خوشی کی چمک کے بجائے دوسرے آدم زاد کی آنکھوں میں آنسو کی دھند کیوں پسند ہے؟

O گڑھے کیوں کھودتا ہے؟ تیرا اپنا پاؤں پہلے پھسل سکتا ہے۔

O آگ لگا رہا ہے تیرے اپنے ہاتھ جل سکتے ہیں۔

O دل دکھا رہا ہے مکافات عمل کا ترازو وہ سامنے ہی تو جھول رہا ہے۔

O بے حس بن رہا ہے تو کیا کائنات تیرے اشارے پر سو جائے گی۔

O بنتی بات بگاڑ رہا ہے، تو کیا تیری اپنی بات بن جائے گی۔

O لکھی مٹا رہا ہے تو کیا مٹ جائے گی؟

O جینے کے اتنے اہتمام کیا موت نہیں آئے گی؟

نسرین خورشید، جہلم

اخفائے راز

ایک خلقت میدان میں جمع تھی، میدان ایک سرے پر جنازہ نماز کے لئے تیار تھا، ہندوستان کے بہت بڑے بزرگ اور ولی دوراں انتقال فرما چکے تھے، ہر سمت لوگوں کا ایک جم غفیر نظر آتا تھا، ہر شخص غم واندوہ کی تصویر بنا ہوا تھا، یکا یک جنازے کے قریب ایک شخص نے بلند آواز میں انتقال فرمانے والے بزرگ کی وصیت پڑھنا شروع کر دی۔

''میری نماز جنازہ وہ شخص پڑھائے جس نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی نماز قضا نہ کی ہو۔''

وصیت سن کر ہزاروں کی اجتماع پر سکوت طاری ہو گیا، تین مرتبہ یہی وصیت دہرائی گئی مگر ہر شخص ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

کافی دیر گزر گئی لیکن اتنے بڑے مجمع میں کوئی شخص اس شرط کو پوری کرتا نظر نہ آیا، آخر کار ایک شخص کھڑا ہوا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا جنازے تک پہنچا۔

نماز جنازہ پڑھانے کے بعد اس شخص نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھا اور صرف ایک ذو معنی جملہ کہا۔

''مرنے والے مر گئے، دوسروں کا راز فاش کر گئے۔''

انتقال فرمانے والے بزرگ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ اور نماز پڑھانے والے بادشاہ وقت حضرت شمس الدین التمش تھے۔

صائمہ ابراہیم، فیصل آباد

فانی

ایک دن خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے سبز خلعت اور سبز عمامہ پہنا، آئینہ دیکھا اور اپنی وجاہت بھلی معلوم ہوئی، کہنے لگے۔

''میں کیسا خوبرو اور نوجوان بادشاہ ہوں۔''

پاس ہی اس کی لونڈی کھڑی تھی، خلیفہ نے دیکھا کہ اس کی بات پر لونڈی کے ہونٹ ہلے، وہ پوچھنے لگا۔

''بتا تو نے کیا کہا ہے؟''

لونڈی نے چند اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا، تو بہترین متاع ہے، کاش باقی رہتا مگر کوئی انسان باقی نہیں رہتا، جہاں تک میں جانتی ہوں تجھ میں کوئی عیب نہیں، سوائے اس کے کہ تو فانی ہے۔''

اس کے بعد سلیمان صرف ایک ہفتہ زندہ رہا اور بخار اس کی موت کا سبب بنا۔

صائمہ مظہر، حیدر آباد

تم سے بچھڑ کر

تمہیں خبر نہیں کہ
تم سے بچھڑ کر میرا دن
چناب کے خشک ساحل کی مانند
کئی دراڑوں میں بٹ گیا ہے

☆☆☆

جل رہی ہے آگ میں سارے دلوں کی بستیاں
مستقل موسم یہاں پر بارشوں کا چاہیے
دوستو تیرہ شبوں کو زیر کرنے کے لئے
شہر میں لشکر کوئی تو جگنوؤں کا چاہیے

....

کون ملتا ہے صرف محبت کے طفیل
وہ بچھڑ جائے تو اس کو ہی حقیقت جانو
اک نفس بھی تو نہیں عشق کا رستہ عادل
ایک لمحے کی محبت کو غنیمت جانو
نعیمہ بخاری ---- اٹک
میں بھی خوش نہیں وفا کرکے
تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

....

وہ خیال تھا وہ خواب تھا وہ شخص تو اک سراب تھا
جسے جھیلا میں نے عمر بھر وہ چاہتوں کا عذاب تھا
ہم جہاں بھی گئے اس کی مہک ساتھ رہی
وہ پھول تھا وہ خوشبو تھا وہ مہک تھا گلاب تھا

....

پھر چاک زندگی کو رفو گر ملا کہاں
جو زخم ایک بار کھلا پھر سلا کہاں
فاعذہ عبدالمنان ---- کراچی
لو آج ہم نے توڑ دیا رشتہ امید
لو اب کسی سے کوئی گلہ نہ کریں گے ہم

....

ہم شیخ نہ لیڈر نہ مصاحب نہ صحافی
جو خود نہیں کرتے وہ نصیحت نہ کریں گے

....

زندگی کے شب و روز کے آنگن سے
دبے پاؤں جو گزر جائے وہ سال اچھا ہے
ثمرین زاہرہ ---- اوکاڑہ
غم بھی دیے تو یوں کہ نہ واپس لئے کبھی
ان کی ہماری ذات پہ احساں ہی رہے

....

کئی زمانے میں اپنی کڑی شکست کے بعد
خود اپنے ٹوٹے ہوئے بازوؤں میں قید رہا

....

تم سے ملے بھی ہم تو جدائی کے موڑ پر
کشتی ہوئی نصیب تو دریا نہیں رہا
کہتے تھے ایک پل نہ جئیں گے تیرے بغیر
ہم دونوں رہ گئے ہیں وہ وعدہ نہیں رہا
عتیقہ منیر ---- سیالکوٹ
ابتدا سے تربیت کوئی کرتا ہے ورنہ
آدمی اذیت کے موسموں میں مر جائے

....

ٹوٹ جاتے ہیں سبھی رشتے مگر
دل سے دل کا رابطہ اپنی جگہ
دل میں تجھ کو نہ ملنے کا یقیں
تجھ کو پا لینے کی دعا اپنی جگہ

....

اپنی ہر ایک شام ہر ایک رات بیچ کر
اب آ گیا ہے جینا ہمیں ذات بیچ کر
ہم بھی ہیں عجب کہ کڑی دھوپ کے تلے
صحرا خرید لائے ہیں برسات بیچ کر
نمرہ سعید ---- اوکاڑہ
میں پونچھ تو سکتا تھا اس آنکھ کے آنسو
مگر وہ شبنمی تحریر مجھے عزیز بہت تھی

....

بادباں کھلنے سے پہلے کا اشارہ دیکھنا
میں سمندر دیکھتی ہوں تم کنارہ دیکھنا
ایک مشت خاک اور وہ بھی ہوا کی زد میں ہے
زندگی کی بے بسی کا استعارہ دیکھنا

....

جو ساری عمر مجھ سے دور دور چلتا رہا
وہ آس پاس یوں بکھرا ہے جیسے خوشبو ہو
بس اس امید پر خوابوں میں عمر کاٹی ہے
میں آنکھ کھول کر دیکھوں تو سامنے تو ہو
صائمہ سلیم ---- گجرات
یقین نہ ہو تو ایک بار پوچھ کر دیکھو
جو ہنس رہا ہے وہ زخموں سے چور نکلے گا

....

کاش عمر رواں ٹھہر جائے
کوئی مڑ مڑ کے دیکھتا ہے مجھے
آندھیوں میں بکھیر کر وہ شخص
رہگزاروں سے پوچھتا ہے مجھے

....

لب خاموش سے اظہر تمنا چاہیں
بات کرنے کو بھی تصویر کا لہجہ چاہیں
تو چلے ساتھ تو آہٹ بھی نہ ہونے پائے
درمیاں ہم بھی نہ ہوں یوں تجھے تنہا چاہیں
طاہرہ رحمان ---- بہاول نگر
اپنی کسی ادا کے حوالے سے دے صدا
میں کھو چکا ہوں اہل محبت کی بھیڑ میں

....

سفر کو نکلے تھے ہم جس کی رہنمائی پر
وہ ایک ستارہ کسی اور آسماں کا تھا
جسے ہم اپنی رگ جاں بنائے بیٹھے تھے
وہ دوست تھا مگر اک اور مہرباں کا تھا

....

کسی نے کب ہمیں جینے کا اختیار دیا
تجھے اجل نے مجھے زندگی نے مار دیا
کسی سے عشق کا اظہار میں کرتا تھا
خبر نہیں کہ وہ لمحہ کہاں گزار دیا
نازیہ جمال ---- چکوال
ہم کو شاہوں سے انصاف کی توقع تو نہیں
آپ کہتے ہیں تو زنجیر ہلا دیتے ہیں

....

عجب شخص تھا بارش کا رنگ دیکھ کے بھی
کھلے دریچے پہ اک پھول دان چھوڑ گیا
جو بادلوں سے بھی مجھ کو چھپائے رکھتا تھا
پڑی ہے دھوپ تو بے سائبان چھوڑ گیا

....

منزل نہ دے چراغ نہ دے حوصلہ تو دے
تنکے کا ہی سہی تو مگر آسرا تو دے
بے شک میرے نصیب میں رکھ اپنا اختیار
لیکن میرے نصیب میں کیا ہے بتا تو دے
شگفتہ رحیم ---- فیصل آباد
میں ضبط غم کے قرینوں سے آشنا تھا مگر
کسی کی آنکھ کا آنسو بہا گیا مجھ کو

....

یہ بھی سچ ہے کہ نہیں کوئی رشتہ تجھ سے
جتنی امیدیں ہیں وابستہ ہیں تنہا تجھ سے
یہ الگ بات تجھے ٹوٹ کے چاہا لیکن
دل بے مایا نے کچھ بھی نہیں چاہا تجھ سے

....

اشکوں میں جو پایا ہے وہ گیتوں میں رہا ہے
اس پر بھی سنا ہے کہ زمانے کو گلہ ہے
جو تار سے نکلی ہے وہ دھن سب نے سنی ہے
جو ساز پہ گزری ہے وہ کس دل کو پتا ہے
ثمرہ شیرازی ---- چوکی
میں ایک ذرہ بلندی کو چھونے نکلا تھا
ہوا نے تھم کے زمیں پہ گرا دیا مجھ کو

....

بس یہ ہوا کہ اس نے تکلف سے بات کی
اور ہم نے رو رو کے دوپٹے بھگو لئے
تیری برہنہ پائی کے دکھ بانٹتے ہوئے
ہم نے خود اپنے پاؤں میں کانٹے چبھو لئے

☆☆☆

رنگ حنا

بلقیس بھٹی

رنگ حنا

دل خدا نے بنایا وفا، پیار، محبت کے لئے
زندگی خوشیوں کی رونق کے لئے مگر ہم یہ کیوں
نہیں سوچتے ہمارے پاس بھی دل ہے، اگر
ہمارے دل کو کوئی توڑ دے ہم کو احساس ہوگا ہم
اتنے بکھر جائیں گے کہ ہم کو کوئی سمیٹنے والا کوئی ہو
گا، ہم کتنے خود غرض ہو جاتے اپنی خوشی کے لئے،
کسی پیار کرنے والوں کو جدا کر دیتے ہیں۔

وفا عبدالرحمان، راولپنڈی

حقیقت

ایک ماہر نفسیات اپنی خوبیاں زور و شور سے بیان کر رہے تھے۔

"میں کسی بھی شخص پر ایک نظر ڈال کر بتا سکتا ہوں کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہا ہے۔"

"لیکن یہ جان لینے کے بعد آپ کو تو کافی شرمندگی ہوتی ہوگی۔" ایک آدمی نے ان کو ٹوکتے ہوئے کہا۔

ایمان علی، ٹوبہ ٹیک سنگھ

پوری جان

خاوند نے اپنی بیوی سے کہا۔

"تمہیں پتہ ہے کل میری ماں آ رہی ہے اور وہ اناناس پر اپنی آدھی جان چھڑکتی ہے، جب تم بازار جاؤ تو ایک اناناس لیتے آنا۔"

"اچھا پھر تو میں دو اناناس لے آؤں گی۔"

بیوی نے جل کر کہا۔

سدرہ نعیم، شیخوپورہ

تکلیف ہر طرف

کروڑ پتی باپ کے بستر مرگ پر دراز ہونے پر اس کے تینوں بیٹے گفتگو کر رہے تھے، سب سے بڑے نے کہا۔

"میں پاپا کے جنازے کے ہمراہ پوری سو گاڑیاں لے کر جاؤں گا، جوان پھولوں سے لدی ہوں گی جنہیں قبر پر چڑھایا جائے گا۔"

دوسرے نے کہا۔

"ڈیڈی نے اتنی محبت سے دولت کمائی ہے اور تم اسے یوں ضائع کر دو گے میرے خیال میں تین گاڑیاں کافی ہیں۔"

تیسرے نے کہا۔

"بس...... بس زیادہ فضول خرچی کی ضرورت نہیں ہے ایک گاڑی ہی کافی ہے۔"

باپ جو کہ گفتگو سن رہا تھا جل کر بولا۔

"اتنی تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے مجھے کفن پہنا دو، میں خود ہی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا قبرستان چلا جاتا ہوں۔"

شاہدہ اسد، گوجرانوالہ

ساس کی نصیحت بہو کے نام

جو سب میں نے بیٹی کو دیئے وہ مجھے پڑھانے آئی ہے
جو گر اوروں کو سکھائے مجھی پر آزمانے آئی ہے
اس کے پیر کی جوتی ہے تو جس کو میں نے جنم دیا
مجھ سے بنا کر رکھنا تو جب گھر کو بنانے آئی ہے
تین لفظوں میں گھر سے باہر یہ تو ہے اوقات تیری
بیٹے سے تجھی کو پٹوا دوں تو مجھے بھگانے آئی ہے
خود خوش رہنا اور خوش رکھنا یہ تو ہوں اطوار تیرے
ناک میں ایسا دم کروں گی اگر مجھے جلانے آئی ہے

زاہدہ اظہر، حافظ آباد

فیصلہ

کہا اک نوجوان لڑکی نے اپنی سہیلی سے
یہ میرا فیصلہ ہے
کہ جب تک عمر میری بیس سے اوپر نہیں ہوتی
میری شادی نہیں ہوگی
کہا تڑ سے سہیلی نے
مرا بھی فیصلہ سن لے
کسی اسمارٹ سے
جب تک میری شادی نہ ہو جائے
تو میری عمر بھی
انیس سے اوپر نہیں ہوگی

صائمہ مشتاق، جڑانوالہ

دستک

استاد شاگرد سے۔

"دستکاری کسے کہتے ہیں؟"

شاگرد۔

"جو دروازے پر دستک دے اسے دست کاری کہتے ہیں۔"

استاد دوسرے شاگرد سے۔

"لفظ دستک کو جملے میں استعمال کرو۔"

شاگرد۔

"مجھے دس تک گنتی آتی ہے۔"

فضہ بخاری، رحیم یار خان

گدھے

ایک انسپکٹر کو گالیاں دینے کی بہت عادت تھی، ایک دن ڈاکیا خط دینے آیا تو انسپکٹر نے کہا۔

"کس الو کے پٹھے کا ہے؟"

ڈاکیا بولا۔

"جناب آپ کا۔"

انسپکٹر بولا۔

"کس گدھے نے لکھا ہے؟"

ڈاکیا بولا۔

"جناب آپ کے والد نے۔"

دانیا سحر، ملتان

فہم

کہا خس کی جمع کیا ہے وہ فرمانے لگے ہنس کر
ہماری رائے میں اس کو خس و خاشاک کہتے ہیں
لگے ہاتھوں ذرا ادرک کی جمع بھی بتا دیجئے
لگے کہنے کہ لگتا ہے اسے ادراک کہتے ہیں

ورثہ

یہ مجھ پہ کرم ہے میرے مالک کا
طبیعت محبت کی خوگر ملی ہے
نہ کھانے کے قابل نہ پینے کے قابل
جو ابا سے ورثے میں شوگر ملی ہے

حنا زبیر احمد، بہاولپور

پسندیدہ پھل

ڈاکٹر مریض سے۔

"اچھی صحت کے لئے ضروری ہے کہ پھلوں کے ساتھ ان کے چھلکے بھی کھا لیے جائیں، ویسے آپ کا پسندیدہ پھل کون سا ہے؟"

مریض بولا۔

"ناریل۔"

حیدر رضا، جھنگ

ریکویسٹ

میرا دل ہے کنفیوز
اسے کرنا نہ یوز
اگر ہو گیا یہ فیوز
تو گھر سے پڑیں گے شوز

ام رباب، ساہیوال

ذہانت

ایک پاگل مٹھی بند کیے ہوئے درخت کے نیچے بیٹھا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد اسے ذرا ذرا کھول کر دیکھتا تھا، اس کے ایک ساتھی نے قریب آ کر پوچھا۔

''مٹھی میں کیا دبائے بیٹھے ہو دوست؟''

اس نے کانی آنکھ سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

''تم خود ہی بوجھو۔''

ساتھی سر کھجا کر بولا۔

''تتلی۔''

''غلط۔''

اس نے پھر دماغ پر زور دے کر کہا۔

''چڑیا۔''

ساتھی نے تالی بجا کر کہا۔

''ہاتھی۔''

''شاباش۔''

پاگل نے خوش ہو کر کہا۔

''اب اس کا رنگ بھی بوجھو۔''

فائزہ عبدالمنان، کراچی

آپ اپنے دام میں

ایک ٹھیکے دار کسی کلب کی فنکارہ پر عاشق ہو گیا اور وہ اس سے گاہے بگاہے ملنے لگا، لیکن شادی کا پیغام دینے سے پہلے اس نے فنکارہ کے نجی حالات معلوم کرنے کے لئے ایک جاسوس کی خدمات حاصل کیں، ایک ہفتے کے بعد جاسوس نے درج ذیل رپورٹ ٹھیکے دار کو پیش کی۔

''وہ لڑکی اعلیٰ کردار کی مالک ہے اس کا ماضی بے داغ ہے، اس کے ملنے والے تمام شراف اور اچھی شہرت کے حامل لوگ ہیں مگر چند روز سے وہ کسی بدنام ٹھیکے دار کے ساتھ دیکھی گئی ہے۔''

نعیمہ بخاری، اٹک

لیڈرز

ایک بچہ جس کی امی بڑی تعریف کرتی تھیں، ایک دن اپنے شوہر سے کہنے لگیں۔

''میرا بچہ بہت ذہین ہے، جب یہ چلتا ہے تو ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بڑا آفیسر چل رہا ہے، ضدی اتنا ہے جیسے یہ مستقبل کا وزیراعظم ہو گا، سمجھدار اتنا ہے کہ جیسے یہ مستقبل میں وزیر اطلاعات ونشریات بنے گا اور ذہین اتنا ہے جیسے یہ حزب اختلاف کا قائد بن سکتا ہے۔''

شوہر نے چیختے ہوئے کہا۔

''بس کرو بیگم مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑا ہو کر ہمیں جیل بھجوائے گا۔''

عتیقہ منیر، سیالکوٹ

آگہی

ٹیچر۔

''فرض کرو نعیم تمہارے والد صاحب مجھ سے سو روپے ادھار لیتے ہیں اور ہر ماہ دس روپے ادا کرنے کا وعدہ کرتے ہیں تو چھ ماہ بعد ان کے ذمے میرا کتنا قرض باقی رہ جائے گا۔''

نعیم۔

''سر ستر روپے۔''

ٹیچر۔

''تم حساب کتاب بالکل نہیں جانتے۔''

نعیم۔

''نہیں یہ بات نہیں سر اور اصل آپ میرے والد صاحب کو بالکل نہیں جانتے۔''

ثمرین زاہرہ، خان پور

قید خانہ

ایک دفعہ امیر شہر نے اپنا لکھا ہوا قصیدہ ملا کو سنایا اور رائے چاہی، ملا نے کہا۔

''کچھ اچھا نہیں۔''

امیر نے ملا کو قید خانے میں ڈال دیا۔

ملا دو دن بعد قید میں رہ کر واپس آ گئے، ایک دفعہ پھر امیر نے قصیدہ لکھا اور ملا کو بلا کر رائے چاہی پہلے تو ملا خاموش رہے پھر اٹھ کر چل دیئے، امیر نے پوچھا۔

''کدھر جا رہے ہو؟''

جواب ملا۔

''قید خانے میں۔''

نمرہ سعید، اوکاڑہ

رقابت

محمد نواز کی نوکری جاتی رہی تو اس کے ایک دوست نے ہمدردی سے پوچھا۔

''آخر سپروائزر نے تمہیں نوکری سے کیوں نکال دیا؟''

''تمہیں معلوم ہی ہے کہ سپروائزر کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ کھڑا دوسروں کو کام کرتا دیکھتا رہتا ہے۔'' محمد نواز بولا۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس سے تمہاری نوکری کا کیا تعلق ہے؟''

محمد نواز نے آہ بھر کر کہا۔

''سپروائزر مجھ سے رقابت محسوس کرنے لگا تھا کیونکہ ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ میں سپروائزر ہوں۔''

صائمہ سلیم، گجرات

ایک فیصد

ایک مرتبہ غیر ملکی فوج کا ایک دستہ افریقہ کے گھنے جنگلات میں تعینات سے کیا گیا، فوجی کمانڈر نے ماتحتوں کو مقامی حالات کے بارے میں لیکچر کے آخر میں کہا۔

''یہاں قدم قدم پہ بے شمار سانپ پائے جاتے ہیں، ان میں سے ننانوے فیصد زہریلے ہیں۔''

ایک سپاہی نے کہا۔

''گویا ان سانپوں کے مقابلے میں ہمارے بچنے کا امکان صرف ایک فیصد ہے۔''

کمانڈر نے کہا۔

''دراصل ایک فیصد سانپ ایسے ہیں جو ڈستے نہیں ہیں، انسان کو سالم نگل جاتے ہیں۔''

نازیہ جمال، چکوال

قلوپطرہ

ایک ساس نے اپنی بہو سے کہا۔

''میں اپنے زمانے میں کالج کی خوبصورت ترین لڑکی تھی اور میں نے ایک مرتبہ ڈراما ملکہ حسن قلوپطرہ اور زہریلی ناگن میں کام کیا تھا۔''

بہو فوراً بولی۔

''اور ملکہ حسن قلوپطرہ کا کردار کس نے کیا تھا؟''

طاہرہ رحمان، بہاول نگر

اعلیٰ کارکردگی

ایک دفعہ عزرائیل سے پوچھا گیا۔

''آپ نے پاکستان میں کس طرح جان لی۔''

جواب دیا۔ ''ڈرائیور بن کے۔''

☆☆☆

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

عمرانہ علی: کی ڈائری سے ایک نظم
''ادھوری محبتوں کے دکھ''
کچھ محبتیں
مکمل ہوتے ہوئے بھی
ادھوری رہ جاتی ہیں
دل میں پلتے ہوئے جذبے
آنکھوں میں رہ جاتے ہیں
اس تک پہنچنے کی راہ میں
یونہی رل جاتی ہیں
اشک بن کر
بہہ جاتی ہیں
گھن بن کر
ارماں کھا جاتی ہیں
روں میں دیمک بن جاتی ہیں
آکاس بیل کی طرح
لپٹ جاتی ہیں
ادھوری محبتوں کے دکھ
جانے کتنوں کو نگل جاتے ہیں
لیکن یہی محبتیں
نامکمل ہو کر بھی
مکمل ہوتی ہیں
جنہیں کوئی نہیں جان پاتا
کبھی نہیں جان پاتا

ثمن رضا: کی ڈائری سے ایک نظم
''محبت تو ایک دکھ ہے''
محبت ہم نے بھی کر کے دیکھی ہے
محبت تو ایک دکھ ہے
بے وفا ہیں سبھی یہاں پہ
کب کون کسی کا ہوتا ہے
جو بھی محبت کرتا ہے
عمر بھر وہ روتا ہے
رہتا ہے وہی خوش انجم
جو دور محبت سے ہوتا ہے

عظمیٰ جبیں: کی ڈائری سے ایک نظم
گفتگو اس سے جو کل ہو جاتی
مجھ سے اک آدھ غزل ہو جاتی
اس نے توڑے ہیں ارادے میرے
مگر ہر بات اٹل ہو جاتی
سانس میں نرمی مہکی تھی ورنہ
سانس پیغام اجل بھی ہو جاتی
چاند چہرہ تھا جو اس کا صحن
چاندنی اس کا بدل ہو جاتی

شاہین سلیم: کی ڈائری سے وصی شاہ کی نظم
''سانجور''
پہلی بار جب اس نے میری ماں کو امی جان کہا تو
مجھ کو یوں محسوس ہوا تھا
اپنا سب کچھ چھوڑ کر جیسے
اک لمحے میں
میرا سب کچھ اس نے اپنا مان لیا ہے
مجھ کو سب کچھ جان لیا ہے

وردہ منیر: کی ڈائری سے ایک غزل
یہ کس کے حسن کا اس قدر شہرہ ہوا
کہ چاند بھی ہے دید کو کھڑا ہوا
نہ پوچھو وہ انقلاب اچھا تھا کہ برا
جب بھی جا رہا تھا سرہا ہوا
تقدیر کب ٹلتی ہیں اسیر گردش دوراں
اور کاتب بھی تھا مجھ سے روٹھا ہوا
ہر چہرے پر رقم تھی ایک ہی کہانی
اور ہر کہانی پر تیرا ہی نام لکھا ہوا
آنکھوں کی قید سے خواب آزاد ہوئے
پلکوں پہ رہ گیا اک آنسو اٹکا ہوا
وہ آغاز سفر میں ہی بچھڑ گیا مجھ سے
غزل یہ بھی برا نہ ہوا اچھا ہوا

ایمن عزیز: کی ڈائری سے ایک غزل
قبولیت کی گھڑی جب مجھے پکارتی ہے
میری زبان پہ صرف دعا اتارتی ہے
وہ کوئی اور ہیں جو زندگی گزارتے ہیں
وہ لوگ ہم میں جنہیں زندگی گزارتی ہے
بس اتنا عرض ہے کہ ہم سے رسم و روانہ رکھ
تعلقات کی دنیا بڑی تجارتی ہے
یہ جل بھی سکتا ہے گر کر بکھر بھی سکتا ہے
سارے جسم کا سامان بھی تجارتی ہے
بکھر جاتے ہیں سفاک روز و شب تو ہمیں
دل و نگاہ کی آب و ہوا سنوارتی ہے
چراغ فتح و ظفر قبروں پہ روشن ہیں
سپاہ جیتی ہوئی جنگ یوں بھی ہارتی ہے

شگفتہ رحیم: کی ڈائری سے پروین شاکر کی نظم
ہونٹ بے بات ہنسے
زلف بے وجہ کھلی
خواب دکھلا کے مجھے
نیند کس سمت چلی
خوشبو لہرائی مرے کان میں سرگوشی کی
اپنی شرمیلی ہنسی میں نے سنی
اور پھر جان گئی
میری آنکھوں میں ترے
نام کا تارہ چمکا

ثمرہ شیرازی: کی ڈائری سے جاوید اختر کی غزل
دل کی وحشت نے عجب شور مچا رکھا ہے
اس نے وعدے کو قیامت پہ اٹھا رکھا ہے
حسرت دل کو بھی دل میں ہی چھپا رکھا ہے
اس کی یادوں نے سبھی کچھ ہی بھلا رکھا ہے
حسن مغرور کو آنکھوں میں بسا رکھا ہے
اگر میں تیری محبت کا سزا وار نہیں
کیوں میرا جینا دشوار بنا رکھا ہے
وہ کرے پیار یا نفرت سے نوازے ہم کو
اس کی یادوں کا دیا ہم نے جلا رکھا ہے
وہ ستم ڈھائیں محبت کے گنہگاروں پر
یہ بھی انداز انہیں ہم نے دیکھا رکھا ہے
جو کہیں لوگ وہی کہتے ہیں ہم بھی پرنس
ہم نے انداز مگر سب سے جدا رکھا ہے

حمیرا رضا: کی ڈائری سے ایک غزل
دیواروں پہ یادیں لکھوں
اس کی ساری باتیں لکھوں
اس کی دلکش آنکھوں کو
جھیل سی گہری آنکھیں لکھوں
ہجر کے سوکھے لمحوں میں
وصل کی ہری شاخیں لکھوں
نفرت کے ماحول میں رہ کر
پیار بھری آوازیں لکھوں
ہے آس کا دامن اتنا روشن
کہ راتوں کو بھی شمعیں لکھوں
سامنے اس کے کہہ نہ پاؤں
کاغذ پہ ساری سوچیں لکھوں

دل کہتا ہے نام اس کے
گل اپنی ساری غزلیں لکھوں

حفصہ حماد: کی ڈائری سے ایک غزل

وہ دل ہی کیا ترے ملنے کی جو دعا نہ کرے
میں تجھ کو بھول کے زندہ رہوں خدا نہ کرے
رہے گا ساتھ ترا پیار زندگی بن کر
یہ اور بات مری زندگی وفا نہ کرے
یہ ٹھیک ہے نہیں مرتا کوئی جدائی میں
خدا کسی سے کسی کو مگر جدا نہ کرے
سنا ہے اس کو محبت دعائیں دیتی ہے
جو دل پہ چوٹ تو کھائے مگر گلہ نہ کرے
بجھا دیا ہے نصیبوں نے میرے پیار کا چاند
کوئی دیا مری پلکوں پہ اب جلا نہ کرے
زمانہ دیکھ چکا ہے پرکھ چکا ہے اسے
قتیل جان سے جائے پر التجا نہ کرے

ماریہ عثمان: کی ڈائری سے ایک غزل

بڑا کٹھن ہے راستہ جو آ سکو تو ساتھ دو
یہ زندگی کا فاصلہ مٹا سکو تو ساتھ دو
بڑے فریب کھاؤ گے بڑے ستم اٹھاؤ گے
یہ عمر بھر کا ساتھ ہے نبھا سکو تو ساتھ دو
جو تم کہو یہ دل تو کیا میں جان بھی فدا کروں
جو میں کہوں بس اک نظر اٹھا سکو تو ساتھ دو
ہزار امتحان ہیں ہزار آزمائشیں
ہزار دکھ ہزار غم اٹھا سکو تو ساتھ دو
یہ زندگی یہاں خوشی غموں کے ساتھ ہے
دلا سکو تو ساتھ دو نبھا سکو تو ساتھ دو

مصباح فیصل: کی ڈائری سے ایک غزل

جس کی جھنکار میں دل کا آرام تھا وہ تیرا نام تھا
میرے ہونٹوں پہ رقصاں جو اک نام تھا وہ تیرا نام تھا
تہمتیں مجھ پہ آتی رہیں ہیں کئی ایک سے ایک نئی
خوبصورت مگر جو اک الزام تھا وہ تیرا نام تھا
دوست جتنے تھے نا آشنا ہو گئے پارسا ہو گئے
جو میرے ساتھ رسوا سر عام تھا وہ تیرا نام تھا
صبح سے شام تک جو میرے پاس تھی وہ تیری آس تھی
شام کے بعد جو کچھ لب بام تھا وہ تیرا نام تھا

ماروخ آصف: کی ڈائری سے ایک نظم

''جدائی''

یاد ہے آج بھی
بچھڑنے کا وہ منظر
دور افق پر
سورج جب ڈوب گیا
کائنات پہ بیکراں اداسی
چھا گئی
میری خاموش التجاؤں نے
تجھے کس طرح پکارا
آنچل تیرا ہاتھوں سے
میرے سرک گیا
لمحہ وصل کا کس طرح
اچانک گزر گیا
آنکھوں سے آنسو
آب رواں کی صورت بہہ نکلے

عائشہ شہباز: کی ڈائری سے ایک نظم

''تلاش''

میں تمہارے اندر محبت تلاش کرتا رہا ہوں
اور تم میرے اندر برداشت
میں تمہارے اندر دل تلاش کرتا رہا ہوں
اور تم میرے اندر لفظ
میں تمہارے اندر سمندر تلاش کرتا رہا ہوں
اور تم میرے اندر ابر
میں تمہارے اندر سورج تلاش کرتا رہا ہوں
اور تم میرے اندر چنگاری
میں تمہارے اندر آسمان تلاش کرتا رہا ہوں
اور تم میرے اندر درخت
میں تمہارے اندر کائنات تلاش کرتا رہا ہوں
اور تم میرے اندر ذرہ
میں تمہارے اندر وقت تلاش کرتا رہا ہوں اور تم
میرے اندر پل
اپنی اپنی تلاش ہے شاید جاری نہ رہ سکے

صائمہ ابراہیم: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

''سلسلے خیالوں کے''

گزرتے لمحو مجھے بتاؤ کہ زندگی کا اصول کیا ہے
اگر زمیں پر تمہارے قدم نہ پڑتے تو کون ہوتا
یہ ایسا جادو ہے جو حسابوں سے حل نہ ہوگا
ہزار منظر قدم سے لپٹیں گزرنے والے نہیں رکیں گے
ذرا تمنا کی شکل دیکھو تمہارے آنے کی منتظر ہے
گزرتے لمحو میں تھک گیا ہوں بکھر گیا ہوں
میں ساتھیوں سے بچھڑ گیا ہوں
یہ ساتھیوں کی مفارقت بھی عجیب شے ہے
کہ جتنا عرصہ یہ ساتھ چلتے ہیں
چھوٹی چھوٹی فضول باتوں پر روٹھ جاتے ہیں اور لڑتے ہیں
منزلوں کو پکارتے ہیں
مگر ان ہی کے وجود میں جو مسافتوں کو نکھارتے ہیں
گزرتے لمحو میں ساتھیوں سے بچھڑ گیا ہوں
میں اپنی تنہائی کے تحیر سے ڈر گیا ہوں
میں وہ مسافر ہوں جس کے پاؤں میں منزلیں ہیں نہ رہگذر ہے

نسرین خورشید: کی ڈائری سے ایک غزل

وہ اپنے عشق میں کیسا کمال رکھتا ہے
کہ بے رخی میں بھی میرا خیال رکھتا ہے
عجب نہیں وہ جہاں بھر کو بے وفا سمجھے
نظر میں میری وفا کی مثال رکھتا ہے
مری اڑان کے آگے ہے کس قدر بے بس
یہ آسماں جو ستاروں کا جال رکھتا ہے
جو آج میرا نہیں ہے وہ کل میرا ہو گا
کہ ہر زمانہ عروج و زوال رکھتا ہے
تیرا خیال ہی کچھ مہرباں ہے ورنہ
جہاں میں کون کسی کا خیال رکھتا ہے
مقابل صف اعدا ہے اس طرح خاور
کہ تیغ رکھتا ہے وہ نہ ڈھال رکھتا ہے

وفا عبدالرحمان: کی ڈائری سے ایک نظم

''بچھڑنے سے ذرا پہلے''

بچھڑنے سے ذرا پہلے
تمہیں بھی سوچ لینا چاہیے
کہ یوں چاہت کو ٹھکرایا نہیں کرتے
کہ یوں بیتے دنوں کو بھولنا اچھا نہیں ہوتا
کہ یوں انجان بن کر چین سے جینا ہمارے
واسطے ممکن نہیں ہو گا
تمہیں بھی سوچ لینا چاہیے تھا
کہ وہ باتیں جو ہم اک دوسرے سے کر چکے ہیں
اب کبھی واپس نہ آئیں گی
کہ وہ لمحے جو ہم اک دوسرے میں جی چکے ہیں
پھر کبھی زندہ نہیں ہوں گے
بچھڑنے سے ذرا پہلے
تمہیں بھی سوچ لینا چاہیے تھا

صائمہ مظہر: کی ڈائری سے ایک نظم

''خواب ٹوٹ جاتے ہیں''

واہموں کے سائے سے
عمر بھر کی محنت کے
پل میں ٹوٹ جاتے ہیں
اک ذرا سی رنجش سے

حنا کی محفل

عین غین

رضا فاطمہ ---- سادھوکی

س: عین غین جی بہار آ گئی ہے آپ کو کون سے پھول پسند ہیں؟

ج: بہار آ گئی ہے تو کہاں بھی؟

س: عین غین جی آپ بھی حد کرتے ہیں میں موسم بہار کی بات کر رہی ہوں جس میں پھول کھلتے ہیں آپ کے لئے لے کر آئی ہوں؟

ج: او...... اچھا موسم بہار، کیا لے آئی ہو۔

فلاح نصیر ---- منڈی بہاؤالدین

س: مہربان ''ذہین'' شاندار یہ سب وہ خوبیاں ہیں جو آپ میں بالکل بھی نہیں، آخر کیوں؟

ج: یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ میرا تو ابھی آپ سے واسطہ نہیں پڑا، آپ پہلے ہی۔

س: کہنا آسان کرنا مشکل محسوس کرنے میں خوبصورت سنبھالنے میں دشوار ''ذرا جلدی سے بتایئے ناں'' ڈیئر برادر بھلا کیا؟

ج: کسی کی سچی تعریف جو تم سے بالکل نہیں ہوتی۔

س: انسان بہترین دوست کی تلاش میں رہتا ہے، لیکن وہ خود کیوں نہیں بہترین دوست ہوتا؟

ج: اس لئے کہ وہ دوسروں کی خامیاں نظر انداز نہیں کر سکتا۔

کنول فریاد حسین ---- جلالپور جٹاں

س: سنا ہے کوئی عین غین نامی پرندہ آج کل پنجرے کی قید میں گرفتار ہے؟

ج: آپ نے غلط سنا وہ ابھی آزاد ہے۔

س: ایک اگلے الیکشن میں کھڑے ہوئے کا ارادہ ہے شناختی نشان بھی بتانا مہر لگا دوں گی؟

ج: الیکشن ہو گا تو نشان بھی بتا دوں گا۔

س: اتنی دیر تک راتوں کو تارے کیوں گنتے ہو، سو جایا کرو پتہ ہے نا اتنی رات تک ''کون'' جاگتا ہے؟

ج: عاشق۔

س: سارے بد دماغ لوگوں کو آخر یہ گلوکار عاطف اسلم اتنا اتنا پسند کیوں ہے سنا ہے کہ اس بے چارے کی آواز بڑی درد بھری ہے تو ہمارے کانوں کو اذیت کیوں دیتا ہے؟

ج: اب پتہ چلا کہ وہ تمہیں کیوں پسند ہے۔

س: فرض کریں اور ''فرض'' ضرور کریں کہ اگر آپ محترم کو ایک دن کے لئے ''حنا'' کی مکمل اجارہ داری دے دی جائے تو کسے رکھیں گے؟

ج: میں ایسا فرض ہی کیوں کروں۔

علی ناصر ---- حافظ آباد

س: دھوپ میں بارش ہو تو؟

ج: حافظ آباد میں کسی کی شادی ہوتی ہے۔

س: بچھڑ کے اس سے کیا کریں گے؟

ج: فکر نہ کرو بچھڑو گے بھی تو یہی کرو گے۔

س: عین غین کبھی تو آؤ کہ ہم منتظر ہیں کیا خیال ہے؟

ج: خیال تو اچھا ہے لیکن یہ آنا صرف خیال ہی میں ہے۔

س: بے وفا سے وفا کر کے ہم کو کیا ملا؟

ج: جدائی۔

س: ستاروں کی حدوں سے لے کر خوشبو کے جزیروں تک؟

ج: میری کمی ہے۔

س: نبض تھم رہی ہے اور وہ؟

ج: وینا ملک کو دیکھ رہے ہیں۔

س: ہمیں کوئی خوشی راس کیوں نہیں آئی؟

ج: تم نے سنا نہیں دو دن کی چاندنی پھر اندھیری رات ہے۔

س: توقعات کا محل جب ٹوٹ جائے تو؟

ج: دل کے ٹکڑے ہزار ہوتے ہیں۔

س: میری ہر سانس میں شامل ہے وہ مگر؟

ج: آج کل آلودگی بہت ہے۔

ملک کاشف اعوان ---- ہارون آباد

س: عین غین اگر دل گوشت کی بجائے سونے کے ہوتے تو محبت میں تحفتہً دیے جاتے یا فروخت کیے جاتے؟

ج: دل تو اب بھی سونے کے ہوتے ہیں صرف آپ ہی نہیں پرکھ سکتے۔

س: ہم کو ان سے بے وفا کی امید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے، آخر کیوں؟

ج: تمہیں آدمی کی وفا جو ہے۔

س: مجھے آپ سے ایک نہایت پرسنل راز شیئر کرنا ہے، آپ میرے خواب میں آ جائیں گے یا میں لاہور آؤں؟

ج: میں کہاں آؤں گا تم ہی آ جانا۔

س: عین غین جی اگر راہ میں چلتے چلتے ''وہ'' اچانک مجھے مل جائے تو؟

ج: تو کہنا یونہی کوئی مل گیا تھا سر راہ چلتے چلتے۔

س: زندگی میں ہر تجربہ ہمیشہ ٹھوکر کھا کر ہی کیوں حاصل ہوتا ہے؟

ج: اگر ٹھوکر کھا کر تجربہ حاصل نہیں کرو گے تو سر تڑوا کر کرو گے۔

راجہ عظمیٰ رزاق ---- سرگودھا

س: محبت میں جیت تو ہوتی ہے لیکن ہار کیوں ہوتی ہے؟

ج: محبت میں ہار کب ہوتی ہے؟

س: آپ ہمارے کیا لگتے ہیں؟

ج: یہ تو آپ ہی بتا سکتی ہیں۔

س: جناب کا موڈ کیوں خراب ہے؟

ج: اگر تمہیں یہ ہی معلوم نہیں تو کیا فائدہ۔

س: آئے ہو میری زندگی میں تم بہار بن کے؟

ج: اور تم ہو کہ بہار کو نہیں پہچان رہی۔

س: کچھ زیادہ تو نہیں ہو گیا؟

ج: بہت زیادہ ہو گیا۔

س: ہم آپ سے کیسے مل سکتے ہیں؟

ج: لاہور آ کر۔

س: کیا لاہور آنا ضروری ہے؟

ج: کیا ملنا ضروری ہے۔

عمارہ اعجاز ---- حافظ آباد شی

س: عین غین جی پہلی مرتبہ آپ کی محفل میں تشریف کا ٹوکرا لے کر حاضر ہوئی ہوں؟

ج: یہ خیال رہے کہ ٹوکرا زیادہ بھاری نہ ہو۔

س: اگر کوئی آپ سے کہے اگر اس کی منگنی ہو رہی ہے تو آپ کا ردعمل کیا ہو گا؟

ج: ہو رہی ہے تو مجھے کیا شاید تمہیں......؟

س: اس عمر میں اتنی شوخ گفتگو کچھ خیال کریں؟

ج: تمہیں میری عمر پر کوئی اعتراض ہے یا گفتگو پر۔

علینہ طارق ---- لاہور

س: تو اپنی ہی نبیڑ تینوں ساڈے نال کی؟

ج: جواب دے کر اپنی ہی نبیڑ رہا ہوں۔

س: میریاں ساواں وچ کوئی پیا وسدا اے؟

ج: یعنی اس کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہ ہوا۔
س: اگر میں تمہارے آنگن میں اتر آؤں؟
ج: تم چاند تو نہیں ہو۔
س: تمہیں کس موسم میں شدت سے یاد آتی ہوں؟
ج: جب تمہارے بے تکے سوال پڑھتا ہوں۔
معکون شاہ ---- لاہور
س: ہر شوہر کو اپنی بیوی سے اور ہر بیوی کو اپنے شوہر سے شکایت کیوں ہوتی ہے؟
ج: وقت گزارنے کے لئے کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔
س: عورت شوہر کو مار سکتی ہے تو شوہر عورت کو کیوں نہیں مار سکتا؟
ج: کیونکہ وہ عورت اس کی بیوی نہیں ہوتی اور شوہر نے کوئی غلط حرکت کی ہوگی۔
س: شوہر کب اپنی بیوی کے لئے پریشان ہوتا ہے؟
ج: جب وہ بازار میں خریدار کر رہی ہو۔
س: آج کل کے شوہر اتنے معصوم نہیں ہوتے جتنا کہ وہ بنتے ہیں؟
ج: تم بیچارے شوہروں کے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہو۔
نازیہ عمر ---- پشاور
س: اگر کوئی اچھا بھلا انسان پاگلوں کی سی حرکتیں کرے تو؟
ج: اس میں بچوں کو بہلانا اور شیشہ دیکھنا شامل نہ کریں۔
س: کیا انسان عمر کے ساتھ سلجھتا ہے یا الجھا ہے؟
ج: الجھتا زیادہ ہے۔
س: انسان اوپر کو دیکھتا ہے نیچے کیوں نہیں؟
ج: نیچے دیکھے گا تو گریبان میں جھانکنا پڑے گا۔
شہزیب احسن ---- سرگودھا

س: کچھ لوگ روٹھ کر بھی لگتے ہیں کتنے پیارے؟
ج: یہ بھی ایک انداز ہے زندگی کا۔
س: آپ روٹھے کو منانا جانتے ہیں؟
ج: ابھی تک تو موقعہ ہاتھ نہیں آیا۔
س: اگر کوئی شخص آپ سے تو تو پر اتر آئے؟
ج: بڑا ہی بدتمیز ہوگا۔
لائبہ رضوان ---- فیصل آباد
س: سنا ہے کھا کھا کر بہت موٹے ہو گئے ہو؟ کچھ اپنے بارے میں بھی سوچو۔
ج: آخر تم میرے بارے میں اتنی فکر مند کیوں ہو۔
س: گھر کی مرغی دال برابر ہو تو پڑوسی کی مرغی کو کیا کہیں گے؟
ج: ہم تو گھر کی بھی نہیں کھاتے، یہ تو چوری کرنے والا جانے۔
س: سنا ہے دنیا بڑی ترقی کر رہی ہے، کیا خیال ہے؟
ج: انٹرنیٹ کلب ترقی کی وجہ سے آباد ہیں۔
س: ذرا یہ بتائیں کہ شادی شدہ شریف ہوتا ہے یا کنوارہ؟
ج: کھل کر بات کرو دل میں کچھ کالا معلوم ہوتا ہے۔
مہناز فاطمہ ---- خوشاب
س: اگر کوئی کسی سے بے پناہ محبت کرتا ہو اور وہ اس سے بے وفائی کرے تو؟
ج: تم کن چکروں میں پڑ گئی ہو۔
س: محبت کی آخری حد کہاں ختم ہوتی ہے؟
ج: یہ راستے بڑے خاردار ہوتے ہیں۔
س: جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا؟
ج: میں نے تو نہیں دیکھا۔
شازیہ ثمن ---- جھنگ
س: ہمارے معاشرے میں منافقت کا دور دورہ

کیوں ہے؟
ج: اچھے بچے ایسی باتوں پر غور نہیں کرتے۔
س: کچھ پیاروں کے بارے میں سوچتے ہیں کہ ان کے بغیر جی نہیں سکیں گے لیکن جیتے ہیں؟
ج: اس دنیا کا یہی چلن ہے۔
نعیمہ رانا ---- ملتان
س: خوبصورت اور خوب سیرت میں کیا فرق ہے؟
ج: جو صورت اور سیرت میں ہے۔
س: لوگ بڑے اعتماد سے جھوٹ بولتے ہیں مگر ان کے چہرے سے جھوٹ عیاں ہو رہا ہوتا ہے؟
ج: ایسے لوگ بڑے ہی فنکار ہیں۔
س: میں نے چند لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ کاش میں نے شادی نہ کی ہوتی؟
ج: میرے خیال میں اکثر ہی کہتے ہیں۔
عطیہ شیخ ---- کہروڑ پکا
س: ہر شخص اپنے آپ کو ایماندار کہتا ہے، مگر بے ایمانی روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔
ج: ایمان دار بننے کی وجہ سے۔
س: پنچھی اور پردیسی پر لوگ اعتبار کیوں نہیں کرتے؟
ج: دونوں ہی دھوکہ دے جاتے ہیں۔
س: ہم سے بھی کوئی بات کر ہم ہیں تیرے ہم سفر؟
ج: تمہیں شاید غلط فہمی ہوئی ہے، میں عین غین ہوں۔
س: تمہیں شکوہ ہے ہونٹوں پہ مرے نغمہ نہیں کھلتا؟
ج: زیادہ ریاض کی ضرورت ہے۔
رضوان علی ---- ساہیوال
س: وہ جو صرف میرا تھا وہ نہیں رہا میرا؟
ج: قصور کس کا ہے تمہیں ضرور پتہ ہوگا۔
س: ہم نے تو تجھ سے شکایت کبھی نہ کی؟
ج: میں نے کبھی شکایت کا موقع ہی نہیں دیا۔

☆☆☆

خبر نامہ

عبداللہ

آہ بیچاری زارا شیخ

ایک طویل عرصے بعد زارا شیخ کو شہزاد رفیق کی فلم ''عشق خدا'' میں بہترین رول ملا، مگر آہ بیچاری زارا کے نصیب اچھے نہیں تھے ورنہ میرا جیسی سازشی خاموشی سے بیٹھی رہتی، ہوا کچھ یوں کہ جب ''عشق خدا'' لانچ ہو رہی تھی تو میرا اپنے سنائے فیانسی (ابھی تک سنا ہی جا رہا ہے کہ منگنی ہو گی منگنی نہیں ہوئی) کو شیشے میں اتارنے میں بڑی تھی فری ہوئی تو پتا چلا کہ فلم ''عشق خدا'' کا سب سے اچھا رول زارا کے حصے میں آرہا ہے، جوڑ توڑ کی ماہر میرا بھلا کیسے برداشت کرسکتی تھی سو لگی دن رات کی پرواہ کیے بنا شہزاد رفیق کے آفس کے چکر لگانے، اب بیچارے مروت کے مارے شہزاد رفیق، میرا کی اتنی آمد جامد کہاں جھیل سکتے تھے، سو جو اس نے چاہا وہ ہو گیا اور اب ''عشق خدا'' میرا کے لئے سب سے قیمتی ہے سو وہ لگی ہوئی آج کل دن رات ''عشق خدا'' کی تشہیر کرنے میں اور رہی زارا تو بیچاری خاموشی سے بیٹھی صبر کے گھونٹ بھر رہی ہے۔

میں دلہن بنوں گی

2012ء میں وہ ضرور بیگم پٹودی بن جائے گی یہ فیصلہ کیا ہے کرینہ کپور نے، سو فلموں کا کام نمٹانے کے ساتھ ساتھ شادی کی تیاریاں بھی چل رہی ہیں یقیناً دسمبر میں وہ چھوٹے نواب کی دلہن بن کر تمام خدشات دور کر دے گی کہ آیا یہ شادی ہوگی یا نہیں ہوگی، سیف خان کے، اپنی پیدائش کے بعد سے کرینہ نے صرف اور صرف ماں اور بہن کو اپنے آس پاس پایا ہے پاپا رندھیر ان کے ساتھ کبھی بھی نہیں رہے اس طرح کرینہ کی ساری زندگی عورتوں کے سائے میں ہی گزری ہے اس لئے وہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کے زیر اثر رہنے پر ان سے زیادہ متاثر ہے، سیف کی ڈالنگ بے بو کی زندگی میں ماں اور بہن کے ساتھ اب ہونے والی ساس شرمیلا ٹیگور کی بے حد اہمیت ہے ان ہی تین عورتوں کے زیر سایہ وہ اپنی نئی زندگی شروع کرے گی، شادی کے بعد کرینہ کیسی زندگی گزارے گی اور زندگی میں آئی تین اسٹرونگ عورتوں میں کس کا اثر اس پر اپنا رنگ چھوڑے گا اس کا فیصلہ وقت ہی کرے گا۔

جیو پاکستان اور پاکستانی

اپنا بن چھوڑ کر وہ چودہ برس قبل پاکستان سے سب کچھ سمیٹ کر واپس بنگلہ دیش لوٹ گئی تھی اور پھر کبھی پلٹ کر بھی نہ پاکستان اور نہ کسی فلمی ساتھی کو یاد رکھا اور اب رام کی طرح چودہ برس کے بعد جب سرزمین قائد پر مہمان بن کر آئی ہیں تو میزبان کی محبت دیکھ کر خوشی کے مارے قدم زمین پر نہیں ٹک رہے، P.T.V کا بلاوا، غیر معمولی پروٹوکول کے ساتھ اور پھر لاہور آمد جہاں جہاں دو دہائیوں تک فلمی شائقین کے دلوں پر راج کیا، ایک عرصہ دولت شہرت دونوں ہاتھوں سے لوٹی پھر جب فلموں میں شبنم کا سورج غروب ہوا تو وطن کی محبت جاگ اٹھی اور شبنم کو بھی یاد آیا کہ وہ تو بنگلہ دیشی ہے سو ایک دن چپکے سے سب کچھ اکٹھا کر کے پاکستان چھوڑ گئیں، اب اتنے برس بعد سابق پاکستانی اداکارہ کی شناخت سے لوٹیں تو پاکستانیوں نے بھی اپنی فلمی ہیروئین کے طور اس کا استقبال کیا اور یہ ثابت کیا کہ پاکستانیوں کے دل بہت بڑے ہیں وہ معاف کرو اور بھول جاؤ کے معقولے پر خوب عمل کرتے ہیں۔

چھوٹی اسکرین بڑے معاوضے

چھوٹی اسکرین کے بڑے معاوضے نے بولی ووڈ کے بڑوں بڑوں کو للچا دیا ہے، یوں بولی ووڈ اسٹار اپنے ملک سے نکل کر امریکہ کے ٹی وی چینلز تک چھا گئے ہیں، بالی ووڈ کا ایک بڑا نام انیل کپور نے 2011ء میں کسی بھی فلم کی طرف خاص توجہ نہیں دی، اس کے برعکس نیویارک میں ٹی وی شو 24 کے لئے اپنی سوڈ ریکارڈ کرواتے رہے، امریکہ میں اس شو کی کامیابی کے بعد انیل کپور نے اس شو کے رائٹس لے کر انڈین ٹی وی چینلز کے لئے پلان تیار کیا جو کہ ایک ریکارڈ قیمت پر اسٹار پلس کو فروخت کر دیا گیا ہے، اپنے ساتھی اداکاروں کے مقابلے میں انیل نے ٹی وی پر لیٹ انٹری دی مگر سب سے زیادہ فائدے میں رہے۔

☆☆☆

حنا کا دستر خوان

افراح طارق

لیچی کا شربت

اشیاء

لیچی — دو کلو
پانی — ایک لیٹر
چینی — دو کلو
ٹائٹرک ایسڈ — تین چھوٹے چمچ

ترکیب

لیچی کا چھلکا اتار کر اسے دھولیں اور گٹھلی کو نکال دیں، گودے کو مکسر میں ڈال کر اس کا رس نکال لیں، پانی میں چینی گھول کر رکھیں، باریک کپڑے یا چھلنی سے اسے چھانیں۔

صاف چینی پانی میں ابال کر ایک تار کی چاشنی بنائیں، چاشنی کو ٹھنڈا کریں، اس میں لیچی کا رس اور ٹائٹرک ایسڈ ڈالیں، اچھی طرح سے ملا کر صاف اور خشک بوتلوں میں بھریں اور انہیں سیل بند کردیں۔

اسٹرابری کا شربت

اشیاء

اسٹر براری — ایک کلو
چینی — ایک کلو
پانی — ایک لیٹر
ٹاٹری — چوتھائی چھوٹا چمچ
سرخ رنگ — تین چار بوندیں
پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ — چوتھائی چھوٹا چمچ

ترکیب

اسٹرابری کو تھوڑے پانی میں بھگو کر اچھی طرح سے دھوئیں، تھوڑے پانی میں مسل کر رس نکالیں یا جوسر میں گودا ڈال کر نکالیں۔

پانی میں چینی کو گھول کر صاف باریک کپڑے کے ذریعے چھان لیں، صاف چینی والے پانی سے ایک تار کی چاشنی بنائیں اور ٹھنڈا کریں، ٹاٹری اور رس ملائیں اور چمچ کے ذریعے ہلا کر ایک جان کریں۔

سرخ رنگ لائیں اور پورے مرکب کو ہلائیں، آدھے پیالے پانی میں پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ گھول کر ملائیں، تیار شربت کو صاف خشک بوتلوں میں بھر کر رکھیں۔

املی کا شربت

اشیاء

املی — ۲۲۵ گرام
چینی — ۶۷۵ گرام
پانی — ڈھائی لیٹر
نمک — ایک چھوٹا چمچ
زیرہ بھنا پسا ہوا — ایک چھوٹا چمچ
نمک سیاہ — آدھا چھوٹا چمچ

ترکیب

املی کو صاف کر کے رات بھر پانی میں بھگوئے رکھیں، ہاتھوں سے مسل کر اس کے بیج، پھوک اور ریشے نکال دیں، اب باقی پانی کو چھان لیں اور بیس منٹ تک پکائیں۔

دونوں طرح کے نمک اور زیرہ ڈالیں،

اسے بوتلوں میں بند کر کے رکھیں، املی کا شربت تیار ہے۔

سیاہ انگور کا شربت

اشیاء

انگور سیاہ — چھ کپ
پانی — چھ کپ
چینی — نو کپ
نمک — ایک چھوٹا چمچ
سٹرک ایسڈ — ایک چھوٹا چمچ
پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ — چٹکی بھر

ترکیب

دھلے سیاہ انگوروں کو جوسر مکسر میں ڈال کر رس نکالیں، پانی میں چینی حل کریں، باریک کپڑے میں چینی ملا کر پانی چھانیں اور ابالیں، ایک تار کی چاشنی بنائیں اور رس کو ٹھنڈا کریں، ٹھنڈی چاشنی مین رس اور ٹائٹرک ایسڈ ملائیں، اچھی طرح یک جان مرکب بنالیں۔

نمک کو ایک چوتھائی کٹوری پانی میں حل کر کے پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ ملائیں اور مرکب میں ملائیں، بوتلوں میں بھر کر سیل بند کرلیں پیش کرتے وقت ٹھنڈا پانی اور برف ملائیں۔

لیموں کا اسکوائش

اشیاء

لیموں کا رس — ایک کلو
چینی — دو کلو
پانی — ایک لیٹر
ٹائٹرک ایسڈ — آدھا چھوٹا چمچ
پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ — چوتھائی چھوٹا چمچ

ترکیب

لیموں دھو کر کاٹ لیں، رس نکال کر چھان لیں، چینی کو پانی میں ڈال کر ابالیں، چھانیں اور ایک تار کی چاشنی تیار کریں۔

چاشنی ٹھنڈی کریں اور لیموں کا رس ملائیں، ٹائٹرک ایسڈ ملائیں اور چمچ سے ہلاتے ہوئے ایک جان کریں، پیالے میں چوتھائی حصہ پانی لیں اور اس میں پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ گھولیں۔

تیار ٹھنڈے اسکوائش میں یہ گھول ڈالیں، بوتلوں کو پہلے سے ہی اچھی طرح دھو کر اور خشک کر کے تیار رکھیں، لیموں کا اسکوائش بوتلوں میں بھر کر صاف اور خشک جگہ پر رکھیں۔

انگور کا اسکوائش

اشیاء

انگور کے دانے — ایک کلو
چینی — ڈیڑھ کلو
پانی — ۷۵۰ گرام
سٹرک ایسڈ — ایک چھوٹا چمچ
پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ — چٹکی بھر

ترکیب

چینی اور پانی ملا کر ابلنے کے لئے تیار رکھیں، ابال آنے پر ٹائٹرک ایسڈ ڈالیں، چینی کے اوپر آیا جھاگ نکال دیں۔

پانچ منٹ تک پکا کر ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھیں، جوسر میں انگور ڈال کر رس نکالیں اور چینی کی چاشنی میں ملا دیں۔

ایک بڑا چمچ ابلے ٹھنڈے پانی میں پوٹاشیم میٹا بائی سلفائیٹ گھول لیں، اب اس کو انگور کے تیار شربت میں اچھی طرح ملا دیں، صاف اور خشک بوتلوں میں اس مشروب کو بھر کر ٹھنڈی جگہ پر رکھیں دیں۔

گرمی میں آئے مہمانوں کو برف اور

ضرورت کے مطابق پانی ڈال کر اس مشروب کو ملا کر پیش کریں۔

ونیلا آئس کریم

اشیاء

کسٹرڈ پاؤڈر یا کارن فلور	تین چمچے
دودھ	۳/۴ کپ
مکھن	ایک اونس
جلاٹین	دو چھوٹے چمچ
چینی	تین چمچ
ونیلا ایکسٹرا یکٹ	ڈیڑھ چمچ
نمک	چٹکی بھر

ترکیب

۱/۴ کپ دودھ اور کسٹرڈ پاؤڈر یا کارن فلور ملا کر پکائیں، تھوڑا گاڑھا ہونے پر اتار کر نیم گرم کریں اور اس میں مکھن ملا دیں، پھر اس آمیزے کو پیالے میں ڈال کر ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھ دیں۔

اس دوران بقیہ دودھ سے آدھے میں جلاٹین ملا کر رکھ دیں اور آدھے میں چینی ملا کر پکائیں مگر جوش آنے سے پہلے اتار لیں اور دودھ ملی ہوئی جلاٹین ملا کر پھینٹیں۔

اب اس میں ونیلا ایکٹ اور نمک بھی ملا کر ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھ دیں، ٹھنڈا ہو جائے تو فریج میں رکھ دیں۔

ایک گھنٹے کے بعد کسٹرڈ کو تھوڑا سا پھینٹ کر اس آمیزے میں اچھی طرح ملا دیں اور اسے ٹرے میں رکھ کر فریزر میں رکھ دیں اور جب تقریباً جم جائے تو اسے ایک ٹھنڈے پیالے میں انڈیل کر اتنا پھینٹیں کے نرم ہو کر پھول جائے۔

اس وقت آپ کوئی فلیور بھی ملا سکتی ہیں اس کے بعد ٹرے میں ڈال کر دوبارہ فریزر میں رکھ دیں، جمنے کے بعد استعمال کریں۔

قلفی

اشیاء

تازہ دودھ	۵۰ ملی لیٹر
چاول کا آٹا	دو کھانے کے چمچ
بادام (پسے ہوئے)	ایک کھانے کا چمچ
کریمی ٹن دودھ	۴۵۰ ملی لیٹر
الائچی (سونف)	ایک کھانے کا چمچ
بالائی	۵۰ گرام
عرق گلاب	ایک کھانے کا چمچ
ونیلا ایسنس یا کوئی بھی	پانچ یا چھ قطرے
پستے	۲۵ گرام کٹے ہوئے

ترکیب

دودھ کو ابال لیں ایک کپ نیم گرم دودھ میں بادام کا سفوف اور چاول کا آٹا خوب پھینٹ کر آمیزہ بنا لیں اور اس میں شامل کر لیں اور اس دوران مسلسل چمچ سے ہلاتی رہیں یہاں تک کہ گاڑھا ہو جائے۔

اب الائچی اور کریمی ٹن پیک دودھ اس گاڑھے دودھ میں شامل کریں، (دودھ میں چاول کا آٹا اور بادام شامل کرتے وقت دودھ کو چولہے پر سے اتار لیں پھر بعد میں چولہے پر رکھ کر پکاتے وقت چمچ چلانا نہ چھوڑیں)۔

اب اس میں چینی اور بالائی شامل کر لیں۔

ہلکی آنچ پر پندرہ منٹ پکائیں اور پھر اتار لیں، مگر چمچ سے مسلسل ہلاتی رہیں تاکہ نیچے نہ لگے، اب اس میں پستے اور عرق گلاب کے ساتھ فلیور ایسنس ڈال دیں اور چمچ سے ہلائیں۔

جب پکا ہوا محلول قدرے ٹھنڈا ہونے لگے تو اسے سانچوں میں ڈال کر فریز میں رکھ دیں تیار ہونے پر پستے اوپر سے ڈال کر پیش کریں۔

نوٹ:- پکانے کا دورانیہ پندرہ سے بیس منٹ اور جمنے کے لئے کم از کم ڈیڑھ سے دو گھنٹے دیں۔

آلو بخارے کا اسکوائش

اشیاء

آلو بخارے کا رس	ایک کلو
چینی	سوا کلو
سٹرک ایسڈ	پندرہ گرام
سوڈیم بینزویٹ	آدھا گرام
پانی	پانچ سو گرام

ترکیب

آلو بخاروں کو دھو کر ٹکڑوں میں کاٹ لیں اور گٹھلی الگ کریں، کٹے ٹکڑوں میں چوتھائی حصہ پانی میں پکائیں، نرم ہونے پر اسے اتاریں ٹھنڈا کریں مسلیں اور گاڑھا رس نکالیں۔

باقی پانی میں چینی ملا کر گھولیں، باریک کپڑے سے چھان کر میل نکالیں، ایک تار کی چاشنی بنائیں اور پھر ٹھنڈی کریں۔

رس اور سٹرک ایسڈ ڈال کر اچھی طرح سے ملائیں، تھوڑے پانی میں سوڈیم بینزویٹ گھول کر پورے اسکوائش میں ملائیں۔

سرخ رنگ کا اسکوائش صاف بوتلوں میں بھر کر سیل بند کریں۔

فالسے کا شربت

اشیاء

فالسے	ایک کلو
چینی	ڈیڑھ کلو
گلاب کا عرق	آدھا کلو
کھانے کا پرپل رنگ	ایک چٹکی

ترکیب

فالسے کو دھو کر اچھی طرح پیس لیں، پھر کسی باریک کپڑے میں ڈال کر ان کا اچھی طرح رس نکال لیں، چینی کو گلاب کے عرق میں ڈال کر پکائیے، جب دو تین ابال آجائیں تو فالسے کا رس اس میں شامل کر دیں اور پکنے دیں، جیسے جیسے اس پر جھاگ آتا جائے چمچ کی مدد سے اتارتی جائیں۔

جب جھاگ ختم ہو جائے تو پرپل رنگ آدھے کپ پانی میں اچھی طرح گھول کر شامل کر دیجئے، ایک دو جوش آنے پر آگ سے اتار لیں، پھر اچھی طرح ٹھنڈا کر کے خشک بوتلوں میں بھر لیجئے، جب شربت بنانا ہو ایک گلاس پانی میں تین چمچ شربت کے ڈال کر حل کر لیجئے۔

☆☆☆

اعتزاز

سدرہ سحر اپنی والدہ کی علالت کے باعث اس ماہ بھی مکمل ناول "ستم گزیدہ" کی آخری قسط نہ بھجوا سکیں، قارئین سے گزارش ہے کہ وہ سدرہ سحر کی والدہ کی جلد صحت یابی کے لئے دعا کریں شکریہ۔

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم! آپ سب کی خوشیوں اور سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ حاضر ہیں۔

ایک مفکر کا قول ہے کہ امن اور آزادی ایک دوسرے سے مشروط ہیں، آزادی کے بغیر امن ممکن نہیں، لیکن ہم وہ بدقسمت ہیں کہ آزادی پا کر بھی امن سے محروم ہیں، قتل و غارت گری، لوٹ مار، سانی و نسلی فسادات، دشت گردی اور ہر طریقے سے قوانین کی پامالی ہمارا اجتماعی رویہ اور وتیرہ بن چکا ہے۔

حب الوطنی اور وقت کا تقاضا ہے کہ سارے اختلافات بھلا کر اپنی ذات سے لے کر قومی معاملات تک ہر معاملے میں انصاف کو اپنا نصب العین بنائیں، انصاف و مساوات جیسی قدریں معاشرے میں موجود ہوں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمارے ملک کی ترقی میں رکاوٹ نہیں بن سکتی، اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں باہمی اتحاد اور محبت سے رہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا بلکہ جب بھی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائیں پورے عالم اسلام خصوصاً وطن عزیز کے لئے ضرور دعا کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

آیئے اب آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں پہلا خط ہمیں ماریہ احسن کا ملتان سے ملا ہے وہ لکھتی ہیں۔

مئی کا شمارہ اس بار تو بہت ہی لیٹ ملا اس پر ٹائٹل انتہائی فضول تھا، آپی کیا ہو گیا ہے، اب تو ٹائٹل بہت اچھے آ رہے تھے کہ یہ اچانک پھر......؟ خیر ٹائٹل کو چھوڑ کر آگے بڑھے، اسلامیات میں حمد و نعت، پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں پڑھیں، جس سے معلومات میں بے پناہ اضافہ ہوا، انشاء نامہ میں انشاء جی کے ساتھ ہم بھی بادشاہت کی تلاش میں نکلے، انٹرویو میں احسن خان کو دیکھ کر بے ساختہ منہ سے نکلا، کیا؟ یہ یہاں بھی، ٹی وی کے ہر چینل پر تو موصوف کا قبضہ ہے ہی، خیر آگے بڑھے اور سب سے پہلے ہما عامر کے ناولٹ کی طرف بھاگے چلیں جی آخر میں سب اکٹھے ہو گے مصنفہ نے جتنا اچھا اسٹارٹ لیا تھا اینڈ پر وہ تحریر سے انصاف نہیں کر پائیں، مکمل ناول میں فلک ارم ناز کا ناول بے حد پسند آیا، میرا خیال ہے یہ ان کی حنا میں دوسری تحریر ہے، مگر لکھنے کا انداز بہترین ہے ہلکے پھلکے انداز میں ایک معیاری تحریر، سلسلے وار ناول میں ''وہ ستارہ صبح امید کا'' پچھلی دو قسطوں سے بوریت کا شکار ہو گیا ہے، فوزیہ جی اس بار آپ کا ناول اتنا مزہ نہیں دے رہا جتنا آپ کا پہلا سلسلے وار ناول پڑھ کر آیا تھا، اُم مریم کا سلسلے وار ناول ''تم آخری جزیرہ ہو'' اُم مریم کی اچھی کاوش ہے، تحریر پڑھتے وقت اندازہ ہوتا ہے کہ معاذ اور ژالے مصنفہ کے پسندیدہ کردار ہیں یقین نہیں تو آپ بھی غور کریں جتنے اچھے اور متاثر کن ڈائیلاگ ان دونوں کے حصے میں آتے ہیں کسی اور کے نہیں ہاں جہان پر بھی نظر کرم ہو جاتی ہے خیر مریم کی یہ دلچسپ تحریر ہے، افسانوں میں اس

مرتبہ سب سے اچھا افسانہ رابعہ شاہین کا تھا، زبردست رابعہ آپ کی تحریر سے میں بہت متاثر ہوئی، ''محبت اور دوستی'' سیمی کرن کی تحریر تھی غالباً نئی رائٹر ہیں اگر ان کی یہ پہلی کوشش تھی بہت خوب، اس کے علاوہ شائستہ ساجد، نظارت نصر نے بھی اچھی کوشش کی، مستقل سلسلوں میں ''ستاروں کے آئینے میں'' تو ہے ہی معلومات کا خزانہ، بڑے جامع انداز میں ہر برج پر لکھا ہوتا ہے پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، حاصل مطالعہ میں کسی کی تعریف کریں، سبھی نے اچھا انتخاب بھیجا لیکن جو سب سے زیادہ پسند آیا وہ وفا عبدالرحمٰن کا انتخاب تھا، بیاض میں تمام ساتھیوں کی پسند معیاری تھی جبکہ میری ڈائری میں یاور عظیم، شگفتہ رحیم کی پسند اچھی لگی، رنگ حنا نے ہمیشہ کی طرح لبوں پہ مسکراہٹ بکھیر دی، حنا کی محفل میں عین غین خوب بے وقوف بناتے ہیں، دستر خوان اس بار لاجواب تھا، خبرنامہ میں عبداللہ بھائی اچھی طرح اداکاروں کی خبر لیتے ہیں، کس قیامت کے یہ نامے میں قارئین کے خطوط جتنے دلچسپ ہوتے ہیں اس پر آپ کا جواب دینے کا دھیما سا انداز ہمیں بے حد پسند آیا، آپی پلیز کاشف گوریجہ تک ہماری ایک فرمائش پہنچا دیں کہ ایف ایم 107 کی آر جے عائشہ ملک، صائم شاہ اور آفاق سید کا انٹرویو ضرور کریں اس کے علاوہ عالم آن لائن کے بلال قطب سے بھی ضرور ملوائیں۔

ماریہ احسن کیسی ہو؟ اتنا لمبا عرصہ کہاں غائب رہی، مئی کا شمارہ ٹائٹل کے علاوہ سارا آپ کو پسند آیا، یہ جان کر اتنی سخت گرمی میں ٹھنڈک کا احساس ہوا، ٹائٹل کے بارے میں انشا اللہ آئندہ شکایت نہیں ہو گی، آپ کی فرمائش نوٹ کر لی انشا اللہ جلد پوری کرنے کی کوشش کریں گے، اب جلدی جلدی اس محفل میں آتی رہنا اپنی قیمتی رائے کے ساتھ، آپ کی محبتوں کا شکریہ۔

سیمی کرن: فیصل آباد سے لکھتی ہیں۔

کہ آپ کی محفل میں باقاعدہ اور باضابطہ

طور پر پہلی مرتبہ حاضر ہو رہی ہوں، پہلی تحریر تو افراز بھائی کے ہاتھوں آپ تک پہنچی اب میں خود حاضر خدمت ہوں۔

سب سے پہلے تو میں آپ کی مشکور ہوں کہ آپ نے اپنے پرچے میں مجھے جگہ دی، ”حنا ڈائجسٹ“ جیسے بڑے پلیٹ فارم سے میری کہانی کا چھپنا واقعی میرے لئے اعزاز کی بات تھی گو کہ اس سے پہلے میری کہانیاں نوائے وقت میگزین، ساگر ڈائجسٹ اور خواتین میگزین میں چھپتی رہی ہیں اور میرا پہلا ناول بھی مارکیٹ میں آچکا ہے لیکن آپ کی پذیرائی پر میں آپ کی مشکور ہوں، لیکن ایک چیز جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہوں گی کہ ”حنا ڈائجسٹ“ ایک بڑا نام ہے اور چاند کی مانند مگر کتابت اور پروف ریڈنگ کے بے شمار غلطیوں کے باعث اس چاند کا حسن گہنا رہا تھا اور ایک قدرے گمنام رائٹر کے لئے یہ غلطیاں بہت مہلک ثابت ہوتی ہیں اور ایک اچھے قاری کے لئے کوفت کا باعث برائے مہربانی اس طرف دھیان دیں۔

پرچہ دیکھا، سبھی مستقل سلسلے خاص طور پر انشا نامہ، حنا کی محفل، بہت پسند آئے، تحریروں میں ”کھیلن کو مانگے چاند“ اور ”احساس وفا“ اچھی تحریریں تھیں، اگر حنا کے قارئین کے لئے ہر دفعہ کسی اچھی کتاب کا تعارف بھی پیش کیا جائے تو یہ ایک انتہائی اچھا اور کارآمد سلسلہ ہوگا، اللہ پرچے کو مزید ترقی عطا فرمائے۔

آپ کی خدمت میں دو تحریریں بھیج رہی ہوں، اب آپ رہنمائی فرمائیں کہ آئندہ آپ کو کیسے بھیجوں؟ امید ہے کہ آپ میری راہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔

سیمی کرن اس محفل میں پہلی مرتبہ شرکت کرنے پر خوش آمدید، حنا کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی تجاویز بہت اچھی ہیں انشاءاللہ تعالیٰ اس پر ضرور عمل کریں گے، تحریریں جیسا آپ مناسب سمجھیں بھیج دیں، ہمیں کوئی مسئلہ نہیں آئندہ بھی اس محفل میں آپ کی قیمتی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

رافعہ طارق: سرگودھا سے لکھتی ہیں۔

اس بار ٹائٹل انتہائی ناقص تھا، آئندہ ٹائٹل کا خاص خیال رکھیئے گا، اس ماہ میں پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں بے حد پسند آئیں، انشاء نامہ ہر بار کی طرح اس دفعہ بھی مزاح سے بھرپور تھا، فوزیہ غزل کی تحریر کے متعلق میں کیا کہوں انہوں نے اس ناول کو لگتا ہے دل سے لکھا ہے بے حد پسند آیا ہے، جبکہ اُم مریم کی تحریر بھی اچھی ہے اگرچہ کہیں کہیں مما جان اور مما کی تکرار ذہن و دل کو الجھا دیتی ہے پلیز مریم جی اس چیز کا خاص خیال کریں آپ کی تحریر کا سب سے اچھا کردار جہان کا ہے لڑکوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے، ہما عامر کا ناولٹ کوئی خاص پسند نہیں آیا، مکمل ناول میں ارم فلک نے بہت اچھا لکھا جبکہ ”احساس وفا“ خاصا فلمی سا اسٹائل لگا دیکھئے اگلی قسط میں مصنفہ کیا نیا پن سامنے لاتی ہے، افسانوں میں رابعہ شاہین، نیمی کرن اور شائستہ ساجد کی تحریر پسند آئیں، مستقل سلسلے سبھی اچھے تھے، بیاض، رنگ حنا، عین غین کی محفل غرض کے تمام سلسلوں میں چاہت بھرا انتخاب پڑھ کر لطف آتا ہے، ان تمام سلسلوں کو سجانے والے سبھی ساتھیوں کو مبارک باد۔

رافعہ طارق خوش آمدید، مئی کے شمارے کے لئے آپ کی پسندیدگی کا شکریہ آپ کی تعریف وتنقید ان سطور کی وساطت سے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہے آئندہ بھی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہنا شکریہ۔

☆☆☆